مضامین شرر

یعنی

مولانا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر لکھنوی

مدظلہ العالی

کے تمام شاعرانہ و عاشقانہ، محققانہ و فلسفیانہ، تاریخی و جغرافی، علمی و
ادبی مضامین، دنیا کے مشہور اکابر اور نامور خاتونوں کے سوانح عمری
اور کل متفرق تحریریں جن کی فاضل و محقق موصوف نے از سرِ نو
نظر ثانی فرمائی ہے

جنھیں

سید مبارک علی شاہ گیلانی مولوی فاضل پرنٹر لاہور نے چھپوایا

فہرست مضامین شرر

جلد سوم

سیر نسواں حصہ دوم

ان من البیان لسحرا

نامور خاتونوں کے

سوانح عمری

جن کی فاضل و محقق مصنف نے ازسرِ نو نظرثانی فرمائی ہے

جنہیں

سید مبارک علی شاہ گیلانی مولوی فاضل جھنگ لاہور

نے

مرکنٹائل پریس لاہور میں چھپوایا

ملنے کا پتہ ایس عبدالرشید اینڈ برادرز تاجران کتب لوہاری دروازہ لاہور

بار اول ۱۰۰۰

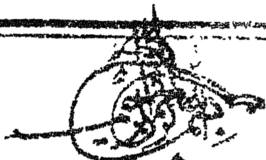
قیمت

مرکنٹائل پریس لاہور میں باہتمام لالہ دیوان چند پروپرائٹر چھپے

فہرست مضامین شرر

جلد سوم

سیر نسواں حصہ دوم



مضامینِ شرر جلد سوم

سیرِ نسوان حصۂ دوم

راحیل

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ قسمت بہت سے لوگوں کو اکثر ادنیٰ سے اعلیٰ اور کچھ سے کچھ بنا دیتی ہے - مگر موجودہ زمانہ کی انقلاب پسندی جس قدر حسینوں پری تمثال نازنینوں کے اوپر تماشے دکھا رہی ہے شاید اوروں کے کام نہ آتی ہوگی - اسی کا ایک دلفریب نمونہ گذشتہ صدی کی ایک مشہور یہودن ایکٹرس تھی جسکے حالات ہم ذیل میں درج کرتے ہیں -

راحیل ایک بہت ہی ذلیل و فلاکت زدہ گھرانے کی لڑکی تھی - باپ ایک دست فروش بساطی تھا جو تھوڑا سا مال لے کے جرمنی اور سوئٹزرلینڈ میں شہروں شہروں مارا مارا پھرتا - اور اسی پیشے سے اپنا پیٹ پالتا - اسکے اسی خاک چھاننے کے زمانے میں ۱۸۲۱ء تھا کہ سوئٹزرلینڈ کے شہر مف میں راحیل پیدا ہوئی - دو چار سال بعد اُس کا باپ آوارہ گردی سے عاجز آ کے شہر لیون میں مقیم ہو گیا - مگر وہاں بسر نہ ہو سکی تو ۱۸۳۰ء ہی میں آ کے دارالسلطنت فرانس شہر پیرس میں سکونت اختیار کی -

یہاں باپ تو شاید پاؤں توڑ کے گھر میں بیٹھ گیا مگر بڑی بیٹی سارہ نے بسر اوقات کے لیے یہ پیشہ اختیار کیا کہ پیرس کے قہوہ خانوں میں جاتی - اور جو لوگ

وہاں آکے بیٹھتے اور کھاتے پیتے اُنکے سامنے ایک پُرانا چکارہ بجا بجا کے گاتی اور انعام کی امیدوار ہوتی۔ ان موقعوں پر چھوٹی بہن راخیل جو ابھی ننھی بچی تھی بڑی بہن کے ساتھ رہتی۔ اور اُسکے گانے بجانے کے وقت جو حاضرین وسامعین کچھ دینا چاہتے اُنکے پاس دوڑ دوڑ کے جاتی اور سب سے پیسے تحصیل کرتی پھرتی۔

اتفاقاً کسی قہوہ خانے مین مسیو سوروں نام ایک نامور بزرگ رونق افروز تھے جنھون نے اپنی کوششون سے اُس موسیقی کی تعلیم کا ایک مدرسہ قائم کیا تھا جو عبادات اور گرجے سے مخصوص ہے۔ انکی نظر انتخاب ان دونون لڑکیون پر پڑ گئی۔ خصوصاً چھوٹی بہن راخیل کو اُنھون نے ایک بے بہا الماس خیال کیا جو کوڑے مین پڑا ملجائے۔ فوراً دونون کو اپنے ساتھ لائے۔ اور انکی تعلیم وتربیت کو اپنے ذمے لے لیا۔

چند روز تعلیم دی تھی کہ مسیو سوروں کو معلوم ہوا "اس نوخیز ونازک اندام یہودن کے اعضا وجوارح بہ نسبت گانے کے تاننے اور اپنے دلربایانہ حرکات وانداز سے دلربائی کرنے کے لیے زیادہ موزون ہین۔ چنانچہ چھوٹتے ہی اُنھون نے راخیل کو ایکٹ کرنے اور ناٹک کی تعلیم دینے والے اُستاد کے حوالے کردیا۔ اس اُستاد نے چار سال تک تعلیم دی۔ اور راخیل نے بھی اس طرح دل لگا کے سیکھا کہ اُس مدت کے اندر نہ کبھی محنت سے اُکتائی اور نہ اُس سے بدشوقی ظاہر ہوئی۔ اتنی مدت مین اُسے اس بات کا اندازہ ہوگیا کہ اعلیٰ ترین اور مستند مصنفین ڈراما کی ہیروئنون کے انداز اور حرکات وسکنات کیسے ہوتے ہین۔ اور اُنھین کس شان اور کیسے ناز وانداز سے دکھانا چاہیے۔ اگرچہ اُس کا رُجحان بعض چھوٹے درجے کے آسان ایکٹون کی طرف تھا مگر شوق سے بڑے اور مشکل ومستند ایکٹون کو حاصل کیا۔ اب وہ اس اُستاد کو چھوڑ کے کنسرواتوار (پیرس کے ایک مستند مدرسۂ غنا) مین جا کے گانا سیکھنے لگی۔ اور ۱۸۳۷ء مین جبکہ ایک سترہ برس کی ماہ وش نازنین تھی جمناس پیرس کے کرتب دکھانے کے تھیٹر مین اسٹیج پر نمودار ہوئی اور اپنی نازنینانہ کرتب دکھائے۔ اگرچہ بہت سے ناظرین فریفتہ ہوگئے مگر بحیثیت فن کے چندان کامیابی نہین ہوئی۔

لیکن دوسرے برس جب اُس نے "تیاتر فرانسیز (فرانسیسی تھیٹر) کے اسٹیج پر مشہور ڈراما "لیبر وراس" کی ہیروئن کامیل کا پارٹ دکھایا تو قیامت ہی کردی۔

سارے اہلِ پیرس دیکھتے ہی دم بخود رہ گئے۔ جو تھا اُس کا دیوانہ اور اُسکی صورت کا عاشق تھا۔ ایکٹ میں اُس کی جدت طرازی اور ناز و انداز کی تازگی نے پیرس کے بڑے بڑے نکتہ چینوں اور نقادوں کو مبہوت و متحیر کر دیا۔ اُسکی رسیلی نظریں ہر ایک تماشائی کے دل میں اُتر گئیں۔ اور ہر بات کے ادا کرنے کا جادو بھرا انداز اور ناز بھری ادا نشتر کی طرح ہر سینے میں پیوست ہو گئی۔

اسی سال اُس نے بہت سے تاریخی ڈرامے اور مستند مصنفوں کے قائم کیے ہوئے کیرکٹر اپنی اداؤں سے دکھا دیے اور تماشائیوں کو اپنا اسیرِ گیسو بنا لیا۔ یک بیک ہر سوسائٹی میں اُس کا تذکرہ چھڑ گیا۔ اور ایک ہی سال کے اندر وہ مقبولیت و ناموری کے انتہائی درجے کو پہونچ گئی جس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اسٹیج پر آنے کے پہلے سال اُس کی آمدنی کا اوسط چار ہزار فرنیک سالانہ سے زیادہ نہ تھا۔ دوسرے ہی برس یک بیک اُس کا اوسط بیس ہزار فرنیک ہو گیا۔ پھر اسکے بعد جو آمدنی بڑھنا شروع ہوئی تو پہلے تین لاکھ فرنیک سالانہ اور پھر چار لاکھ فرنیک کو پہونچ گئی۔

پرانے تاریخی کیرکٹروں پر حکومت حاصل کر کے اُس نے نئے مذاق اور جدید ڈراموں کے کیرکٹروں کی طرف توجہ کی۔ اور اس حیثیت سے بھی وہ چند روز میں تھیٹر کی دنیا کی مالک تھی۔ اصل یہ ہے کہ باوجود اتنی ترقی کرنے اور اس قدر دولتمند بنجانے کے آخر عمر تک طالب علمی کی وضع ہاتھ سے نہ دی۔ اپنے فن کے متعلق جو نئی چیز نظر آتی اُسکے حاصل کرنے کی انتہائی کوشش کرتی اور اپنی محنت و ذکاوت سے کامیاب ہو جاتی۔

اُس کی اس طالب علمانہ کوششوں کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ہر سال وہ کوئی نیا کمال دکھاتی اور اپنی جدت آفرین طبیعت سے اُس میں نئی نئی دلکش باتیں پیدا کرتی۔ اور جن خاص کیرکٹروں کو اُس نے خاص طور پر اختیار کیا تھا اُنکی تو وہ بادشاہ تھی۔ اور کسی کی مجال نہ تھی کہ اُس کی گرد کو بھی پا سکے۔

جب اُسے انتہا سے زیادہ ناموری حاصل ہو چکی تو انگلستان کے زندہ دل شوقین بھی اُسکے مشتاق ہوے۔ اور اُس نے وقتاً فوقتاً لندن کے سینٹ جمیس

تھیٹر میں آکے اپنا کمال دکھایا۔ اور لوگوں نے بڑے ہی جوش و خروش اور بڑی ہی گرمجوشی سے اُسکی قدر کی۔ یہاں کے لوگوں کا شوق دیکھ کے اُس کا حوصلہ بڑھا اور ارادہ کیا کہ امریکہ جاکے نئی دنیا والوں کو بھی اپنا تھیٹر دکھائے۔ چنانچہ ۱۸۵۵ء میں [illegible] کو سمجھا کے نیویارک پہونچی۔ وہاں اُس نے اگرچہ بڑے شوق سے تھیٹر کیا مگر خدا جانے کیا بات تھی کہ کامیابی نہ ہوئی۔ وہاں کی بے قدری سے دل شکستہ ہوکے حوصلہ پست ہوگیا اور فرانس میں ناکام واپس آئی۔

رشیل اپنا [illegible] تندرست نہ تھی۔ ہمیشہ [illegible] رہی۔ اور نازک اندام [illegible] زندگی بھر کبھی اُسکو تیار ہونا نصیب نہ ہوا۔ اس نزاکت [illegible] ناتوانی کے ساتھ محنت وہ ہمیشہ اپنی قوت سے زیادہ کیا کرتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صحت نے جوانی ہی میں جواب دیدیا۔ بیمار پڑ گئی۔ اور بیماری نے ایسا طول کھینچا کہ اُس کی زندگی کا چراغ گل ہی کرکے دم لیا۔ چنانچہ ۳۰ ہی سال کی عمر میں جبکہ ۱۸۵۸ء تھا اُس نے سفر آخرت کیا۔ اور دنیا میں اپنی یاد زندہ چھوڑ گئی۔

اُس کی چار بہنیں اور ایک بھائی رافیل فلکس بھی پیرس کے تھیٹروں کے ممبر تھے اور انھیں بھی ایک حد تک امتیاز حاصل تھا۔ مگر الزا رشیل کا کمال اُسی کے ساتھ اُس کی قبر میں دفن ہوگیا۔

زبیدہ خاتون

یہ خاتون ہارون رشید اعظم کی بیوی اور اُسکے چچا کی بیٹی تھی۔ دوسرے خلیفۂ عباسی ابو جعفر منصور کے دو بیٹے تھے ایک مہدی اور دوسرا جعفر۔ مہدی جو باپ کے بعد اورنگ نشین خلافت ہوا اُس کا بیٹا ہارون ہے۔ اور دوسرے بھائی جعفر کی بیٹی زبیدہ ہے۔ جعفر جسکے نام سے منصور نے کنیت اختیار کی باپ کے زمانۂ خلافت ۱۴۵ھ میں والی موصل مقرر ہوکے گیا تھا۔ اور اطمینان کے لیے منصور نے اُس زمانے کے نامور سپہ سالار حرب ابن عبداللہ کو اُسکے ہمراہ کر دیا تھا۔ حرب نے موصل میں جاتے ہی ایک عالیشان قصر تعمیر کرایا جس میں جعفر رہا کرتا تھا۔ اسی قصر میں زبیدہ پیدا ہوئی۔ اور امۃ العزیز نام رکھا گیا۔ مگر دو ہی تین سال باپ کے

آغوشِ شفقت کا مزا اٹھانے اور ناز و نعم اور لاڈ آمین سے پلنے پائی تھی کہ باپ نے سنہ ۱۵۰ھ
مین سفرِ آخرت کیا۔ اور بے باپ کی بچی رہ گئی۔

یتیم ہونے کے سبب وہ دادا کے قصر میں رہی تو چونکہ نہایت خوبصورت۔ گوری چٹی۔ ناک نقشہ سے درست اور نازک اندام و گل اندام تھی اس لیے دادا کی بہت لاڈلی ہو گئی۔ جنھیں اس پہ پیار آتا اکثر اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کے نچاتے اور کہتے "زبیدہ" "زبیدہ" عربی میں کہتی تو کہتے ہیں جس سے مکھن نکالا جاتا ہے۔ خلیفۂ وقت اور بزرگ خاندان کی زبان کا لفظ وہ لفظ بھی ایسا جو تشبیہ تام کی شان رکھتا تھا سارے گھر کو اس قدر پسند آیا کہ یہی اس ننھی بچی کا عزیز لقب پڑ گیا۔ اور ایسا لقب جس نے اصلی نام کو بھی مٹا کے رکھ دیا۔

۱۶۵ھ میں تیرہ چودہ برس کی ہوگی کہ چچا مہدی نے جو اب مالک تاج و تخت اور وارث اورنگ خلافت تھے اپنے بیٹے ہارون کے ساتھ شادی کر دی۔ اور چچا کے گھر سے خلیفۂ وقت کی بہو کی حیثیت سے بڑی دھوم دھام کے ساتھ بیاہ کے آئی۔ اس کے پانچ سال بعد ۱۷۰ھ مین جب ہارون مسند خلافت پر بیٹھا تو دنیا کی سب سے زیادہ معزز و محترم ملکہ وہی تھی۔ ہارون اور زبیدہ مین محبت بھی ایسی تھی جیسی کہ ملوک و سلاطین درکنار دولتمند اور امیر گھرانون کے میان بیویون مین بھی کم دیکھی گئی ہے۔ ہارون بالکل اُسکے ہاتھ مین تھا۔ جس راہ چاہتی چلاتی۔ اور جو کہتی کرتا۔ مگر سچ یہ ہے کہ ایک زبردست تاجدار شوہر کو غلام اور مطیع فرمان بنا لینا شوہر کی وجہ سے نہین بلکہ خود اس عقلمند۔ شائستہ۔ اور عاقبت اندیش ملکہ کی ذاتی خوبیون کی وجہ سے تھا۔ عہد رشید کے تمام حالات پر غور کیجیے صاف نظر آتا ہے کہ سوشیل معاملات مین وہ میان پر چاہے کیسی ہی چھائی ہو مگر سیاسی و انتظامی امور مین کبھی دخل نہ دیتی تھی۔ اسکے ساتھ لطف یہ کہ دنیا کو تو یہ نظر آ رہا تھا کہ زبیدہ ہارون پر حکومت کر رہی ہے۔ مگر خود رشید کو جو کچھ معلوم ہوتا وہ یہ تھا کہ زبیدہ میری مطیع فرمان ہے۔ اور کوئی بات میری مرضی کے خلاف نہین کرتی۔

رشید کا محل منتخب روزگار پری جمالون اور ہر قوم و ملک کی منتخب لونڈیون سے بھرا ہوا تھا۔ اور ہر لونڈی [illegible] ایک سے ایک کافر ادا اور نازک

اندام و دلربا ہوتی - مگر زبیدہ کی پیشانی پر کبھی بل نہ آیا - بلکہ شوہر کی آرزوئیں بر لانے
مین وہ حتی الامکان اُسکی ممد و معاون ثابت ہوئی - اور یہی وجہ تھی کہ عنفوان شباب
کی رفاقت آخر عمر تک نبھ گئی - اور زبیدہ کا شباب ایسے عیش و عشرت مین کٹا
جیسا کہ دنیا مین بہت کم ملکاؤن کو نصیب ہوا ہوگا - اُس کی شان ہمیشہ خاص محل
کی رہی - ملک کی تمام خاتونون مین نہایت ممتاز تھی - اور اُس کے محل مین کوئی عورت
چاہے رشید کی کتنی ہی بڑی محبوبہ ہو اُس کے حکم اور اختیار سے باہر نہ تھی - اُس نے محل کا
ایسا اچھا انتظام کر رکھا تھا اور ہارون کے اخلاق و عادات کو ایسا درست کر دیا تھا کہ
جاحظ جو عہد قدیم کے نامور علما مین ہیں کہتے ہین "رشید کے فضائل مین یہ بھی ہے کہ اُسکی
بیوی زبیدہ تھی"۔ بلحاظ نسب وہ خالص ہاشمیہ اور عباسیہ تھی جس فضیلت مین کوئی
عورت اُس کی ہمسری کا دعویٰ نہ کر سکتی تھی - اور نہ اُسکے پایے کو پہونچ سکتی چنانچہ
رشید کے پورے دور خلافت مین وہی سب سے زیادہ حسینہ و جمیلہ - وہی سب سے
زیادہ فطینہ و جمیلہ - وہی سب سے بڑی منتظمہ و مدبرہ - وہی سب سے بڑھ کے
شریف النسب - وہی سب سے اعلیٰ درجے کی معزز و محترم ملکہ - اور وہی ولیعہد سلطنت
محمد امین کی ماں تھی - ان سب باتون کا نتیجہ یہ تھا کہ رشید اُس کی بے انتہا عزت کرتا
اور اپنے مصارف کے لیے وہ جس قدر سرمایہ - جتنا وظیفہ - اور جتنی دولت مانگتی
بے تامل بھیج دیتا -

راویان اخبار نے سیکڑون ایسے واقعات اُس کی جانب منسوب کر کے قصون
اور کہانیون کی شان سے بیان کیے ہین جو اُس کی شریف النفسی - پاکدامنی - اور
متانت کے خلاف ہین - الف لیلہ ایسے متعدد قصون سے بھری پڑی ہے - خصوصاً
بعض واقعات تو بالکل اعتدال سے باہر ہو گئے ہین - مگر وہ سب اس نیک سیرت
ملکۂ ہاشمیہ پر تہمتین ہین جن سے اُس کی پاک زندگی بالکل مبرا و بے داغ تھی -

زبیدہ خلافتِ عباسیہ کے آغوش مین پلی اور خلافت اُس سے اس قدر
وابستہ تھی کہ ابوالعیناء نام ایک نامی بزرگ کہا کرتے "زبیدہ اگر اپنی زلفون کو
بکھرا دے تو ہر لٹ جا کے کسی خلیفہ ہی پر پڑے گی - پہلا عباسی خلیفہ سفاح اُسکے
دادا کا بھائی تھا - دوسرا خلیفہ ابو جعفر منصور اُس کا حقیقی دادا تھا - تیسرا خلیفہ

مہدی اُس کا چچا اور سُسرا تھا۔ چوتھا خلیفہ ہادی اُس کا دیور تھا۔ پانچوان خلیفہ ہارون رشید اُس کا ناز بردار شوہر تھا۔ چھٹا خلیفہ امین اُس کا لاڈلا فرزند تھا۔ اور ساتوین اور آٹھوین خلفاے عباسی مامون و معتصم اُسکے سوتیلے بیٹے تھے۔

شادی کے چار سال بعد تقریبًا ڈیڑھ سال کا زمانہ اُسے پریشانی اور افکار و تردوات مین البتہ گذرا ہوگا جبکہ اُس کا دیور ہادی تخت خلافت پر قابض اور چھوٹے بھائی رشید کے نام سے بیزار تھا۔ اس لیے کہ اُس کی ولیعہدی اُسے بجبر و اکراہ منظور کرنی پڑی تھی۔ مگر ہادی کی جوان مرگی نے ڈیڑھ ہی سال کے اندر وہ سب فکرین دور کر دین۔ اور اُسے ایسا بامراد اور قسمت ور بنا دیا کہ شاید اُسوقت دنیا بھر مین ایسا نصیبہ ور کوئی اور نہ ہوگا۔

مگر اسکے بعد جب رشید چوبیس سال زبردست حکومت کرکے زبیدہ کو ہر قسم کا عیش کرا کے ۱۹۳ھ مین رہگراے آخرت ہوا۔ اور اُس کی بیوگی کا زمانہ شروع ہوا تو شاید وہ مصائب زمانہ سے دوچار ہو کے ملول و حزین ہو جاتی۔ مگر اب اُس کا بیٹا امین الرشید خلیفۂ وقت تھا۔ اور زبیدہ کی عزت بجاے گھٹنے کے اور بڑھ گئی تھی۔ خوش قسمتی سے وہ یورپ کے کسی فرمان روا کی ماں نہ تھی جو قوت واثر سے محروم ہو کے دل شکستہ ہو جاتی ہے۔ بلکہ ایک مسلمان تاجدار کی ماں تھی جسکی عزت و حکومت لازمی طور پر پہلے سے زیادہ بڑھ جایا کرتی ہے۔ اور صاحب تاج و تخت فرزند چاہے کیسا ہی باشوکت ہو ان کے آگے ہاتھ ہی جوڑتا رہتا ہے۔

لیکن اُسکے چار پانچ سال بعد جب امین اپنی بے عقلی و بے اعتدالی کے باعث مامون سے جھگڑ کے ۱۹۸ھ مین مارا گیا تب البتہ زبیدہ کو سرد مہری زمانہ سے سابقہ پڑا۔ خصوصًا اس لیے کہ مامون خراسان مین تھا۔ اور اُس کے سپہ سالار طاہر نے جس کے ہاتھ سے اُسے یہ فتح حاصل ہوئی۔ اور امین مارا گیا حریم خلافت کے ساتھ گستاخیان کین۔ اور زبیدہ کی عزت و حرمت کا ذرا بھی پاس و لحاظ نہ کیا۔

مامون اگرچہ سوتیلا بیٹا تھا مگر زبیدہ اُس کی نیک سرشت۔ اُس کے مزاج۔ اور اُس کے خصائل سے بخوبی واقف تھی۔ شکایت زمانہ مین چند اشعار موزون کرکے اُسکو لکھ بھیجے۔ جن کا مضمون یہ تھا:۔

نیت یہ تحریر لکھ رہی ہوں ۔ اور آنکھوں سے آنسو جاری ہیں ۔ طاہر کے ہاتھ سے دخترِ خلافت کو سخت تکلیف پہنچی جو تحریر میں نہیں آ سکتی ۔ مجھے بے پردہ اور بے نقاب چادر باہر نکالا ۔ میرا محل لوٹ لیا ۔ میری ساری دولت برباد کی ۔ اور میرے تمام قصر و ایوان جلا دیئے ۔ میری جو بے آبروئی ہوئی ہے ۔ اور اس کانے کے ہاتھ سے (طاہر یک چشم تھا) مجھ پر جو کچھ گذری ہے وہ ہارون کو قبر میں چین سے لیٹنے نہ دیگی ۔ لیکن اب بھی اگر تمہارے حکم سے ہوئی ہے تو میں صبر کروں گی کہ قسمت میں یہی تھا ۔" اس کے ساتھ اس نے اپنے بیٹے امین کا ایک مرثیہ کہا ۔ اور دونوں نظموں کو مامون کے پاس [illegible] بھیج دیا ۔

یہ نظمیں ایسے سوز و گداز کے الفاظ میں لکھی گئی تھیں کہ مامون کے دل پر بڑا اثر ہوا ۔ بے اختیار رو دیا ۔ اور اس کی زبان سے نکلا کہ "میں خود اپنے بھائی کے خون کا انتقام لوں گا ۔" اسکے بعد وہ زبیدہ کے ساتھ بالکل اپنی ماں کی طرح پیش آیا ۔ مہربانی اور ہمدردی میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا ۔ قصر خلافت ہی کے اندر اسے لا کے رکھا ۔ اور اس کا ایوان نہایت ہی عالی و ارفع تھا ۔ اسکی خدمت کے لیے بہت سی لونڈیاں اور غلام مقرر کیے ۔ سالانہ وظیفے کے طور پر اسکے نام ایک لاکھ نئی اشرفیاں اور دس لاکھ جدید الضرب درہم جاری کیے ۔ اسی رقم میں سے سو اشرفیاں اور ہزار درہم ہر سال وہ ابو العتاہیہ کو دیدیا کرتی تھی جو اس زمانے کا سب سے زیادہ نامور اخلاقی شاعر تھا ۔ اور زبیدہ کی سرکار سے وابستہ تھا ۔

ایک سال اتفاق سے وہ یہ رقم بھجوانا بھول گئی ۔ اور گرد و پیش والوں میں سے بھی کسی نے یاد نہ دلایا ۔ ابو العتاہیہ نے ایک پرزے پر دو شعر لکھ کے اندر بھجوا دیے ۔ جن کا مضمون یہ ہے : "ذرا مجھے بتا تاکہ امسال دار الضرب میں نئے سکے بنے ہیں یا نہیں ؟ اس لیے کہ ہر سال کی طرح اب کی برس میں نے نئی اشرفیاں دیکھی ہیں نہ نئے درہم دیکھے ہیں ؟" ان اشعار کو پڑھتے ہی زبیدہ نے معمولی رقم بھجوا دی ۔

مامون ہمیشہ اس کا خیال رکھتا ۔ اور بہت ادب کرتا ۔ جب مامون نے اپنے وزیر کی بیٹی بوران کے ساتھ دھوم دھام سے شادی کی ہے تو دولھن کے لینے والوں

میں سب سے پیش پیش زبیدہ خاتون تھی۔ مثلاً ایک بار اس کی کسی خواہش پر مامون سے سرد مہری ظاہر ہوئی۔ زبیدہ نے چند شعر [illegible] سے لکھ کے مامون کے پاس بھیج دیے جن کا پہلا مصرع یہ تھا

[illegible] المامون [illegible]   [illegible]

جب مامون نے یہ [illegible] رشید [illegible] اور محمد امین [illegible] سب موجود تھے۔ مامون یہ اشعار پڑھتے ہی [illegible] اٹھ کر [illegible] کے قدموں پر گر پڑا اور کہا "میں نے آپ کے معاملے میں بے پروائی نہیں کی۔ بلکہ سیاسی کاموں میں مصروف ہونے کی وجہ سے آپ کو ایسا محسوس ہوا۔ مگر پھر بھی میری التجا ہے کہ آپ میرا قصور معاف فرمائیں"۔ زبیدہ نے کہا "تو پھر مجھے کوئی شکایت نہیں۔ ہزار مشغولیتیں ہوں دل صاف [illegible] تو کوئی شکایت نہیں"۔

زبیدہ کی [illegible] ساتھ اس کی فیاضی۔ رحمدلی۔ اور نیک نفسی بھی ضرب المثل تھی۔ خدا نے اسے [illegible] دولت بھی اس قدر دی تھی کہ لوگ [illegible] سلاطین بھی اس کے آگے مفلس تھے۔ چنانچہ حریری اپنے مقامات میں ایک جگہ کہتا ہے "اگر [illegible] زبیدہ [illegible] دولت تجھے دیدے"۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔ ع۔ "[illegible] زبیدہ [illegible]"

زبیدہ کی خدمت میں ایک [illegible] لونڈی تھی۔ اس زمانے کا مشہور مغنی مخارق اس پر [illegible] ہو گیا۔ مگر زبیدہ کے ڈر کے مارے چھپا پھرتا تھا۔ تاہم جب شوق دل بیتاب کرتا تو شوق دید میں ڈیوڑھی پر چلا آتا۔ اتفاقاً کسی نے زبیدہ سے چغلی کھائی۔ سنتے ہی زبیدہ بہت ناراض ہوئی اور حکم دیدیا کہ "خبردار مخارق میری ڈیوڑھی پر نہ آنے پائے۔ ورنہ ادھر سے ہو کے گذرا کرے"۔ مخارق نے مجبوراً یہاں کا آنا بھی چھوڑ دیا۔ ایک دن وہ مامون رشید کی محفل میں نغمہ سرائی کر کے دریا کے راستے سے واپس آ رہا تھا۔ جب اس کی چھوٹی کشتی دجلے میں زبیدہ کے قصر کے سامنے سے گذری تو مخارق نے نہایت ہی سوز و گداز کے سُروں میں چند اشعار گائے۔ جن میں سب سے پہلے شعر کا یہ مطلب تھا "اگر وہ اپنے گھر کے پاس آنے سے مجھے منع کرتے ہیں تو نہ سہی، اس گھر کو میں دور ہی سے دیکھ لیا کروں گا"۔ اتفاقاً

زبیدہ اُسوقت کوٹھے پر بیٹھی دریا کی بہار دیکھ رہی تھی - یہ نغمہ اُس کے کان مین پہونچا
تو چونک کے کہنے لگی "یہ تو خدا کی قسم مخارق کی آواز ہے - دوڑ کے اس کی کشتی روکو
اور میرے پاس بُلا لاؤ" مخارق آیا تو زبیدہ نے کوٹھے پر اپنے پاس بُلا لیا - بیٹھنے
کے لیے کرسی دی - نبیذ پلائی - خلعت سے سرفراز کیا - اپنی خوش گلو لونڈیون کا گانا
سُنوایا - اور کہا "لے اب تم بھی کچھ گاؤ" حکم پاتے ہی مخارق نے چند شعر گائے -
جن مین اپنے ذوق وشوق اور اپنی بیتابی و بیقراری کو جی بھر کے دکھا دیا - مخارق
کی زبان سے یہ اشعار سنتے ہی تمار بھی بدلے کے بیٹھ گئی جن مین بظاہر تو مخارق
کی طرف سے نفرت و اختلاف ظاہر ہوتا تھا - گر معناً اور پردے پردے مین اُسکی
طرف اپنا میلان اور اُس کے عشق کے قبول کرنے کا اقرار و اعتراف تھا - تمار کی
یہ حرکت اور دورخی بات سمجھ کے زبیدہ بہت ہنسی اور کہا "جو لطف مجھے تم دونون
کے نغمے مین آج آیا کبھی نہ آیا تھا" اور اُسی وقت تمار کا ہاتھ پکڑ کے مخارق کے
حوالے کر دیا:

زبیدہ کی رحمدلی اور نفع رسانی خلق یون تو مشہور ہی ہے مگر ایک دن اُس نے
کمال کر دیا - اور سب لوگون کو اعتراف کر لینا پڑا کہ ایسا حلم اور کسی شخص مین نہین
ہو سکتا - ایک شاعر صاحب جنھین خدا نے لیاقت چاہے کتنی ہی دیدی ہو مگر
عقل نہ دی تھی اُسکی شان مین قصیدہ لکھ کے لائے اور سُنانا شروع کیا - جسکے
ایک شعر کا مضمون یہ تھا "زبیدہ - تیری خدمت مین آنے والا بڑا ہی خوش نصیب
ہے - کیونکہ اور لوگ ہاتھون سے فیاضی کرتے ہین تو تو پانون سے کرتی ہے" یہ
شعر سنتے ہی کُل حاضرین حرم کی رنگت اُڑ گئی - نقیب اور چوبدار دوڑے کہ اُسے
مارین اور ایسے بدتمیز گستاخ کو اس محترم دربار سے نکال باہر کرین - مگر خود زبیدہ
نے آواز دے کے سب کو روکا اور کہا "اسے مارتے کیون ہو؟ اس نے جو کچھ کہا ہے
نیک نیتی سے کہا ہے - مگر بے عقلی سے ادب و تمیز داری کے اصول سمجھنے مین غلطی
کر گیا - کسی شاعر کو کسی کی مدح مین اس نے یہ کہتے سُنا ہے کہ اور جود اپنے ہاتھ سے
کرتے ہین وہ تیرے بائین ہاتھ کا کام ہے - اسی مضمون سے اخذ کر کے اس نے یہ
[illegible] بہت طرازی کی - خیر اب جو ہوا سو ہوا - جانے دو - اور امید لگا کے آیا ہے

محروم نہ پھیرو۔ مگر سمجھا دو کہ پھر ایسی حماقت و بدتمیزی کی بات زبان سے نہ نکالے۔ یہ کہہ کے اُسے انعام و اکرام سے سرفراز کر کے رخصت کیا

زبیدہ خاتون مین دینی جوش ابتدا ہی سے بڑھا ہوا تھا مگر بیوگی مین اور زیادہ بڑھ گیا۔ چنانچہ مورخین کا بیان ہے کہ اُسکے محل مین سو لونڈیان حافظۂ قرآن تھین۔ جو روز خوش گلوئی اور اعلےٰ ترین قرأت کے ساتھ تلاوت قرآن کیا کرتین۔ اُن مین سے ہر ایک کے ذمے فرض تھا کہ روز دس پارے پڑھے۔ اور تین دن مین قرآن مجید ختم کر دے۔ ان عورتون کی تلاوت سے اُس کے محل کی طرف سے ہو کے جب گذریے شہد کی مکھیون کی سی ایک گونج سُنی جاتی۔ اور انسان کے دل پر دینی عقیدت و پاکیزگی کا بڑا اثر پڑتا۔

لیکن جوش مذہبی اس حدت بھی گذرا تو اُس نے بعد مامون رشید ۲۰۹ھ مین حج کا ارادہ کیا۔ مامون اُس سے اس قدر مانوس ہو گیا تھا کہ امید نہ تھی اُسے خوشی سے ایسے دور و دراز سفر کی اجازت دیدے گا۔ اس لیے زبیدہ نے اُس کی محبوبہ دُلھن بُوران کی زبان سے کہلا کے اجازت حاصل کی۔ اور بتزک سفر کی تیاریان کر دین۔ چونکہ نہایت ہی دولتمند تھی اور رشید اور مامون دونون نے اُس کے گھر کو دولت و حشمت سے مالامال کر دیا تھا۔ اس لیے وہ حج کو چلی تو پہلے ہی سے تہیہ کر لیا کہ دینی خدمات اور نفع رسانی خلق اللہ مین جی کھول کے حوصلے نکالے گی۔

بڑے کرّ و فر سے روانہ ہوئی۔ اور بجائے اسکے کہ عراق سے سیدھی مکہ معظمہ کی جانب رخ کرے شام و ارض مقدس کی طرف سے پھیر کھاتی ہوئی گئی۔ اور سفر مین قدم رکھتے ہی فیاضیان شروع کر دین۔ کہتے ہین کہ صرف اس سفر مین اُس نے تعمیر مساجد اور دیگر خیراتی کامون مین سترہ لاکھ اشرفیان صرف کین۔

بیت المقدس کی زیارت کے وقت جب وہ کوہ لبنان کے دامن مین گذری تو دیکھا کہ پانی کی قلت ہے اور لوگ تکلیف اُٹھاتے ہین۔ ہمراہی انجنیرون کو حکم دیا کہ اس خطے مین کسی نہر کے لانے کی کوشش کرین۔ اُنھون نے جستجو و پیمایش کے بعد عرض کیا کہ کوہ لبنان کے چشمۂ عوغار سے یہان نہر آسکتی ہے۔ زبیدہ نے

فوراً اس کام کو چھیڑ دیا۔ اور بڑی آزادی کے ساتھ بہت جلدی کر دی گئی۔ اس نہر کو
پہاڑ سے [illegible] اور وادی میں
اس کی تیاری [illegible] انجینئروں [illegible] ہندسہ کی مہارت سے درجہ
بدرجہ بلند پل تعمیر کیے گئے ہیں۔ جن کی مدد سے پانی بلندی پر چڑھ کے دوسری
طرف نکل جاتا ہے۔ اور جیون سے [illegible] ایک شاخ بیروت کو نکل گئی ہے۔ یہ پل
آج تک [illegible] مشہور ہیں۔ [illegible] خیال
[illegible] کیا گیا ہے کہ [illegible] ایک
جدا [illegible] فیاضیوں کی
یہ بھی ایسے نظیر [illegible] اسی کی جانب منسوب
کر دی جاتی ہیں۔

عراق، شام۔ اور عرب میں اس کے اس قسم کے بہت سے خیراتی کام ہیں
جو دنیا کو آج تک منفع پہنچاتے ہیں۔ اور فیاض ملکۂ عباسیہ کے لیے ذخیرۂ آخرت
ہیں۔ اس کی وہ تمام یادگاریں "زبیدیہ" کہلاتی ہیں منجملہ ان کے مکۂ معظمہ اور عقیق کے
درمیان ایک تالاب ہے جہاں اس کا ایک قصر اور مسجد بھی موجود ہے۔ جن چیزوں
کو اس نے اپنے روپیہ سے حاجیوں کی نفع رسانی کے لیے بنوایا تھا۔

مگر اس کی سب سے بڑی حیرت انگیز یادگار جس نے اسے قیامت تک کے
لیے ایک رحمتِ الٰہی ثابت کر دیا مکۂ معظمہ کی نہر زبیدہ ہے۔ عوام میں مشہور ہے
کہ یہ نہر دریائے دجلہ سے کاٹ کے لائی گئی ہے۔ مگر یہ غلط ہے۔ اور نہ ایسا کام
قوت انسانی کے اقتدار میں ہے۔ دراصل زبیدہ نے مکۂ معظمہ سے دس پندرہ میل
کی مسافت پر کسی پہاڑ میں ایک چشمہ ڈھونڈھ نکالا۔ وہیں سے پہاڑوں کو کاٹ کے
اور بڑی بڑی چٹانوں کو توڑ کے اس نہر کو وہ مکے میں لائی ہے۔ اور اس شان سے
لائی کہ پانی مکۂ معظمہ میں جوش مارنے لگا۔ دیگر ارض عرب میں چند گز تک پانی کا لانا
بھی قوت بشری سے باہر معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ کیسا ہی چشمہ ہو پیاسی بالو چند
ہی قدم پر اسے پی جاتی ہے اور انسان کے لیے ایک قطرہ بھی نہیں چھوڑتی۔ پھر
جس سرزمین میں لو کے جھونکوں کے ساتھ بالو کے پہاڑ ایک جگہ سے اڑ کے دوسری

جگہ قائم ہوتے رہتے ہوں، وہاں کسی نہر کا ایک دن جاری رہنا بھی غیر ممکن ہے۔ چند ہفتے بھی نہ گذرنے پائیں کہ بالو اُسے پاٹ کے برابر کر دے۔ ان دونوں قدرتی دشمنوں کی دست برد سے بچا کے ایک نہر کا دس پندرہ میل تک بہا لانا امکان سے باہر نظر آتا ہے۔ مگر زبیدہ کی فیاضی نے اُسے ممکن کر ہی کے چھوڑا۔ اُس نے نہر کے ظرف کو جس زمین سے ہو کے وہ گذرتی ہے خدا جانے کس طرح اور کس قدر پختہ بنا یا ہے کہ پانی زمین میں جذب نہیں ہونے پاتا۔ اور ریگ رواں کی سیل سے بچانے کے لیے نہر کو اول سے آخر تک اوپر سے پاٹ دیا ہے۔ جس کی وجہ سے اوپر پایا ہے کچھ ہو نہر کی روانی میں فرق نہیں آنے پاتا۔ صرف مکہ معظمہ اور بعض آباد مقاموں میں جا بجا کنووں کی طرح اوپر سے کھول دی گئی ہے جہاں سے لوگ پانی بھر لیا کرتے ہیں۔

یہ وہ مقام ہے جہاں حضرت اسمٰعیل کے سیر کرنے کے لیے خداوند جل وعلا نے معجز نما طریقے سے زمزم کا سوتا جاری کیا تھا۔ جس سے پہلے یہاں زندگی غیر ممکن تھی اور کسی ذی روح مخلوق کا کوسوں پتہ نہ تھا۔ اُسی زمین میں حسن تدبیر سے ایسی ایک نہر کا جاری کر دینا فرہاد کے جوئے شیر لانے سے زیادہ دشوار کام تھا۔ مگر نیک نیت ملکہ زبیدہ کے ہاتھ سے خدا نے اُسے انجام دلا دیا۔ علامہ ابن جوزی فرماتے ہیں "اُس نے اہل مکہ کو اُس وقت پانی سے سیراب کر دیا جبکہ ایک کوزہ آب کی قیمت ایک دینار (اشرفی) کو پہونچ گئی تھی"۔

اسی سلسلے میں زبیدہ نے مکہ میں مقام عقبہ کے بنجر خطے کو ایک نزہت بخش باغ بنا دیا۔ اُسکے داروغہ نے ادب سے عرض کیا "حضور اس کام میں بڑا صرف پڑے گا"۔ اُس نے جوش و استقلال کے ساتھ جواب دیا "جتنا صرف پڑے گا میں برداشت کروں گی۔ چاہے پھاوڑے اور کدال کی ہر ہر ضرب کی مزدوری ایک ایک اشرفی پڑے میں دوں گی مگر اس کام کو پورا کر کے رہوں گی"۔ چنانچہ وہ اپنے ارادے میں کامیاب ہوئی۔ اور اُس خطے کو ایک گلزار پُر بہار بنا دیا۔ مکہ معظمہ میں اُس نے غربا اور حجاج کے قیام کے لیے دو مکان بھی تعمیر کرائے تھے۔ ایک جانب شامی میں یعنی کعبۂ شریف کے شمالی جانب تھا اور دوسرا جانب یمانی میں

یعنی جنوب کی طرف۔

ایسے شاندار اور ہمیشہ یاد رہنے والے حج کے بعد زبیدہ بغداد میں واپس گئی تو خاموشی کے ساتھ عبادت و تقویٰ میں مصروف ہوگئی۔ اور واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اپنے شوہر کے زمانے میں وہ انتظامات ملکی اور پالٹکس میں دخل نہ دیتی تھی اپنے فرزندوں کے زمانے میں بھی کبھی اُس نے اس کا خیال نہ کیا کہ ملک میں کیا ہو رہا ہے۔ مگر فیاضی اور خدمات مخلوق کا سلسلہ اب بھی اُسی طرح جاری تھا۔ بغداد میں بہت سے قصور و ایوان اُس کی جانب منسوب تھے۔ اور اب بھی اُسکے نام کے مختلف محلے ہیں۔ اور جا بجا اُس کی یادگاریں باقی ہیں۔

حج کے آٹھ سال بعد ۲۱۶ھ میں زبیدہ نے تقریباً ستر برس کی عمر میں سفر آخرت کیا۔ مگر اپنے نام اور اپنے محاسن کو ابدالآباد تک باقی رہنے کے لیے زندہ چھوڑ گئی۔

ماریہ رولان فلپون

یہ ایک قابل و ممتاز فرانسیسی خاتون تھی جس نے محض اپنے حسن و جمال اور فضل و کمال کی وجہ سے عروج حاصل کیا۔ ناموری کے اعلیٰ ترین شہ نشین پر پہونچی۔ اور ناعاقبت اندیش قوم کی غیر معتدل آزادیوں پر قربان ہوئی۔

وہ فلپون نام پیرس کے ایک ٹھرکن کی بیٹی تھی جو اپنے فن میں تو صاحب کمال تھا مگر غربت و افلاس کے ہاتھوں ہمیشہ پریشان رہا۔ اُسی کے یہاں ۱۷۔ مارچ ۱۷۵۴ء کو ماریہ پیدا ہوئی۔ ماں باپ کے مزاج میں بڑا فرق تھا۔ ماں نیک نفس۔ نرم دل۔ ستودہ اخلاق۔ اور صابر و قانع تھی۔ برخلاف اسکے باپ حریص و طماع۔ بدنفس و بداخلاق۔ حاسد و کینہ ور۔ اور شریف و نیک نفس لوگوں کا دشمن تھا۔ اُسے یہی مالیخولیا تھا کہ میری ساری نکبت و فلاکت شرفا و امرائے وطن کی وجہ سے ہے۔ اور بدنصیبی سے ملک فرانس کی عوام الناس کو اُن دنوں علی العموم یہی خبط ہو رہا تھا۔ ان خیالات کی وجہ سے فلپون کو جب دیکھیے معززین و شرفائے شہر کو گالیاں دیتا۔ اور کہتا "یہی لوگ ہم سب کو لوٹے کھاتے ہیں"۔

ماریہ اگرچہ ان کے تمام صفات کی وارث تھی مگر ممکن نہ تھا کہ اُس کے دل کے پاک و صاف آئینے مین باپ کی تیز زبانی کی جھلک نہ نظر آئے۔ کیونکہ باپ کے زیر تعلیم رہی تھی۔ وہ نہایت ہی ذکی و ذہین تھی۔ چار سال کی عمر کو پہونچنے سے پہلے ہی لکھنا پڑھنا سیکھ لیا۔ اور مطالعۂ کتب کا اُسے اس درجہ شوق ہو گیا کہ اُس کے شوق و حوصلے کے مطابق کتابین خرید دینا یا اُنھین فراہم کرنا باپ کے امکان سے باہر تھا۔ اپنی بیٹی کی اُمنگ دیکھ کے نکلون نے بیٹی کو تعلیم کے لیے ایک زنانی خانقاہ مین بھیج دیا جہان ننین لڑکیون کو تعلیم دیا کرتی تھین۔ اس خانقاہ مین ماریہ نے ایسا ذوق علم اور تعلیم کا شوق ظاہر کیا کہ اُستانیان اُس پر ناز کرنے لگین۔ اور ساتھ والی لڑکیان اُس کی مطیع فرمان لونڈیان بن گئین۔

خانقاہ کے اس زمانۂ مدرسے مین ماریہ نے مصوری اور موسیقی مین نمایان ترقی کی۔ تاریخ و سیر۔ سفرنامون۔ نامور شعرا کے دیوانون۔ ادب و اخلاق۔ مطائبات و لطائف اور پالٹکس کی کتابون مین پوری بصیرت حاصل کی۔ ان سب علمون مین پورا توغل کرنے کے بعد اُس کے دل مین قدیم یونانیون اور رومیون کے حالات معلوم کرنے کا غیر معمولی ذوق پیدا ہو گیا۔ اور کوشش کرنے لگی کہ اپنے اخلاق و عادات اُنھین لوگون کے سے بنائے۔ اس کوشش مین اُسے یہان تک انہماک ہوا کہ ایک دن باپ نے دیکھا کہ اکیلی بیٹھی رو رہی ہے اور کچھ کُڑھی ہوئی سی ہے۔ بڑھ کے تسلی دی اور رونے کا سبب پوچھا تو بولی "مین اس بات پر روتی ہون کہ مین کسی رومی کے گھر مین کیون نہ پیدا ہوئی؟"

اکثر اوقات جب تنہا بیٹھتی تو یونانیون کی گذشتہ سطوت اور رومیون کی اگلی عظمت کی خیالی تصویرین خیال کی آنکھون کے سامنے قائم کرتی۔ پھر اُنکے مقابل جب وہ اپنے شہرون اور لوگون کی حالت پر غور کرتی تو دل بھر آتا۔ رونے اور سر دھننے لگتی۔ اور دل مین کہتی "یہ لوگ کس قدر عیش پرست ہو گئے ہین؟ کیسی غلطیون اور بیہودگیون مین مبتلا ہین؟" اور یہ خیال آتے ہی وطن کے دولتمندون اور قوم کے سربرآوردہ لوگون کی طرف سے اُس کے دل مین سخت نفرت پیدا ہو جاتی۔ ارکان سلطنت کو ذلت کی نظر سے دیکھتی اور ایک ٹھنڈی آہ کے ساتھ کہتی خداوندا!

سچائی کو فتح ہو۔ عدالت و انصاف کا قانون ملک پر حکومت کرے۔ اور قوم اس تباہی سے چھوٹے۔"

دراصل یہ اُس کے باپ کے خیالات تھے۔ جنھون نے اعلیٰ تعلیم پا جانے کے بعد یہ صورت پیدا کر لی تھی۔ باپ نے بچپن ہی مین اُسے وطن کے امیرون کے بُرے خصائل و عادات اور اخلاق و اطوار شناسا کر کے سب کی طرف سے بدظن کر دیا تھا۔ جب وہ ننھی بچی تھی تو باپ اکثر اُسے اُنگلی پکڑ کے یا ہمراہ لیے ہوا پیرس کی سڑکون پہ پھراتا۔ دولتمندون کا کرّ و فر۔ امیرزادون کا سیر و تفریح کے لیے نکلنا۔ اور تماشہ گاہون مین جمع ہونا۔ اُن کی بادبانون کا چلنا اور اُنکے جلو مین خدم و حشم کا ہونا۔ باہم لغو و بیہودہ مذاق کرنا۔ اُنکے گھوڑون کا غریبون کو ٹھوکر دے کے نکل جانا اور اُن کا غریب ابنائے وطن کو حقارت و ذلت کی نگاہون سے دیکھنا۔ پھر اسکے بعد اُنکی زرنگار گاڑیان۔ اُنکے شاندار گھوڑے۔ اُنکا اعلیٰ درجے کا بیش بہا ساز و یراق۔ اور اُنکے سر بفلک قصر و ایوان دکھاتا اور کہتا "بیٹی دیکھو اور بتاؤ کہ عدل و انصاف کہان ہے؟ اور کہان ہین وہ خدا کے نیک بندے جو انسانیت کی مدد و دستگیری کو اُٹھین؟ اور ان وحشی و جاہل سنگدلون کے دستِ ستم سے اُسے بچائین؟ دیکھتی ہو کہ حریر و دیبا کے گدّون پر بیٹھتے اور کمخواب کے تکیے لگاتے ہین۔ عیش و عشرت مین زندگی ختم کرتے ہین؟ اور جن کی محنت سے ملک آباد ہے وہ فاقے کر رہے ہین؟" یہ باتین بھلا بے اثر کیے ہوئے رہ سکتی تھین؟ اُس کے دل مین جم گئین۔ اور وہ اُس گھڑی کا انتظار کرنے لگی جب خدا ان کو اس خوابِ غفلت کی سزا دے گا۔

۱۴ برس کے سِن مین وہ اپنی تعلیم پوری کر کے مدرسے سے نکلی۔ نکلتے ہی مان نے گھر کے کامون مین لگا لیا۔ اور کوئی لڑکی ہوتی تو علم حاصل کرنے کے بعد چولھے چکی کو اپنی شان سے ادنیٰ خیال کرتی۔ مگر ماریہ کو خدا نے علم و فضل کے ساتھ سچا مذاق دیا تھا۔ دل مین خیال کیا کہ عورت کے سب سے اہم فرائض یہی ہین۔ بڑے ذوق و شوق سے ان کا ہاتھ بٹا لیا۔ دوڑ دوڑ کے کام کاج کرنے لگی۔ گھر کا سودا سلف خود ہی جا کے لے آتی۔ اور چونکہ بڑے سلیقے اور دانشمندی سے بات چیت

کرتی اس لیے بازار کے تمام دُکاندار اُس کے گرویدہ ہوگئے - سب اُس کی عزت کرتے اور اُسے سب سے اچھا سودا مل جاتا -

اب اُسکی شادی کا سِن ہوا - اور ہرطرف سے پیام آنے لگے - ان پیامون کی جب کثرت ہوئی اور اُس نے دیکھا کہ ماں باپ چاہتے ہین کہ اُن مین سے کسی کو منظور کرلین تو اُس نے اُنھین جلد بازی سے روکا - اور کہا "فطرت اور قانون دونون اِس پر متفق ہین کہ مرد کو عورت پر فضیلت و فوقیت ہے - اگر مین نے جلدی مین کسی ایسے کو پسند کرلیا جو مجھ پر حکومت کرنے اور مُجھ پر حاوی ہونے کے قابل نہ ہو تو مجھے انجام مین نادم ہونا پڑے گا - اور میری زندگی خراب ہوجائے گی" یہ سُن کے ماں باپ کو خاموش ہوجانا پڑا -

ایک دن اتفاق سے ایک بڑا دولتمند امیر کبیر اُس کے باپ کے مکان مین آیا - اُس نے اتفاقیہ طور پر تعلیم کے سلسلے مین ماریہ کے ہاتھ کی چند تحریرین دیکھین تو حیران وششدر رہ گیا - آہ! کیا پاکیزہ خط - اُس کی خوبصورت عبارت جس چیز کو خیال کرتا بے عدیل ونظیر پاتا - ماریہ کی لیاقت کی اُس نے بیحد تعریف کی - اور اُس سے خود ہی سبقت کرکے خواہش کی کہ "مجھ سے خط وکتابت کیا کرو - تاکہ تمھارے طرز تحریر سے مین فائدہ اُٹھاؤن" اسکے بعد گھر جاتے ہی اُس نے ماریہ کو ایک خط لکھا - جس مین توجہ دلائی کہ "تم تصنیف وتالیف کا شوق کرو - مجھے یقین ہے کہ پبلک تمھارے لٹریچر کی بڑی قدر کریگی" ماریہ نے اس خط کا جواب نظم مین دیا - اور ایسے پاکیزہ اشعار موزون کرکے اُسے لکھ بھیجے کہ اُسے اور زیادہ حیرت ہوئی - اس منظوم خط مین ماریہ نے یہ لکھا تھا کہ "علم وفضل مین عورت مردون کا مقابلہ نہین کرسکتی - اور عورت کو وہ اعلیٰ علمی درجہ نہین نصیب ہوسکتا جو مردون کو حاصل ہے" پھر اسکے مدلل وجوہ واسباب بتائے تھے -

اب اسوقت سے ماریہ تلیون اور اُن رئیس مین سلسلۂ مراسلت جاری ہوگیا - اور وہ اُنکے وہان جانے آنے بھی لگی - ان دولتمند امیر کا ایک جاہل بیٹا تھا جو نہایت ہی غصہ ور اور مزاج کا جھلا تھا - اُنھون نے چاہا کہ ماریہ کو اپنے اُس نالائق فرزند کے ساتھ بیاہ لائین - کیونکہ اُنھین یقین تھا کہ ماریہ کی صحبت سے اُس لڑکے کی اصلاح

ہو جائے گی۔ اور قابل بی بی جب راہ پر لگائے گی تو وہ سُدھر جائے گا۔ مگر اُس کی اصلاح کی اُمید موہوم پر ماریہ اپنی زندگی کیون خراب کرتی؟ قطعًا انکار کر دیا۔

اُس امیر سے نامہ و پیام ہونے اور اُس کے گھر پر آنے جانے کے باعث ماریہ سے شہر کے اور کئی اُمرا سے شناسائی ہو گئی۔ اور اُنکے حالات کے معلوم کرنے کا بھی اچھا موقع مل گیا۔ جس کی زیادہ تر وجہ یہ تھی کہ بچپن سے یونانیون اور رومیون کے اخلاق و عادات کا مطالعہ کرتے کرتے اُسے عادت ہو گئی تھی کہ جس کسی سے سابقہ پڑتا دل ہی دل مین اُس کے عادات و اطوار اُسکے خصائل و کردار اور اُس کے مذاقِ طبیعت کا اندازہ کر لیتی۔ لیکن خوبی اور تعریف کی یہ بات تھی کہ کبھی یہ نہ ہوا کہ دولتمند اُمرا مین سے کسی کی کوئی خصلت اُس نے اختیار کی ہو۔ بلکہ امرا کے خصائل پر غور کرنے کا یہ نتیجہ تھا کہ روز بروز اُن سے اور متنفر ہوتی جاتی۔ اس لیے کہ امرا کو یا تو گانے بجانے اور عیش و نشاط سے واسطہ تھا۔ یا خود نمائی۔ فضول تبختر۔ اور کبر و نخوت سے اور اِن باتون کو ماریہ حقیر و ذلیل جانتی تھی۔

اب اُس کی عمر پچیس برس کی تھی اور بدستور لوگون کی جانچ پڑتال کرتی رہتی تھی کہ مسیو رولان نام ایک سن رسیدہ شخص سے ملاقات ہوئی جو عمر مین اُس سے بائیس سال بڑا تھا۔ اور علاقہ لیون کے تمام کارخانون کا انسپکٹر تھا۔ مسیو رولان نے چند ہی روز کی شناسائی کے بعد اُسے شادی کا پیام دیا۔ اور اُس نے اپنے مذاق مین اُس کے عادات و خصائل کو اس قدر پسند کیا تھا کہ اُس کا پیام فورًا منظور کر لیا۔ یہ شخص معزز و ممتاز تھا۔ صاحب علم و فضل تھا۔ ادب و قابلیت مین مشہور تھا۔ اور اُسکے کئی تصانیف ملک مین شائع ہو چکے تھے۔ ان تمام صفات کے ساتھ وہ مزاج کا بھی بہت اچھا تھا۔ غرض ۴۔ فروری ۱۷۸۰ء کو دونون کی باہم شادی ہو گئی۔ اور ماریہ فلپون میڈم رولان بن گئی۔

شادی کے بعد چند روز تک تو دونون پیرس مین رہے۔ پھر شہر امیان مین چلے گئے۔ اور اُسکے بعد شہر لیون مین جا کے مقیم ہوے۔ جہان مسیو رولان تو کارخانون کے معائنے مین مصروف رہتے۔ مگر بی بی نے اپنی یہان کی زندگی سے ایک کامل ترین خاتون کی زندگی کا نمونہ دکھا دیا۔ گھر کو خوب سجا اور آراستہ کیا۔ پھر اُسکی انتظامی حالت

سُدھاری - اور اپنی زندگی کے بہترین دن یہین بسر کیے - یہان ایک لڑکی پیدا ہوئی - اور مارِیہ رولان اُس کی تعلیم و تربیت مین ہمہ تن مصروف ہوگئی -

مسیو رولان کا یہ معمول تھا کہ ایک چھوٹے گانوٗن مین جا کے گرمیون کا موسم بسر کیا کرتے - مارِیہ رولان وہان اُنکے ساتھ جا کے مہینوں رہتی - اور معمول تھا کہ ہر روز تھوڑا وقت گانوٗن کے مریضون اور محتاجون کی خبرگیری مین صرف کرتی - اور چونکہ کوئی طبیب موجود نہ تھا خود ہی اُن کا علاج کرتی - اور اپنے پاس سے دوائین دیتی اور تسلی دیتی رہتی - وہ لوگ اُس کے حد سے زیادہ گرویدہ ہوگئے اور سارے گانوٗن مین اُس کی خوبیون کی دھوم ہوگئی -

مگر اُس کا زیادہ وقت شوہر کے علمی کامون کی مدد مین صرف ہوتا - اور مشہور ہوگیا تھا کہ مسیو رولان مین جتنی خوبیان نظر آرہی ہین یہ سب در اصل اُنکی بیوی کی خوبیان ہین - چنانچہ خاص اُسکے ایک ملنے والے کا بیان ہے "مسیو رولان کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ وہ قوانین دولتِ روم سے خوب واقف ہین - لیکن سچ پوچھیے تو اُن کا یہ علم در اصل اُن کی بی بی کا علم ہے - اپنے تمام کمالات مین وہ اپنی انیس زندگی منکوحہ کے زیر بار احسان ہین - اُن کی بی بی انکی تمام معاملات مین مدد و معاون رہتی ہین - اُن کا کل کام وہی کرتی ہین - جن کتابون کو وہ تصنیف کرتے ہین وہی اُنھین درست کرتی ہین - اور اپنے زور قلم اور اپنی ادبی قابلیت سے شوہر کی تحریرون کو نہایت ہی مدلل اور موجہ بنا دیتی ہین - اور اصل حقیقت یہ ہے کہ بی بی ہی کے طفیل مین وہ اعلیٰ درجے کے انشا پرداز اور ادیب مشہور ہوگئے ہین"

اسی اثنا مین یکبیک فرانس مین انقلابات و بغاوت کا ہنگامہ بپا ہوگیا جو تاریخ عالم مین ایک عجیب واقعہ ہے - رعایا سلطنت کے خلاف اُٹھ کھڑی ہوئی اور شاہی خاندان اور اُس کے طرفدارون کو دنیا تنگ نظر آنے لگی - مارِیہ رولان کو جب اس جوش و برہمی کا حال معلوم ہوا تو فوراً اُس کی اعانت کے لیے تیار ہوگئی - لوگون کا جوش بڑھانا شروع کیا - اور بغاوت و سرکشی کی آگ اور بھڑکا دی - وہ بچپن سے امارت کے خلاف اور رعایا کی طرفدار تھی - یہ ہنگامہ شروع ہوا تو دل مین سمجھی کہ ملک و قوم کی اصلاح کی اس سے بہتر کوئی تدبیر نہین ہے - لہذا چند ہی

روز کے اندر اپنے شوہر اور دوستوں کو ایسا جوش دلایا کہ وہ دنیا کے فتنہ و فساد کے بانی بن گئے۔ اور مادام رولان نے اپنے عطا کردہ زور سے پوری بغاوت کرادی۔ یہاں تک کہ وہاں کے عوام کا نعرہ یہ ہو گیا کہ مسیو رولان اور اُن کی بیوی کی کارگزاری شاہی مظالم اور بے انصافی کی قصہ سے خوش ہو گئی ہیں۔

اس کی خبر فرانس کے امرا اور بادشاہ کے طرفداروں کو ہو گئی۔ انھوں نے خفیہ جاسوس پیچھے لگا دیے جو دونوں میاں بیوی کے ساتھ لگے رہتے۔ اور اُن کے اوضاع و اطوار اور حرکات و سکنات کی گھڑی گھڑی کی خبریں پہونچاتے رہتے۔ اس کا علم ہو جانے پر بھی مادام رولان اپنے ارادے اور طرز عمل سے باز نہ آئی۔ بلکہ دوستوں کو اور زیادہ مخالفت پر آمادہ کر دیا۔ آخر ان میاں بیوی کی طرف لوگوں کی گرویدگی اس درجہ پہنچی کہ شاہ فرانس لوئی شانزدہم نے جب نئے انداز کی حکومت قائم کی تو لیون والوں نے مسیو رولان ہی کو اپنا نواب اور اہل لیون کے بیوپاریوں کی طرف سے نمائندہ تجویز کر کے اسے مجلس قانون ساز میں بھیجا۔ یہاں یہ لیون کے نائب مقرر ہوئے۔ دونوں میاں بیوی ۲۰ فروری ۱۷۹۱ء کو پیرس میں پہنچے اور مادام رولان نے اس زمانے کے حالات پر اپنے قلم سے ایک رسالہ لکھ کے شائع کیا جس نے رعایا پر بے انتہا اثر کیا۔

رعایا کو ان میاں بیوی کے ہاتھ میں دیکھ کے بادشاہ اس قدر نادم ہوا کہ اُنکی استمالت و دلجوئی کرنے لگا۔ یہاں تک کہ مارچ ۱۷۹۲ء میں مسیو رولان کو اپنا وزیر داخلیہ مقرر کر لیا اور اُنھیں رہنے کو اپنا ایک سجا سجایا قصر دے دیا جس میں شاہانہ تکلفات کا سامان اور عالیشان قیمتی فرنیچر تھا۔ مادام رولان بڑے کر و فر اور شان و شوکت کے ساتھ خوشی خوشی اُٹھ کے اُس قصر میں گئیں اور شاہی ساز و سامان کا لطف اُٹھانے لگی۔ اور رعایا نے بادشاہ کے اس انتخاب پر بڑے جوش و خروش سے اظہار اطمینان و مسرت کیا۔

اسکے چند روز بعد جب بادشاہ نے چاہا کہ آزادی و سرکشی کے سرگروہوں کو سزا دے تو مسیو رولان سے خواہش کی کہ آپ باغیوں اور مخالفین تاج و تخت کے مقابلے میں اعلان جنگ کا مشورہ دیں۔ وہ متردد تھے اور دل کمزوری دکھانے

بنگ تھا کہ مادام رولان نے شوہر کی طرف سے ایک ایسی چٹھی بادشاہ کو لکھ بھیجی جو اس تجویز کے خلاف تھی۔ اور ایسی مدلل و موجہ اور زوردار الفاظ میں تھی کہ بادشاہ کو اس کی اور اسکے شوہر کی طرف سے یاس ہو گئی۔ اور کل اہل دربار گھبرا گئے۔ اور جب مسیو رولان نے وہ چٹھی دیکھی تو اپنی بی بی کی اس جرأت اور زور قلم پر انھیں حیرت ہو گئی۔

اس چٹھی کے دیا ؤ سے بادشاہ کو تجویز تو چھوڑ دینا پڑا۔ مگر دربار میں یہ امر قرار پا گئی کہ مسیو رولان کو سلطنت کے عہدوں سے نکال دینا چاہیے۔ چنانچہ چند ہی روز بعد وہ عہدۂ وزارت سے علٰحدہ کر دیے گئے۔ بادشاہ کی یہ بے رخی دیکھ کے مادام رولان نے میاں سے کہا "تم اس کا کچھ اندیشہ نہ کرو۔ اور میری وہ تحریر جو دربار میں بھیجی گئی تھی قوم کے سامنے شایع کر دو۔ سب کو معلوم تو ہو جائے کہ کس قصور پر تمھارے ساتھ یہ سلوک کیا گیا ہے۔ مسیو رولان نے جو بالکل بی بی کے اختیار میں تھے اس تحریر کو شایع کر دیا۔ اور اس کا عجیب و غریب اثر ہوا۔ ادیبوں اور انشا پردازوں اور آزاد خیال پیشتروں نے بے انتہا داد دی۔ ملک میں آزادی کا جوش پیدا ہوا۔ اور اس کا ایسا دباؤ پڑا کہ بادشاہ نے گھبرا کے مسیو رولان کو پھر خلعت وزارت سے سرفراز کر دیا۔ اور مادام رولان نے شوہر کو ہدایت کر دی کہ "اگر میں نے تمھیں معزول کرایا تھا تو میں ہی نے تمھیں پھر بحال بھی کرا دیا۔"

اس کے چند روز بعد وہ زمانہ آیا جب سارا شاہی خاندان مع بادشاہ کے قید خانے میں تھا۔ اور تخت شاہی عوام کے ہاتھ کا کھلونا تھا۔ جن سرکش عوام کا زور تھا ان کی کئی پارٹیاں تھیں انھیں میں سے ایک گروہ نے مادام رولان کو یہ تہمت لگائی کہ وہ شاہی خاندان سے سازش رکھتی ہیں۔ مکر و فریب سے کوشش کر رہی ہیں کہ بادشاہ کو قید خانے سے نکال کے پھر تخت پر بٹھا دیں۔ اور لوگوں کو ابھارنا شروع کیا کہ مادام رولان سے اس بیوفائی و مخالفت کا انتقام لیں۔ خصوصاً ایک بدمعاش نے جسے مادام رولان نے اپنے پاس سے نکال دیا تھا یہ کہنا شروع کیا کہ "وہ فرانس کے مہاجنوں سے مراسلت کر رہی تھیں کہ ان سے روپیہ لے کے بادشاہ کے آزاد کرانے میں صرف کریں۔" فرنچ قوم نے اکثر اپنے محسنوں کے ساتھ بیوفائی کی ہے۔ یہی قوم تھی جس نے جون آف آرک کی ایسی فرشتۂ رحمت دوشیزہ سے

دکھائی جا رہی تھی۔ وہی رنگ اب مادام رولان کے معاملے میں پھر نمایاں ہوا۔ وہ
جو خاتون اُن کے حقوق دلوانے میں سب سے زیادہ ساعی تھی اُسی کے دشمن ہو گئے۔

اس انقلاب کے وقت ان کے شوہر مسیو رولان زمانے کا رنگ بدلا دیکھ کے
روپوش ہو گئے تھے۔ اور جاتے وقت اُنھوں نے لاکھ چاہا کہ بی بی کو بھی ساتھ
لیتے جائیں مگر وہ نہ راضی ہوئیں نہ ساتھ جانا مانا اور کہا "میں بہادری اور جوانمردی سے ان
دشمنوں کا مقابلہ کروں گی"۔ شوہر کے چلے جانے کے بعد اُس طوفان بے تمیزی میں
جب مادام رولان پر تہمتیں لگائی گئیں تو بغیر اس کے کہ ان کی اُن کارگزاریوں کا
لحاظ کیا جائے جو آزادی کی طرفداری میں اُنھوں نے کی تھیں وہ قید کر لی گئیں
وہ چند مہینے اسیر رہنے کے بعد جوابدہی کے لیے اُس عدالت کے سامنے طلب کی
گئیں جو قوم کی طرف سے مخالفوں کی سزا دہی کے لیے قائم کی گئی تھی۔ جس وقت
یہ قابل اور نیک خاتون ملزموں کے کٹہرے میں لا کے کھڑی کی گئی ایسا انبوہ خلائق
تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ ایک خدائی اُمڈی چلی آتی ہے۔ دشمن غصے میں بھرے تھے اور
بڑے طیش سے جھنجھلا جھنجھلا کے الزام لگاتے تھے کہ مادام رولان نے جوابدہی میں
جادو بیانی شروع کی۔ فوراً ہر طرف سناٹا ہو گیا۔ اور کسی نغمۂ دلکش نے کبھی وہ
اثر نہ دکھایا ہوگا جو اُس وقت اس شیریں زبان و سحر بیان خاتون کے الفاظ دکھا
رہے تھے۔ اپنی اور اپنے ساتھیوں کی برأت میں اُس نے ایسی پُر زور اور فصیح و
بلیغ تقریر کی کہ سب کی زبان بند ہو گئی۔ پیروی مقدمہ کرنے والے وکیل سے کچھ بنائے
نہ بنی۔ تمام حاضرین کے دلوں پر اُس کی بیگناہی نقش ہو گئی۔ اور حاکم نے جوری
سے رائے طلب کی۔ جوری نے بلا تامل بری ہونے کا قطعی فیصلہ کر دیا۔ اور مادام
رولان کو آزادی دے دی گئی۔

مگر اس فیصلے نے دشمنوں کے سینوں میں انتقام کی آگ اور بھڑکا دی خصوصاً
روبس پیر نام ایک شخص تو اس نیک اور فخر قوم خاتون کے خون ہی کا پیاسا تھا۔
چند روز پیشتر لوگ اُس شخص کے قتل کے درپے تھے۔ بھاگا بھاگا پھرتا تھا اور کہیں
پناہ نہ ملتی تھی۔ اُس نازک زمانے میں مادام رولان اور اُن کے شوہر نے اسے اپنے
گھر میں پناہ دے کے بچا لیا تھا۔ اُس احسان کے بدلے میں وہی کافر نعمت شخص

آج اُن کی جان کا خواہان ہے۔ ان مخالفون نے کچھ ایسی سازش کی اور نئے الزامات تصنیف کرکے اس طرح پیروی کی کہ میڈم رولان بری ہوکے گھر تک نہین پہونچنے پائی تھین کہ راستے ہی سے گرفتار کرکے پھر قیدخانے مین بند کردی گئین۔
ابکی بار وہ کئی مہینے قیدخانے مین رہین۔ مگر قید کی زندگی اُنھون نے عجب غیرمعمولی اطمینان وصلاحیت سے بسر کی۔ افکار و تردداتِ اور خطرون اور اندیشون کی اُنھین جیسے پروا ہی نہ تھی۔ اپنے اوقات تقسیم کیے۔ روز ایک گھنٹے انگریزی زبان سیکھنے مین صرف کرتین۔ کچھ گھنٹے مصوری و نقاشی مین گذرتے۔ ایک معتدبہ زمانہ مطالعۂ کتب وتمہاری کتابون کی تصنیف مین بسر ہوتا۔ مگر سب سے زیادہ وقت وہ اپنے ہم الم قیدیون کی خبرگیری۔ اُن کی تسلی وتشفی اور دلدہی و حوصلہ افزائی مین صرف کرتین۔ اُنکے پاس جا جا کے اُنھین بہت دلاتین۔ جہان تک تھا روپے پیسے سے اُن کی کفالت کرتین۔ اور یہ معلوم ہوتا کہ وہ قیدی نہین بلکہ ستم رسیدہ قیدیون کے حق مین ایک رحمت الٰہی ہین۔ اس زمانے اور قید مین انھون نے اپنی بے نظیر ودلکش کتاب "اپیل ٹو پاسٹرٹی" (آنے والی نسل سے اپیل) لکھی جس مین خود اپنے تاریخی حالات اور خیالات اور واقعات قلمبند کیے ہین۔

لیکن اُنکے ان نیک کامون کے مقابل دشمنون کا سوا اس کے اور کوئی مشغلہ نہ تھا کہ تمام لوگون کو سازش کرکے انکے خلاف کردین۔ اور جس طرح بنے اُنکے ساتھ دشمنی کرین۔ آخر اکتوبر ۱۷۹۳ء مین یکایک وہ پھر عدالت مین بلائی گئین۔ اب کی وہ زیادہ سنگین جرائم کے مجرمون کی وضع سے لائی گئین۔ اور بغیر اسکے کہ اُن کو کچھ بھی کہنے سننے کا موقع دیا جائے عدالت نے سزاے موت تجویز کی۔ اور حکم ہوا کہ "گلوٹین" سے گلا کاٹ کے اُن کی جان لی جائے۔ اس حکم کو مادام رولان نے بڑے استقلال۔ تحمل۔ بردباری۔ اور جوانمردی کے ساتھ سُنا۔ اور خاموش ہوگئین۔ مگر چہرے پر پہلے اس حکم سے اور زیادہ بشاشت آگئی۔ خصوصاً جب مُشکین باندھ کے قتل گاہ کی طرف روانہ کی گئین تو پیشانی سچائی کے نور سے چمک رہی تھی۔ رخسارون پر جوش دل کی وجہ سے خون کی سرخی نمایان تھی۔

اور گویا ابھی اس بیگناہی کی موت پر خوش ہیں -

راستے میں اتفاق سے "آزادی" کی [illegible] فرنچی [illegible]

فرانسیسیوں نے پیرس میں مٹی کے مجسمہ قائم کر رکھا ہے [illegible]

[illegible] بے اختیار اُس کی طرف توجہ کر کے کہتی "او آزادی! [illegible]

نے لوگ سچے [illegible] تیرے نام کی [illegible]

ہو رہی ہے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] سے اپنی جان [illegible] کی ہیں۔

قتل کے وقت اُس کی عمر ۲۵ سال کی تھی۔ [illegible]

شوہر کی موت دیکھ کر اس کا دل ٹوٹ گیا کہ [illegible]

بعد اُن کی جیب میں لوگوں کو ایک کاغذ [illegible] میں لکھا تھا "[illegible]

کے بعد مجھ میں اتنا صبر نہیں کہ اس کو پڑھتی اور آتا ہو بہت جبری دنیا میں

زندہ رہوں۔"

عفراء بنت مہاصر

یوں تو "عشق انسان کے آب و گل میں ہے"۔ اور کوئی سرزمین نہیں جہاں حُسن و عشق نے طرح طرح کے کرشمے نہ دکھائے ہوں۔ مگر جتنے نامی گرامی عشاق اور اُنھیں کے مذاق کی پاکباز و نیک سیرت معشوقائیں سرزمین عرب نے پیدا کی ہیں۔ غالباً کوئی اور ملک نہ پیدا کر سکا ہوگا۔ اور عرب میں بھی بنی عذرہ کا زندہ دل قبیلہ جس کے مردوں کا عشق اور عورتوں کا حُسن وجمال صدیوں تک دُنیائے اسلام کا ادبی مشغلہ رہا ہے۔ اور آج تک ضرب المثل ہے۔ اسی مقدس سرزمین اور اسی باحوصلہ قبیلے کی ایک عدیم المثال معشوقہ "عفراء" تھی جس کے عشق کی حسرت آلود داستان ہم آج اپنے ناظرین کو سُنانا چاہتے ہیں۔ یہ عفراء بنی عذرہ کی ایک پرورش نازنین تھی جو حُسن وجمال۔ ادب و کمال۔ اور نیز فصاحت و بلاغت میں

انتخاب - اور شعر گوئی و نازک خیالی کے ساتھ عصمت و پاکدامنی مین اعجوبۂ روزگار تھی - اس
ماہوش نازنین کے باپ تین بھائی تھے - اول تو خود اُس کا والد جن کا نام مہاصر تھا -
دوسرا حزام - اور تیسرا سعید - عفراء دو ہی تین سال کی بچی تھی کہ اُسکے چچا حزام نے
سفر آخرت کیا - اور چار پانچ برس کے ایک یتیم بچے عروہ کو چھوڑ گیا جسے بھائی کے
مرنے پہ عفراء کے والد مہاصر نے اپنے آغوش شفقت مین لے لیا - اور اپنے گھر مین
رکھ کے پالا پرورش کیا - اُسی زمانے مین اُس کے دوسرے چچا سعید غالباً اپنے
سسرالی تعلقات کی وجہ سے شمالی عرب کے مشہور شہر بلقا مین جا کے اقامت گزین
ہو گئے - اور اُن کا ایک نوعمر لڑکا اثالہ بھی اُنکے ساتھ گیا - غرض بنی عذرہ کے
سرزمین مین اکیلا مہاصر رہ گیا جو اپنی بیٹی عفراء کے ساتھ یتیم بچے عروہ کو بھی
پال رہا تھا -

یہ زمانہ خود حضرت سرور کائنات علیہ السلام کا تھا جبکہ اکثر قبائل عرب دین اسلام
قبول کر چکے تھے - اور صحابۂ کرام کا عہد ہونے ہی کی وجہ سے عفراء کے واقعات
اس بات کا آئینہ ہین کہ اُس خیر القرون کا عشق بھی کس قدر سچا - کتنا گہرا - اور کیسا
پاکبازی و پاکدامنی کا تھا - اسی آغاز اسلام کے آغوش مین عفراء اور عروہ ایک گھر
مین رہتے - ساتھ اُٹھتے بیٹھتے - اور کھیلتے کودتے تھے - بچپن ہی کے اُنس نے
دونون کے دلون مین محبت کی شمع روشن کر دی - اور اُسکی لو اندر ہی اندر اس قدر
بڑھی کہ بلوغ کے ساتھ ہی وہ بچپن کی سادی اور بے غرض محبت بھی دنیا کا ایک
یادگار عشق بن گئی - لیکن چونکہ دونون ساتھ رہتے اور دولت وصال سے شادکام
تھے اس لیے ابھی تک دونون سادے دلون مین سے ایک بھی فراق کی سختیون سے
آشنا نہ تھا - اور آگاہ نہ تھے کہ عشق مین کیا ہوتا ہے -

جوش محبت نے جب زیادہ بیتاب کیا تو عروہ نے عرب کے سادے مذاق و
رواج کے مطابق چچا مہاصر کے پاس جا کے سعادتمندی کے آداب اور شرم کے
لہجے مین کہا ”آپ عفراء کی شادی میرے ساتھ کر دیتے تو بڑی عنایت ہوتی“ چچا
نے خوش ہو کے جواب دیا ”ہان بیٹا - عفراء تمھاری ہی دولھن ہو گی - تمھارے سوا
اور کس کی ہو سکتی ہے؟“ اس وعدے نے عروہ کے دل مین خدا جانے کیسی کیسی

آرزوئیں پیدا کردیں۔ وفور مسرت ضبط کے درجے سے گذر گیا۔ جا کے عفراء کو خبر کی۔ وہ بھی سن کے بہت خوش ہوئی۔ اس لیے کہ اُسکے دل میں بھی اگر کوئی تمنا تھی تو اسی بات کی۔ اب تو نیز طبیب و محبوبہ کی صحبتیں پہلے سے زیادہ بامزہ تھیں۔ اور سحار خیال سامنے کی فضا میں روز ایک نیا عالیشان قصر تعمیر کرتا۔ اور دوسرے دن بگاڑ کے اُس سے زیادہ شاندار عمارت بنانے کی فکر کرتا تھا۔

یہی عالم استغراق تھا۔ یہی امیدیں یہی ارمان تھے۔ یہی شادی کی تیاریاں تھیں کہ عرب کا ایک تاجرانہ قافلہ شام کی طرف چلا جس کے ساتھ مہاصر نے کچھ مال تجارت دیکے عروہ کو بھی روانہ کر دیا۔ چچا کا حکم تھا۔ اور وہ چچا جس کے قبضۂ قدرت میں زندگی کی ساری آرزوئیں تھیں۔ عروہ فوراً آمادہ ہو گیا۔ اور وصل عفراء کے خواب دیکھتا ہوا ارض شام کی طرف چلا۔

اتفاقاً مہاصر کے دوسرے بھائی سعید کا بیٹا اثالہ اسی سال ارض شام سے بعزم حج حجاز میں آیا تھا۔ واپسی کے وقت بنی عذرہ میں آکے چچا کا مہمان ہوا۔ مہاصر نے اُسے پدرانہ شفقت سے گلے لگایا۔ عزت کے ساتھ اُتارا۔ اور جہاں تک بنا اس کی خاطرداری میں کوئی بات اُٹھا نہ رکھی۔

اثالہ ایک دن چچا کے خیموں کے سامنے صحن میں بیٹھا ہوا تھا کہ عفراء کسی کام کے لیے اپنے خیمے سے نکلی اور لپک کے دوسرے خیمے میں ہو رہی۔ سبز ریشمی ساری[ع] باندھے تھی۔ ہاتھ میں گھی کی مٹیا تھی۔ اور عنفوان شباب کے تیز تیلے پن سے معلوم ہوتا تھا کہ عورت نہیں بلکہ ایک مست خرام ہرنی تھی کہ اپنی چھب دکھا کے سامنے سے نکل گئی۔

عفراء کی اُس وقت کی وضع و حالت۔ نازنینی و نازآفرینی۔ اُٹھتی جوانی۔ آغاز شباب کی رعنائی، اور پھرتی اثالہ کے دل پر کچھ ایسا اثر کر گئی کہ بے اختیار دل ہاتھ سے نکل گیا۔ اور اُسی دن شام کو اُس کے لئے چچا کو پیغام نکاح دیدیا۔ مہاصر اگرچہ عروہ سے وعدہ کر چکا تھا مگر پھر بھی بے باپ کا بیٹا غریب عروہ اُس کا دست نگر۔

ع ازار عرب میں مرد و عورت دونوں کا لباس تھی۔ جناب مولوی صاحب معاف فرمائیں یہاں تہمت کے عوض ہمیں ساری کا لفظ زیادہ خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔

اور مفلوک الحال تھا۔ اور اُثالہ کی حالت بظاہر درست تھی۔ دولتمند معلوم ہوتا تھا اور زیادہ مہر دینے کو تیار تھا۔ اُثالہ کی دولتمندی کے مقابل اُسے عروہ کی محبت بالکل بھول گئی۔ اُس غریب کی دلشکنی کا کچھ خیال نہ کیا اور فوراً اُثالہ کی درخواست قبول کرلی۔

عفراء بے زبان لڑکی۔ اگرچہ دل وجان سے عروہ پر شیدا تھی مگر باپ کے حکم میں کیا چون وچرا کرسکتی تھی؟ راضی برضا ہو کے اپنے آپ کو قسمت کے سپرد کردیا اور جب باپ نے اُثالہ کے ساتھ عقد کیا تو بے عذر ہونکاری بھردی۔ اُثالہ نے فوراً مہر ادا کیا۔ عفراء کو اُسکے گھر اور قبیلے سے رخصت کرا کے اپنی اعلیٰ درجے کی سبک خرام سرخ سانڈنی پر محمل میں بٹھایا۔ اور اپنے گھر لے چلا۔

ادھر سے یہ برات اور محمل عفراء جارہی تھی اور اُدھر سے عروہ کا قافلہ آرہا تھا۔ چچازاد بھائی اور سامان عروسی کو دیکھ کے دل دھک سے ہوگیا۔ بدحواسی سے محمل کی طرف دیکھ رہا تھا کہ کسی دوست نے جو ناقہ عفراء کے ساتھ تھا پاس آکے کہا "دیکھتے کیا ہو؟ اُثالہ کے ساتھ عفراء کی شادی ہوگئی۔ اور وہ اُسے رخصت کرا کے اپنے گھر لیے جاتا ہے۔" یہ آواز نہ تھی ایک بم کا گولہ تھا جو محبت بھرے سینے پر آکے گرا اور شیشۂ دل جس میں محبت کا گلاب بھرا ہوا تھا چکنا چور ہوگیا۔ گھبرا کے اونٹ سے کودا۔ محمل عفراء کی طرف دوڑا۔ اور قریب پہنچتے ہی بے اختیار زبان سے نکلا "آئیں! عفراء تم جاتی ہو؟" عفراء نے محمل سے جھانک کے دیکھا۔ دونوں حسرتناک آنکھیں چار ہوئیں! مایوس نگاہیں دوڑ کے بیتابی سے ملیں ملتے ہی الگ ہوئیں۔ اور ایک دوسرے کو عجب یاس وناامیدی سے دیکھ کے رہ گئیں زبانیں خاموش تھیں مگر نگاہیں سرگوشیاں کررہی تھیں۔ ادھر سے یہ سوال تھا کہ "یہ بے مروتی!" اُدھر سے جواب تھا "کیا کریں بےبس ہیں!" اتنے میں محمل آگے بڑھ گئی۔ اور مایوس دل شکستہ عروہ میں اتنی بھی قوت نہ تھی کہ ناقۂ جانان کا دو قدم ساتھ دے۔

اب عروہ مایوس ونامراد۔ بیتاب وبیقرار گھر میں آیا۔ خاموش تھا اور مغموم۔ بے آس تھا اور ملول۔ غذا ترک ہوگئی۔ نیند اُڑ گئی۔ اور دوسرے ہی

دن شدت سے بخار چڑھ آیا۔ چند روز میں پوست و استخوان رہ گیا۔ ان تیمارداری
کرتی اور قسمیں دلا دلا کے کہتی کہ "کچھ کھا لو" مگر یہاں مفتیِ عشق نے غذا حرام کر دی تھی
کھاتا تو کیونکر؟ آخر یہ حالت ہوئی کہ جینے کے لالے پڑ گئے۔ اور سب کو یقین ہو گیا
کہ چند ہی روز کا مہمان ہے۔ یہ حالت دیکھ کے چچا مہاصر اور اہل قبیلہ سوچنے لگے
کہ کہاں لے جائیں؟ اور کس کا علاج کریں؟

مگر اس بیقراری کے ساتھ عروہ میں ضبط بھی اس بلا کا تھا کہ دنیا میں بہت
ہی کم دیکھا گیا ہے۔ آج تک کسی کو اپنے درد دل کی خبر نہ کی تھی۔ کوئی جانتا ہی نہ تھا
کہ یہ مرض کیسا ہے؟ اور یہ الجھن اور بیقراری کس بات کی ہے۔ ادھر کسی کا وہم و
گمان بھی نہ تھا کہ عفراء کے فراق کا آزار ہے یا یہ عشق کا مرض ہے۔ چچا نے دوا درمان
میں بہت کوشش کی۔ مگر "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی"۔ افاقے کی کوئی صورت نہ نظر
آتی تھی اور زندگی سے یاس ہوتی جاتی تھی۔ آخر سب کی رائے قرار پائی کہ یہ مرض
نہیں۔ یا تو سایہ ہے۔ اور یا کسی نے جادو کر دیا ہے۔ ان چیزوں کے علاج میں
ان دنوں بنی حنیفہ کے ایک غلام ابو کحلاء ریاح بن راشد کی بڑی شہرت تھی جو ارض
یمامہ میں رہتا تھا۔ اہل قبیلہ نے کہا "اب سوا اسکے پاس لے جانے کے کوئی چارہ
نہیں ہے"۔

اس تجویز کے مطابق لوگ اُسے یمامہ میں لے گئے۔ ابو کحلاء نے دیکھ کر
بہت کچھ غور کیا۔ تشخیص مرض میں گول گول سی رائے ظاہر کی۔ اور جھاڑنے
پھونکنے کے ساتھ مختلف تدبیریں کرنے لگا۔ مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ تب اس نے
جادو اور بھوت پریت اتارنے کا سب سے آخری اور زبردست عمل کیا جو اہل عرب
میں "نہب" کے نام سے مشہور تھا۔ اور جس کا ان دنوں بہت رواج تھا۔ اس
تدبیر کا عملدرآمد یوں ہوا کہ عروہ کے سر پر ایک تھالی رکھی گئی۔ اس میں پانی بھرا
گیا۔ اور تھوڑا سیسہ آگ میں پگھلا کے اس میں بجھا دیا گیا۔ پھر اسکے بعد وہ پانی
اور وہ سیسے کا چھیکا کہیں دور لیجا کے دفن کر دیا گیا۔ یہ تدبیر ایک نہیں کئی بار کی
گئی۔ مگر عروہ پر مطلق اثر نہ ہوا۔ جو حالت تھی اس سے بدتر ہو گئی۔ آخر ابو کحلاء
نے عاجز ہو کے کہا "میں نے پہلے بھی یہی خیال کیا تھا اور اب تو تجربے سے قطعی یقین

ہو گیا کہ اس لڑکے کو نہ سایہ ہے۔ نہ اس پر کوئی جن یا بھوت ہے۔ نہ کسی نے جادو کیا ہے اور نہ کسی جسمانی مرض میں مبتلا ہے۔ میرے نزدیک تو یہ کسی پر عاشق ہے۔ عشق کے سوا اور کسی مرض میں یہ بے حسی نہیں ہوتی کہ لاکھ تدبیریں کرو کارگر نہیں ہوتیں۔"

یہاں سے بھی جواب مل گیا تو لوگ مایوس ہو کے گھر لے آئے۔ اب مرض کی شدت پہلے سے بدرجہا زیادہ تھی۔ تکتا جھلتا۔ دیوانوں کی طرح اٹھ کے بھاگتا۔ مجنونوں کی سی حرکتیں کرتا۔ لیکن ضبط کی تعریف کرنا چاہیے کہ مجال کیا جو کبھی بھولے سے بھی کسی کے سامنے زبان پر عفراء کا نام آگیا ہو۔ آخر ایک دن ایک عجیب طریقہ سے افشائے راز ہو گیا۔ عروہ حاجت ضروری کو قبیلے کے خیموں سے نکل کے ذرا فاصلے پر گیا۔ وہاں قبیلے کے کسی شخص نے اپنے بیٹے سے پوچھا "تم آج کس اونٹنی پر پانی لائے؟" اس نے کہا "عفراء پر" (جس اونٹنی کا رنگ زردی کا سا ہوتا ہے اسے عفراء کہتے ہیں) عفراء کا نام سنتے ہی عروہ نے ایک چیخ ماری اور غش کھا کے گر پڑا۔ اس بیہوشی نے بھانڈا پھوڑ دیا۔ دو ایک دوستوں کو جو دیکھ رہے تھے پتہ لگ گیا۔ اور سب قبیلے بھر میں شہرت ہو گئی کہ عروہ اپنے چچا کی بیٹی عفراء پر عاشق ہے۔ پھر اسکی تصدیق اس سے اور زیادہ ہو گئی کہ جو جو مرض بڑھتا اور جنون کا جوش ہوتا اسکی طباعی و خیال آفرینی بڑھتی جاتی۔ خوب خوب فراقیہ نظمیں تصنیف کرتا۔ اور انھیں بڑے ہی جوش سے گا گا کے اور جھوم جھوم کے احباب کو سناتا۔ جن میں ایک معلوم محبوبہ پر عشق کا اظہار ہوتا۔

آخر جب زندگی سے بہت عاجز ہوا۔ اور اپنی ماں کے ساتھ تمام ہمدردوں اور تیمارداروں کو بہت ہی پریشان دیکھا تو ایک دن کہنے لگا "یہ جتنی تدبیریں آپ کرتے ہیں سب بے سود ہیں۔ ان سے کچھ نہ ہوگا۔ مجھے اگر نفع ہوگا تو تبدیل آب و ہوا سے۔ میری تندرستی چاہتے ہو تو مجھے شہر بلقاء میں لے چلو۔ وہاں کی آب و ہوا انشاءاللہ مجھے موافق آئے گی۔" سب نے کہا "اچھا یہ بھی کر کے دیکھ لو۔" اور دو چار آدمی اسے لے کے ادھر روانہ ہوئے۔ بلقاء کی طرف جو جو بڑھتا مرض کو سکون ہوتا جاتا۔ یہاں تک کہ جب بلقاء کی آبادی میں داخل ہوا تو صرف ضعف باقی

تھا اور کوئی شکایت نہ تھی۔ وہاں ایک مکان جو اثالہ کے مکان سے قریب اور سر راہ تھا اُسے کرائے پہ لے کے ٹھہر گیا۔ دن بھر دروازے میں چھپا اور تاک لگائے بیٹھا رہتا۔ اور جب عفراء کام کاج کے لیے گھر سے نکلتی تو اُسکی صورت دیکھ کے دل کو تسلی دے لیتا۔ اثالہ یا عفراء کو اُسکے یہاں آنے کی مطلق خبر نہ تھی اور وہ روز عفراء کے دیدار سے اپنے دردِ دل کا علاج کیا کرتا۔ اب طاقت بھی آگئی۔ خوب توانا و تندرست ہو گیا۔ اور اُسکے ساتھ والے تعجب کر رہے تھے کہ کس قدر جلدی اچھا ہوا ہے؟

ایک دن وہ تفاقیہ گھر سے باہر نکلا۔ راہ میں ایک بلیث عذری شخص سے جو تبیلے والے سے ملاقات ہو گئی جو اُس کے حالات اور عشقِ عفراء سے واقف تھا۔ عروہ سے چند باتیں کر کے وہ سیدھا اثالہ کے پاس گیا۔ اور کہا "یہ کمبخت بدمعاش عروہ یہاں کب آیا؟ میں تو آج اُسے یہاں دیکھ کے حیران ہو گیا۔ یہ ہمارے قبیلے کو بدنام کرتا ہے۔ آپ کی بی بی کا عاشق بنا ہے۔ اور اُن پر اپنے اشعار میں اظہارِ عشق کرتا ہے۔" اثالہ اپنی ذات سے نہایت ہی نیک نفس خلیق اور شریف مزاج نوجوان تھا۔ یہ سن کے اُس شخص کو تو یہ جواب دیا کہ "میں نے عروہ کے آنے کا حال آج تمھیں سے سنا ہے۔ جانتا بھی نہیں کہ کہاں ہے اور کب آیا؟ اور یہ جو سخت و درشت الفاظ تم نے اُس کی نسبت استعمال کیے ہیں سچ تو یہ ہے کہ اُس سے زیادہ وہ تمھیں پر صادق آتے ہیں۔ کیوں ایک بیگناہ کو بدنام کرتے ہو؟"

وہ عذری شخص تو اس جواب پر نادم ہو کے چلا گیا۔ اور اثالہ نے گھر میں یہ واقعہ اپنی بی بی عفراء سے بیان کیا۔ اس کے بعد ہی وہ عروہ کی تلاش میں نکلا۔ بڑی جستجو سے پتہ لگایا۔ فوراً جاکے ملا۔ اور بڑے اخلاق سے کہا "مجھے آپ سے شکایت ہے کہ یہاں آئے اور بجائے اس کے کہ میرے مہمان ہوتے دوسری جگہ ٹھہرے؟" عروہ سے اس کا کچھ جواب نہ بن پڑا۔ اور اثالہ نے اصرار شروع کیا کہ اسی وقت میرے یہاں اسباب اُٹھا لے چلیے۔" اور عروہ نے ہزار عذر کیا ایک نہ سُنی۔ آخر جب عروہ نے دیکھا کہ اثالہ اصرار ہی کیے جاتا ہے اور کسی طرح نہیں مانتا تو کہا "اچھا آپ چلیے میں تھوڑی دیر میں اُٹھ آؤں گا۔" اثالہ نے اُس کا



شکریہ ادا کیا اور مضبوط وعدہ لے کے اپنے گھر واپس گیا۔

اُس کے چلے جانے کے بعد عروہ نے دل میں کہا "افسوس! عفراء کا آشنا ہونا اب قسمت میں نہیں۔ اُثالہ کے گھر میں کس منہ سے جاؤں؟ اور اب عفراء سے ملنے کا مجھے کیا حق ہے؟ تقدیر نے مجھے اس قابل ہی نہیں رکھا کہ اُس سے ملوں یا اُس کے گھر میں جا کے ٹھہروں۔ مجبور ہو کے میں نے اثالہ سے وعدہ تو کر لیا مگر میں وہاں جانے کے لائق نہیں۔ بس اب [illegible] کو وداع کہنا ہی ٹھیک ہے" یہ منصوبہ گانٹھتے ہی اسباب باندھا اونٹ کسا اور بے کسی کو خبر کیے گھر کی راہ لی۔

شہر بلقاء کو چھوڑتے ہی پھر بیمار ہو گیا۔ اور جوں جوں آگے بڑھتا تھا مرض کی شدت بڑھتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ راستے ہی میں اتنی غیر حالت ہوئی کہ سفر دشوار ہو گیا۔ وطن ابھی کئی منزل آگے تھا۔ گو سفر نہایت کٹھن تھا۔ شام کو "وادی القریٰ" میں پہنچا اور ٹھہر گیا۔ اور دو ہی چار روز میں فراق کے مسموم تیر کا گھائل ہو کے مر گیا۔ ساتھ والوں نے اُس غریب الوطن کی حسرتناک موت پر دو آنسو بہا کے آغوش لحد کے سپرد کیا۔ اور گھر جا کے اُس کی اس بدنصیبی کی داستان لوگوں سے بیان کی۔ جہاں سے یہ واقعہ تمام قبائل میں پھیلتے پھیلتے ارض بلقاء تک پہنچا۔ اور عفراء کے گوش گذار ہوا۔

اُس شکستہ خاطر نازنین نے جیسے ہی یہ واقعہ سُنا دل چاک چاک ہو گیا۔ اگرچہ خوبصورت چہرے پر معصومانہ متانت اور برگ گل کے سے نازک لبوں پر پاکدامنی کی مہر خاموشی ویسی ہی قائم تھی۔ مگر دل کی بیتابی ضبط پر غالب آنے لگی۔ گھبرا کے شوہر سے کہا "عروہ جیسا میرا عزیز تھا ویسا ہی آپ کا بھی تھا۔ لیکن بچپن میں مدتوں میرا اُس کا ساتھ رہا اور ہم دونوں میں بڑی محبت تھی جس سے آپ بخوبی واقف ہیں۔ اور اندازہ کر سکتے ہیں کہ مجھے اُس کے مرنے کا کتنا بڑا صدمہ ہوا ہوگا۔ آپ کا بڑا احسان ہوگا۔ مجھے اتنی اجازت دیجیے کہ وادی القریٰ میں اُس کی قبر پر دو آنسو بہا کے فاتحہ پڑھ آؤں۔" شوہر نے کہا "شوق سے جاؤ۔ اور میں نہایت خوشی سے اجازت دیتا ہوں۔"

اجازت پاتے ہی عفرا اپنی محمل مین سوار ہوئی - اور وادی القریٰ کا راستہ
لیا - وہان پہونچ کے عروہ کی قبر پر گئی - محمل سے نکل کے اونٹنی کی پیٹھ سے
اُتر کے روتی پیٹتی قبر پر گری اور لوٹنے لگی - پھر خوب بین اور مرثیے کے وہ
اشعار رو رو کے پڑھے جو اُس کے غم مین کہے تھے - جب اُنھین بار بار پڑھ کے تھکی
تو پھر دیر تک روتی - آہ و نالہ و زاری کھینچتی اور بین کرتی رہی - یہان تک کہ پھر بیتابی
کا جوش ہوا - دوبارہ قبر پر گری - اُس سے خوب لپٹ لپٹ کے روئی - اور روتے
روتے تڑپ کے جان دیدی - جو لوگ ساتھ آئے تھے دیکھ کے حیران رہ گئے - اُنھین
بڑا ہی صدمہ ہوا - مگر کیا کرتے ؟ قبر کھودی - عاشق جانباز کے پہلو مین اُسے بھی
لٹا دیا - اور اوپر سے مٹی برابر کر کے گھر واپس گئے -

اس واقعے کی تمام قبائل مین شہرت ہوئی - اور دور دور سے لوگ ان قبرون
کی زیارت کے لیے آتے تھے - چند مہینون کے بعد کیا دیکھتے ہین کہ دونون قبرون
سے دو نئی قسم کے درخت نکلے ہین جنکی نسبت کوئی نہین کہہ سکتا تھا کہ کس چیز کے
درخت ہین - پھر بڑھتے بڑھتے وہ قد آدم بلندی کو پہونچے - اور اس کے بعد اُنکی
شاخین دونون طرف سے جھک کے ایک دوسرے سے مل گئین - بس یہ معلوم
ہوتا تھا کہ وہ عاشق صادق ایک دوسرے سے بغلگیر ہین - ان درختون کی لوگون
مین بڑی شہرت ہوئی - ہزارون خلقت نے آ آ کے دیکھا - اور بہت سے شعرا نے
اُنکی اس عاشقانہ ہم آغوشی پر طبع آزمائیان کین اور خوب خوب اشعار کہے جو
آج تک ادب کی کتابون مین موجود ہین -

ان دونون سچے عاشقون کی وفات ۳۰ھ مین ہوئی جبکہ حضرت عثمانؓ
ذی النورین کی خلافت کا آغاز تھا - اور اسی سال آپ نے قرآن مجید کی تدوین و
ترتیب کا کام شروع فرمایا تھا - عفرا ۱۰ - شوال کو دنیا سے رخصت ہوئی - اور عروہ
چند روز پہلے سفر آخرت کر چکا تھا -

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے کے
بعد یہی پہلے عاشق عرب ہین جنھون نے اُس عہد کی تمام ترقیون - اُلوالعزمیون - اور
دولتمندیون کو اپنے عشق پر قربان کر دیا -

ماء السماء

زبان عرب مین اس کے معنی میٹھے پانی کے ہین جو آسمان سے برسا کرتا ہے
مگر جس "ماء السماء" سے ہم بحث کرنا چاہتے ہین وہ جاہلیت عرب کی ایک حسین و
صاحب جمال خاتون تھی - اہل عرب کی لطافت و خوبی مذاق اور شگفتگی فطرت کا
ثبوت اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے کہ ایک حسین و ناز آفرین باعفت و عصمت نازنین
اور اچھوتی عورت کو "میٹھے پانی" کے لقب سے یاد کرنے لگے - یہ پانی لطیف و پاکیزہ
شیرین و خالص - اور پاک و صاف ہوتا ہے - اور چونکہ نیا نیا آسمان سے آتا ہے اس
لیے اسکو ابھی تک کارگر قدرت کے سوا کسی مخلوق کا ہاتھ نہین لگا ہوتا ہے - ایک
پاکدامن حسینہ کی اس سے اچھی کیا تعریف ہو سکتی ہے ؟

شاہان عراق جو "نعمان" کہلاتے تھے اور جن کی سطوت و دولت کے افسانے
ہر عربی و عجمی داستان سرا کی زبان پر تھے جن کی مدح سرائی مین نامور شعرائے عرب رطب
اللسان رہا کرتے تھے - سب اس خاتون کی نسل سے تھے - اور اسی وجہ سے جاہلیت
عرب کی تاریخ مین اس خاتون کا نام بار بار آیا کرتا ہے - اور عرب اُس کی ذات کو اپنے
قدیم ناموس کے لئے فخر سمجھتے ہین -

سب تسلیم کرتے ہین کہ اُس سے زیادہ صاحب حسن و جمال - فصیح و بلیغ - اور
خوش بیان و خوش گفتار کوئی خاتون جاہلیت عرب مین نہین گذری تھی - یہان تک
کہ کہتے ہین اس کے صفات حسنہ کی کوئی حد و نہایت نہ تھی - اور کوئی انسانی خوبی نہین
جو اُس کی ذات مین موجود نہ ہو -

اسی قدر نہین - ساسانی دربار عجم مین بھی اُس کی بڑی قدر و منزلت کی جاتی تھی -
خسروان ایران اُس کی اتنی عزت کرتے تھے کہ دربار مین کسی کی اس قدر عزت و آبرو
نہ تھی - تاجداران آل ساسان کے حرم مین وہ بڑی حرمت و عزت کے ساتھ بلائی
جاتی - اور حرم سرائے خسروان فارس مین کوئی عورت نہ تھی جو اُس کی دلدادہ اور
گرویدہ نہ ہو - خسروان عجم کی ملکائین اُس کے پاس اعلیٰ درجے کے تحفے اور ہدیے بھیجا
کرتی تھین - کبھی قیمتی جواہرات اور زیور بھیجتی تھین - کبھی کوئی سونے کا مرصع و مکلل تاج

بھیجدیتین جس سے مشرقی وشمالی عرب کی عام عورتون کا خیال تھا کہ اپنی اُن عدیم المثال خاتونوں پر ہمین کو ناز نہین بلکہ ایران کی مہذب وشایستہ بیگمون اور ساسانی گھرانے کی تربیت یافتہ ملکاؤن کو بھی فخر ہے۔ اور اپنا سرمایۂ ناز تصور کرتی ہین۔ اگرچہ تمدن اور تہذیب کی نفاستون اور اخلاقی و معاشرتی خوبیون مین وہ اپنے سامنے کسی قوم کی عورتون کی کچھ بھی وقعت نہ سمجھتی تھین۔

عراق کی عربی سلطنت کی بنیاد اسی سے پڑی تھی۔ اور اپنی ملکہ کی بدولت اُسنے عرب کے بڑے سرکشون کو مغلوب کر کے اپنے قدمون پر گرا لیا۔ ایران کی ساسانی سلطنت سے تعلقات بڑھا کے اپنی سلطنت کی بنیاد مضبوط کی۔ اور خود سر شاہنشاہان عجم سے کچھ ایسی حکمت عملی کا برتاؤ رکھا کہ انکو اپنا دوست بھی رکھا۔ اور وقتاً فوقتاً اُن پر اپنا دباؤ ڈالنے کے لیے یہ بھی باور کرا دیا کہ وہ نسبت ساسانی کو اُسکے راضی رکھنے کی جس قدر ضرورت ہے اُس قدر ضرورت اُسے تاجداران عجم کے راضی رکھنے کی نہین ہے۔

اسکے ساتھ اُس نے اپنے فرزندون کو ایسی تعلیم دی کہ اُن مین عربی شجاعت کے برقرار رہنے کے ساتھ عجمی آداب اور تہذیب پیدا ہو جائین۔ صحرائے عرب مین گشت لگانے کے وقت وہ شیر بیشہ ہون تو فارس کے مرغزارون مین جلیس انجمن کے ہمداستان اُن مین ایک اعلیٰ معاشرت کی خو بو پیدا ہو۔ اور مہذب ترین دربارون اور محفلون سے آشنا ہو جائین۔ غرض "ماء السماء" کی تعلیم ہی تھی جس نے ارض عراق مین ایک ایسا عربی شاہی دربار قائم کیا۔ جو ایک طرف تو قبائل عرب کو اپنے زیر اثر رکھتا تھا اور دوسری طرف دربار عجم سے تمدنی و معاشرتی علاقے برقرار رکھتا۔ اس خاندان کے تاجدار اپنی بانیہ کی برکتون سے بہادران عرب کے مقابلے مین بہادر و جوانمرد تھے۔ اور معزز ترین عجم کی محفل طرب مین اعلیٰ درجے کے بذلہ سنج و خوش مذاق۔ اور فنون لطیفہ کے ماہر و قدردان۔ ایک طرف قبائل عرب مین تک جا کے اُن کی تعریف کے قصیدے گاتے اور اُن کی شوکت و حشمت کے افسانے بیان کرتے۔ اور دوسری طرف دربارِ عجم اُنکو اپنا قوتِ بازو۔ ہر پولٹیکل دشواری مین اپنا شریک حال اور اپنا ممد و معاون سمجھتا۔

دربار حیرہ کی ناموری دراصل اسی پالیسی کی کامیابی تھی جسے یہی ملکہ "ماء السماء"

قائم کرکے اپنے فرزندوں کو اُس پر عمل کرنے کی ہدایت کر گئی تھی۔ تا دم اسلام اُن کی یہ برکت
وکرامت ظہور اسلام کے وقت تک اپنی پوری قوت کے ساتھ موجود تھی۔ یہاں تک
کہ اسلام نے نمودار ہو کے ساری سرزمین عرب کے نشیب و فراز برابر کر کے کل قبائل
و اشخاص کو یکساں کر دیا! - اور ایک ایسی جمہوری سلطنت قائم کی جس کو نہ قوموں سے
تعلق تھا نہ اشخاص سے -

اُم جعفر بنت عبداللہ بن عرفطہ

مدینۂ طیبہ کے نامور قبائل اوس و خزرج تھے۔ جنھیں دستگیری رسالت کے
صلے میں انصار کا واجب الاحترام لقب ملا۔ انھیں دونوں میں سے اول الذکر
قبیلۂ اوس کی نامور اور قابل فخر یادگار یہ پاکدامن خاتون تھی جو اپنے زمانے میں
نہایت ہی عزت و حرمت کی نظر سے دیکھی جاتی۔ اُس کی فراست و دانائی - ذہانت
و طباعی - خوش سلیقگی و تیز دہنی اور عصمت و پردہ داری کا سکہ تمام سرزمین عرب کے دلوں
پر بیٹھا ہوا تھا۔ اور اسی شہرت و ناموری کی بدولت یہ نتیجہ ظاہر ہوا کہ اُس عہد کا نامور
شاعر عرب احوص اُٹھ کے سب زمانے کا فیشن پورا کرنے کو اپنے اشعار میں اُس پر
اظہار عشق کرنے لگا -

شعرائے عرب ہمارے اردو کے شاعروں کی طرح کسی گمنام اور خیالی دوشیزہ
معشوق کے دلدادہ نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ اُن کا معمول تھا کہ کسی مہ جبین پر عاشق ہو جاتے
اور اسی کے عشق میں اپنی بیتابیاں اور بیقراریاں اپنے اشعار میں ظاہر کیا کرتے۔ چنانچہ
اسی سنت شاعری کے بجا لانے کے لیے میاں احوص اس باعصمت خاتون کے
شیدا بن گئے۔ اور اس مضمون کے اشعار کہہ کے لوگوں میں پھیلانے لگے کہ اُم جعفر
فلاں مقام پر مجھ سے ملی۔ اُس نے یہ کہا۔ اور میں نے یہ جواب دیا۔ اُس نے یہ
دلستان ادائے ناز دکھائی اور میں نے اس انداز سے اظہار شیفتگی کیا۔

یہ اشعار عوام و خواص میں پھیلتے۔ اور سب کو روز بروز یقین ہوتا جاتا کہ
اُم جعفر اور احوص میں کوئی اندرونی تعلق ضرور ہے۔ اُم جعفر ان اشعار کو سن سن
اپنی بوٹیاں نوچتی۔ رسوائی و بے ناموسی پر اشک خون بہاتی۔ مگر احوص کو

ذرہ برابر پروانہ تھی۔ کوئی بدنام ہو۔ رسوا ہو۔ اُن کی بلا سے۔ اُنھین اپنی شاعری اور طبع آزمائی سے مطلب تھا۔ آخر ام جعفر کے بھائی ایمن کو طیش آ گیا۔ بہن کی پاکدامنی ور استبازی کے ساتھ اُس کی مجبوری و بے بسی اور مفت کی رسوائی و بدنامی نہ دیکھی گئی۔ احوص کو ڈرایا دھمکایا۔ اس بیہودگی پر تہدید کی۔ اور کہا "اگر ابکی تم نے اپنے اشعار مین اُم جعفر کا نام لیا تو مین زبان شمشیر سے جواب دونگا"۔ احوص جو شاعری کی بدولت بڑے بڑے درباروں مین پہونچتا اور صاحب اثر اعزا و اُمرا سے ملتا تھا ایسی دھمکی کو بھلا کیا خاطر مین لاتا؟ ایمن کے چڑھانے کو عشق بازی و شاعری مین اور زیادہ جوش دکھانے لگا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ مدینۂ طیبہ کے حاکم کو جس کی حکومت مین دونوں حریف رہتے تھے اطلاع ہوئی۔ اُس نے رفع فساد کے خیال سے ایمن اور احوص دونون کو بلا کے سمجھایا اور کوشش کی کہ کسی طرح یہ جھگڑا موقوف ہو جائے۔ مگر کسی نے سماعت نہ کی۔ تب اُس نے مذاق کے طریقے سے یہ حرکت کی کہ ایک لمبی سی رسی منگوا کے اُس کا ایک سرا ایمن کی کمر مین باندھا اور دوسرا احوص کی کمر مین۔ پھر دونون کے ہاتھوں مین ایک ایک کوڑا دیا اور کہا "دونون اس کوڑے سے خوب جی بھر کے لڑو۔ دیکھون کون غالب آتا ہے۔ جو غالب آئے گا مین اُسی کا طرفدار ہون"۔ اس حکم کے مطابق دونون نے ایکدوسرے پر خوب خوب کوڑے پھٹکارے آخر احوص ایمن کے کوڑون کی تاب نہ لا کے بھاگا۔ اور ایمن اُسی رسی مین بندھا ہوا اُسکے پیچھے دوڑا۔ برابر ڈانٹتا ڈپٹتا۔ رگیدتا اور بھگاتا جاتا تھا۔ اور کوڑے پر کوڑا رسید کرتا تھا۔ احوص پر جب زیادہ مار پڑی۔ اور کسی طرح ایمن کے کوڑون سے چھٹکارا نہ ہوا تو رسی تڑا کے بدحواس بھاگا اور غائب ہو گیا۔

اہل عرب مین بزدلی بہت بڑا عیب ہے۔ خصوصاً شاعرون کے لیے جو رجز خوانی مین اپنی بہادری کے بڑے بڑے دعوے کیا کرتے تھے۔ اس واقعے نے احوص کو نہایت ہی بدنام کر دیا۔ جدھر جاتا لوگ توہین و تحقیر کرتے۔ بعض حریف شاعرون نے اسی بنا پر ہجوین کہہ ڈالین۔ سائب بن عمرو شاعر نے اس بھاگنے پر اپنے اشعار مین اُسے سخت نفرین کی اور بے انتہا ذلیل کیا۔ احوص نے غصے اور ناکامی مین انتقام لینے کے طور پر غریب اُم جعفر کو اور زیادہ بدنام کرنا شروع کیا۔ اور اُسکے عشق مین پہلے سے زیادہ

بیقراریان ظاہر کرنے لگا - اسی قسم کے اشعار کہتا اور امین کے خوف سے بھاگا بھاگا پھرتا - یہان تک کہ امین تھک کے بیٹھ رہا - وہ عفت پناہ ام جعفر اور زیادہ ستائی اور دھڑلے سے بدنام کی جانے لگی - غریب گھر مین پڑی پڑی روتی - اور آبرو بچانے کی کوئی تدبیر نہین پڑتی -

اس کو چند روز گذر گئے - اور احوص کو اطمینان تھا کہ اب میرا کوئی کچھ نہین بگاڑ سکتا - اسی اثنا مین ایک دن وہ سر راہ بہت سے دوستون اور شرفا و معززین کی محفل عام مین بیٹھا تھا کہ ایک برقع پوش عورت آئی - اور لوگون سے پوچھا "یہان احوص ہین؟" لوگون نے احوص کی طرف اشارہ کرکے بتایا "یہ کیا بیٹھے ہین - جو کہنا ہو کہو" - یہ سُن کر عورت نے احوص کی طرف متوجہ ہو کے کہا "آپ کو وہ بکری لیے مدت ہو گئی - مگر دام آج تک نہین دیے - آخر کب دیجیے گا؟"

احوص "بکری کیسی؟ نہ مین نے کسی سے کوئی بکری لی - اور نہ میرے ذمے کسی کا کچھ باقی ہے"

عورت "خوب! یہ امید نہ تھی کہ آپ مُکر جائین گے - غنیمت ہوا کہ مین نے لکھوا لیا تھا - لیجیے وہ تحریر بھی موجود ہے جو آپ نے بکری لیتے وقت دی تھی" یہ کہکے اُس نے ایک کاغذ برقع مین سے نکال کے اُسکے ہاتھ مین دیا - اور بولی "اب بھی آپ انکار کیجیے گا؟"

احوص (کاغذ پر غور کرکے) "یہ تحریر بھی میری نہین ہے - تمھین کسی اور کا دھوکا ہوا ہے"

عورت "دھوکا! اے آپ نے بکری لی - یہ کاغذ لکھ دیا - اور آج اس بیباکی سے مکرے جاتے ہین کہ مجھے تعجب معلوم ہوتا ہے"

احوص (بگڑ کے) "خدا جانے کس سے یہ کاغذ لکھوا لائی ہے - اور خواہ مخواہ مجھ کو لیے مرتی ہے - مین کچھ نہین جانتا - ایک ٹکا بھی نہ دون گا - مین ایسے فقرون مین نہین آتا"

عورت - (پیشانی پر ہاتھ مار کے) "ہاے میری قسمت - مفلس و نادار ہون اور کوڑی کوڑی کو محتاج - امید تھی کہ ان سے بکری کے دام ملین گے اور دو چار روز کٹ جائین گے - مگر انھون نے بھی جواب دیدیا - مگر میری یہ تھوڑی سی رقم مار لینے سے آپ کا کیا بن جائیگا

یہ کہہ کے زار و قطار رونے اور سر پیٹنے لگی۔ اور دیگر حاضرین کی طرف خطاب کر کے کہا "لوگو تمھیں، تمھیں بتاؤ۔ کہ مجھ دکھیا کو نہ ستائیں" پھوٹ پھوٹ کے روتی اور ایک ایک کی خوشامد کرتی تھی کہ "آپ ہی کہہ سن کے دلوا دیجیے"۔

ایک جوان اور خوبصورت مصیبت زدہ کے رونے پر سب کو ترس آ گیا۔ اور سب اخوص کو سمجھانے لگے کہ "بکری لی ہے تو دام دے دیجیے۔ غریبہ کے ستانے سے کیا فائدہ؟"

اخوص (بہت بگڑ کے) "آپ لوگ خواہ مخواہ بیچ میں پڑتے ہیں۔ یہ اس کے فعل ہیں۔ میں خدا کی قسم جانتا بھی نہیں کہ یہ کون بلا ہے"۔

سب اس عورت کے شور و ہنگامے۔ حریف کے بہت کچھ سمجھانے بجھانے اور اخوص کے بار بار انکار کرنے کا یہ اثر ہوا کہ بہت سے راہگیر بھی بھیڑ لگا کے کھڑے ہو گئے۔ اور اچھا خاصا مجمع ہو گیا۔ ہجوم خلائق کو دیکھ کے عورت نے اور بھی واویلا شروع کیا۔ اور ایک ایک کے سامنے رو رو کے فریاد کرنے لگی۔ پھر اخوص سے کہا "اب تمھیں میری بات پہچاننے سے بھی انکار ہے؟ ایسا قسم کھاؤ کہ تم مجھے نہیں پہچانتے"۔

اخوص۔ "خدا کی قسم میں تجھے نہیں جانتا۔ کبھی دیکھا ہو تو پہچانوں"۔

عورت۔ (نقاب الٹ کے اور چاند سے چہرے پر سے برقع کی بدلی ہٹا کے) "اب پہچانا۔ یا اب بھی یہی کہے جاؤ گے کہ نہیں پہچانتے؟"

اخوص: "ہاں نہیں پہچانتا۔ خدا کی قسم نہیں پہچانتا۔ اور میں نے زندگی بھر کبھی تیری صورت نہیں دیکھی"۔

بعض حاضرین: "اچھی طرح غور کر کے دیکھیے۔ قسم کھانے میں جلدی نہ کرنا چاہیے"۔

اخوص: "یاد رہنا کیسا؟ میں نے کبھی اس عورت کو دیکھا ہی نہیں۔ آپ لوگ جس کی قسم کہیں کھانے کو تیار ہوں"۔ بھلا یہ ممکن تھا کہ اس سے ملتا۔ اسکی بکری لیتا۔ دام باقی ہوتے۔ اور پھر ایسا بھول جاتا کہ صورت دیکھنے پر بھی نہ پہچان سکوں؟"

عورت (تمام حاضرین اور تماشائیوں سے) "اچھا میں جان پہچان کا اس سے بھی زیادہ قطعی ثبوت دیتی ہوں۔ مگر آپ سب صاحب گواہ رہیں کہ یہ قسم کھا چکا ہے کہ مجھے نہیں پہچانتا۔ ایسا نہ ہو کہ اس ثبوت کے بعد بھی مکر جائے۔ مگر اب بھلا کیا مکر سکتا ہے؟"

زاحوص سے، "شعر جھوٹے ہیں۔ میں اُمِ جعفر بنت عبداللہ وہ ہوں جس پر تو اپنے شعروں میں عشق ظاہر کرتا ہے۔ اور صدہا شعروں میں تو نے اقرار کیا کہ مجھ سے ملا۔ اور باتیں کیں۔ تو نے یہ کہا اور میں نے یہ کہا۔ اب بتا کہ تیرے وہ شعر جھوٹے ہیں یا اس وقت کا انکار؟" یہ سنتے ہی احوص کی یہ حالت ہوئی کہ جیسے کوئی سانپ سونگھ گیا ہے۔ آنکھیں نیچی تھیں۔ سر جھکا ہوا تھا۔ اور کسی سے چار آنکھیں کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

اب اُمِ جعفر نے اپنے عالم آشوب چہرے پر پھر نقاب ڈال لی۔ اور تمام حاضرین کی طرف مخاطب ہو کے کہا "تم صاحب یہ کمبخت جیسا یہ کہتا ہے کہ اس نے نہ کبھی مجھ سے کوئی گفتگو کی۔ نہ ملاقات کا وعدہ کیا۔ اور نہ کبھی میری صورت دیکھی ہے۔ لیکن اب سے کہیے منہ پر تھوکیے کہ اس نے شہرت دی ہے۔ ایسی دیدہ دلیری کی جرأت ہوئی کہ بن دیکھے بغیر کسی راہ و رسم اور شناسائی کے یہ اپنے شعروں میں دعوے کرتا ہے کہ میں اس سے ملی۔ اس سے باتیں کیں۔ اس سے طرح طرح کے وعدے کیے۔ اور اس کے ذلیل رذیلانہ عشق کو قبول کیا۔ یہ بدذات جھوٹا ہے۔ بے ایمان ہے۔ گنہگار ہے۔ پاکدامن محصنہ عورتوں پر جھوٹی تہمتیں لگاتا ہے۔ وہ اس قابل ہے کہ کوڑوں سے اس کی کھال گرا دی جائے۔ یہ ہرگز اس کا اہل نہیں کہ شریفوں کے پاس اُٹھے بیٹھے۔ یا کوئی معزز شخص اسے منہ لگائے۔" یہ کہتے ہی اُمِ جعفر نے بڑھ کے احوص کے منہ پر تھوک دیا۔ اور پلٹ کے اپنے گھر چلی گئی۔

اب میاں احوص کی یہ حالت تھی کہ سر اُٹھانے کے قابل نہ تھے۔ اور جو تھا ہر طرف سے لعنت ملامت کر رہا تھا۔ اسی گالیوں اور لعنتوں کی بوچھار میں وہ اس صحبت سے اُٹھ کے بھاگا۔ اور پھر اس قابل نہ تھا کہ کسی کو منہ دکھائے۔ آخر کی مار کھا کے تو شوق جوش بڑھ گیا تھا اور شاعری کا بہرہ خوب کھل گیا تھا۔ مگر اُمِ جعفر نے ایسا موثر سبق دیا کہ پھر کبھی اُس عفیفہ کا نام لینے کی جرأت نہ ہوئی۔ اور زندگی بھر مجال نہ تھی کہ اُس کو کوئی تہمت لگا سکے

عاتکہ بنت معاویہؓ بن ابی سفیان

جناب معاویہؓ صحابیون مین ہین۔ اور جب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اُنکے ہاتھ پر بیعت کر لی اور خلافت اسلامیہ کو اُنکے سپرد کر کے مدینۂ طیبہ مین عزلت گزین ہو گئے تو معاویہ ساری دنیائے اسلام کے حاکم و فرمان روا بن گئے۔ اور پہلے فرمانروائے اسلام ہین جنھون نے عرب کی سادی خلافت و حکومت مین قیصری و خسروی شان اور آن بان پیدا کی۔ مگر باوجود اس سطوت و جبروت کے اُن مین اس قدر غیر معمولی درجے کی برداشت اور بُردباری تھی کہ اُن کا حلم سارے عرب مین مشہور اور ضرب المثل ہو گیا تھا۔ اُسی حلم کا ایک نمونہ ان واقعات سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔

عاتکہ مذکورہ اُن کی صاحبزادی تھین۔ جو حُسن و جمال مین اعجوبۂ روزگار تھین۔ اور علم و ادب مین تمام معاصر بیبیون مین ممتاز۔ اُنھین نغمے کا بھی شوق تھا جس کی اُنھون نے تعلیم پائی تھی۔ اور بعض اُنکی ایجاد کی ہوئی دُھنین مدتون عرب کی محفلہائے طرب مین گائی جاتی رہین۔ اُن کی قدر دانی کی وجہ سے ہر سال معمول تھا کہ مکے و مدینے کی گانے والیان دمشق مین آکے اُن سے ملتین۔ اپنا گانا سناتین۔ اور بہت کچھ انعام و اکرام سے بہرہ یاب ہو کے واپس جاتین۔ اسی قدر نہین عاتکہ رخصت کرتے وقت اُن کو تاکید کر دیا کرتین کہ دیکھو ہمین بھول نہ جانا۔ پھر آنا۔

ایک سال ایسا اتفاق ہوا کہ حجاز کی کوئی مغنیہ نہین آئی۔ آخر اُنھون نے اپنے والد سے سفر حج کی اجازت مانگی۔ جناب معاویہ نے اجازت دیدی۔ اور عاتکہ ایسے شاہانہ شان و شکوہ کے ساتھ ملک شام سے ارض مقدس حجاز کی طرف روانہ ہوئین۔ کہ اس سے پیشتر کسی نے ایسی اُولوالعزمی سے سفر نہین کیا تھا۔ اُن کا جلوس بذات خود ایک قافلہ بن گیا تھا جس مین اعلیٰ درجے کی تیز رو اور سبک خرام سانڈنیون پر پُرتکلف محملین تھین۔ جن پر منقش اور خوشرنگ پردے پڑے ہوے تھے۔ اور عاتکہ شاہزادیون کی وضع سے اپنی لونڈیون اور سہیلیون کے ساتھ بادیۂ عرب کو پھر ایک بار ملکۂ سبا بلقیس کا سفر یاد دلا رہی تھین۔ مکۂ معظمہ مین پہونچ کے وہ مقام ذی طویٰ مین اُترین۔

اُسی جگہ ایک دن دوپہر کو جبکہ دھوپ شدت پر تھی۔ اور گرمی سے سب

پریشان تھے۔ عاتکہ نے اپنی کنیزوں کو حکم دیا کہ محمل کے پردے اٹھا دیں۔ ناگہان
وہب جمحی کا اُدھر سے گذر ہوا جو ابو دہبل کے لقب سے مشہور تھا۔ اور اپنے زمانے
کا مشہور و معروف اور مقبول و پسندیدہ شاعر قریش تھا۔ خوش فکر ہونے کے علاوہ
وہ خوش جمال اور نوعمر بھی تھا۔ یکایک عاتکہ کے رخ زیبا پر جو نظر جا پڑی تو دیکھتے ہی
دل ہاتھ سے کھو بیٹھا۔ اُسی نگاہ شوق کے ساتھ آتش شوق شعلہ زن ہو گئی۔ بار بار نظر
اُٹھا کے عاتکہ کی صورت کو کن انکھیوں سے دیکھتا اور پھر نظر نیچی کر لیتا۔ عاتکہ سمجھ گئین۔
لونڈیوں کو حکم دیا کہ محمل کے پردے چھوڑ دو۔ ساتھ ہی اس بیباکی پر ابو دہبل کو برا
بھلا کہا۔ اور سخت سخت ملامت کی۔

نوجوان شاعر نے گھر پہنچتے ہی پانچ پُرسوز و گداز شعر کہے۔ جن مین اُسوقت
کی حالت اور اُس منظر کی تصویر شاعرانہ رنگینیوں کے ساتھ دکھائی۔ اور ظاہر کیا کہ
کیسی عالی مرتبہ اور صاحب جاہ و تمکین محبوبہ نے اُن کا دل چھین لیا ہے۔ وہ شعر
عام لوگون کو اس قدر پسند آئے کہ سارے مکے مین اور اُس کے بعد کل بلاد عرب
مین ایک ایک کی زبان پر جاری ہو گئے۔ مغنیون اور مغنیہ عورتون نے اُنکو دلکش
دھنون مین گانا شروع کیا۔ یہان تک کہ خود عاتکہ نے ابھی مکے ہی مین تھین کہ ان
اشعار کو بعض گانے والیون کے گلے سے سنا۔ بہت ہی پسند کیا۔ بے انتہا داد سخن دی۔
خوش ہو ہو کے بار بار اُن کو گوایا۔ اور نوبت یہان تک پہونچی کہ اُنھین اشعار کی
قدردانی کے بہانے عاتکہ نے ابو دہبل سے مراسلت کی۔ اور اُسے بہت کچھ انعام و
اکرام اور قیمتی ہدیون سے سرفراز کیا۔

اس مراسلت اور موافقت نے دونون مین محبت و الفت پیدا کر دی۔ اور
عاتکہ بار بار ابو دہبل کے پاس تحفے اور ہدیے بھیجتین اور لطف و کرم سے پیش آتین۔
نتیجہ یہ ہوا کہ عاتکہ جب حج سے فارغ ہو کے دمشق مین واپس گئین تو ابو دہبل بھی گرد
کاروان بن کے وارد شام ہوا۔ مکے مین تو بار بار اُسکو عاتکہ کی قدردانی و نوازش
سے باریاب ہوتے اور اُنھین سننے کا موقع ملتا رہا تھا مگر دمشق مین جہان عاتکہ
کے باپ بھائی موجود تھے اور ایک عالم پر حکومت کر رہے تھے یہ کیونکر ممکن تھا کہ عرب
کا ایک غریب الوطن شاعر ایک عالی مرتبہ شاہزادی کے قصر کے پاس بھی پھٹک سکے۔

جو دہبل کو دیدار جاناں سے یاس ہوئی تو بیمار پڑ گیا۔ اور مرض ہی کی حالت میں اپنے اظہار شوق اور اپنی نازک حالت عیاں کرنے کا [illegible] [illegible] اپنی اور عاتکہ کی حالت ظاہر کی ہے۔ عاتکہ کے حسن و جمال [illegible] اُس کی خوبیوں کو بڑے جوش کے ساتھ [illegible] اپنے دیدۂ بیدار کی شکایت میں کہا ہے "نہیں معلوم میری نیند کیونکر اُڑ گئی [illegible] بیٹھی اُنکے چھپٹے ہوئے [illegible] بند نہیں ہوتیں [illegible] خیمے میں اُس سے ملا [illegible] عرب کا معمول تھا۔

یہ اشعار جناب معاویہ کے گوش مبارک تک پہونچ گئے [illegible] اُن کا مشہور حلم غصے پر غالب آیا۔ خاموش ہو رہے اور ایک لفظ [illegible] نہ نکالا۔ اب اُسکے بعد جمعہ آیا تو لوگ حسب معمول اُنکے دربار میں آ آ کر اور سلام کر کر کے رخصت ہونے لگے۔ اُس مجمع میں وہب بھی آیا اور سلام کر کے واپس چلا تو جناب معاویہ نے اُسے روک لیا۔ اور جب سب لوگ چلے گئے تو اُس سے کہا "میرے نزدیک قریش میں اب کوئی تم سے اچھا شاعر نہیں ہے۔ تم نے اپنے دیدۂ بیدار کے متعلق جو کچھ کہا ہے بہت اچھا کہا ہے۔ اور عاتکہ کی عالی خاندانی کی جو تعریف کی ہے وہ بھی بالکل بجا ہے۔ جس لڑکی کا باپ معاویہ۔ دادا ابوسفیان۔ اور دادی ہند بنت عتبہ ہو اُس کی یہی صفت ہے جو تم نے بیان کی۔ لیکن اسی نظم میں تم نے جو یہ خیمے میں اُس سے [illegible] ظاہر کیا ہے یہ بہت بُرا کیا۔" وہب نے قسم کھا کے کہا "یہ نظم میری [illegible] نہیں کہی بلکہ دشمنوں نے کہہ کے میرے سر تھوپ دی ہے۔" جناب معاویہ نے جواب دیا "خیر جو کچھ ہو مگر یاد رکھو کہ تمھیں مجھ سے ڈرنے کی تو کوئی ضرورت نہیں۔ اس لیے کہ مجھے اپنی بیٹی کی پاکدامنی کا پورا پورا یقین ہے۔ اور نوجوان شاعروں کے لیے یہ معاف بھی ہے کہ جس لڑکی کے ساتھ چاہیں تشبیب کریں۔ یعنی اپنے کلام میں اُن پر اظہار عشق کریں۔ لیکن میرے نزدیک تمھارا اُسی شہر میں رہنا جس میں کہ عاتکہ کا بھائی یزید رہتا ہو۔ اچھا نہیں۔ وہ جوان ہے اور جوش شباب کے ساتھ اُس میں شاہانہ نخوت بھی ہے۔"

حضرت معاویہ کا یہ مشورہ سُن کے وہب دل میں ڈرا۔ اور دمشق چھوڑ کے مکۂ معظمہ

میں چلا گیا - اس کو چند روز گزر گئے - اور وہب کی کوئی شکایت یا اس کی کوئی نظم نہیں سنی گئی - ایک دن جناب معاویہ اپنے دربار کے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک خواجہ سرا نے آ کے اطلاع دی "امیر المومنین - آج عاتکہ کے پاس ایک خط آیا جسے پڑھ کے وہ رونے لگیں - اور اس کا ان کے دل پر اس درجہ اثر ہوا کہ اس [illegible] معاویہ نے کہا "اس خط کو کسی حکمت سے اڑا لاؤ - اور مجھے دکھاؤ" خواجہ سرا خط لے آیا - اور انھوں نے دیکھا تو وہ وہب کا [illegible] شوق تھا - آٹھ شعر تھے - جن میں اپنی بیتابی کا اظہار تھا - "تم عشق میں رونا تھا - اور [illegible] انتظار [illegible] ہر وقت [illegible] رہتا ہوں - تم اپنے عاشق پر [illegible] عشق بھی بڑھتا جاتا ہے"

یہ اشعار جناب معاویہ کو نہایت ناگوار ہوئے - فوراً یزید کو بلا بھیجا - اس نے باپ کو پریشان دیکھ کے حزن و ملال کا سبب پوچھا - کہا "ایک ناگوار اور تکلیف دہ واقعہ ہے - اس قریشی زاد فاسق نے تمہاری بہن کو یہ شعر لکھ کے بھیجے ہیں - جن کو پڑھ کے عاتکہ نے رونا شروع کیا تو اس گھڑی تک آنسو نہیں تھمے ہیں" یزید نے کہا "اس بارے میں کیا سننا بیکار ہے - بس یہی تدبیر ہو سکتی ہے کہ ہمارا کوئی غلام اس شخص کی تاک میں رہے - اور جب موقع پائے اسے قتل کر ڈالے" یہ سن کے جناب معاویہ بولے "یزید اگر تو ایک قریشی شاعر کو قتل کر ڈالے گا تو لوگوں کو یقین آ جائے گا کہ اس نے عاتکہ کے ساتھ جو تعلقات ظاہر کیے ہیں وہ بالکل سچے ہیں" یزید بولا "یہ تو صحیح ہے - لیکن اس کا کیا علاج کہ وہ اسی قسم کے اشعار تصنیف کر کر کے لوگوں میں پھیلا رہا ہے - جو اہل مکہ میں مشہور اور جوانان قریش کی زبانوں پر جاری ہو جاتے ہیں - یہاں تک کہ شہرت کے پروں سے اڑتے ہوئے بعض اشعار یہاں تک آ پہونچے - اور میرے گوش گزار ہوئے - مجھے ان کو سن کے نہایت ملال ہوا - اور میں نے یہی ارادہ کر لیا ہے جو آپ سے عرض کیا - یعنی اس کو کسی اپنے غلام کے ہاتھ سے مروا ڈالوں گا"

جناب معاویہ نے تعجب کے لہجے میں پوچھا "اور شعر بھی ہیں؟ یاد ہوں تو سناؤ" یزید نے وہب کے پانچ نئے شعر سنائے جن میں فراق کی شکایت تھی - اور یہ خیالات

ظاہر کیے تھے کہ ”بادشاہ چاہتا ہے کہ مجھ سے ملے [illegible] یہ بخشش پا [illegible]
کا اندیشہ ہو اُس میں بھلائی نہیں - اور جس معشوقہ کا دامن نصیب ہو [illegible] کو
چاہتا ہی کیا ہے ؟ ہائے افسوس ! [illegible] تو ہو گیا - مگر [illegible] کے لیے کبھی
کبھی ملنا نصیب ہوا“

یہ اشعار سن کے معاویہ نے فرمایا ”اب یہ معاملہ سمجھ گیا - یہ شخص صرف فراق
کا شاکی ہے - اور اس کا انسداد آسانی سے ہو جائے گا - تم [illegible] لینے کا ارادہ
نہ کرنا“ پھر اُسی سال اُنھوں نے سفر حج کیا - اور مکّہ معظمہ میں حج سے فارغ ہونے
کے بعد ایک دن تمام شرفائے قریش اور ان کے شعرا کو سامنے بلوایا - سب سے
ملے - پر لطف و کرم پیش آئے - اور سب کو حسب حیثیت انعام و اکرام دے کے
رخصت کیا - رخصت ہونے والوں میں وہب ابو ہبیل بھی تھا - جب وہ واپس جانے لگا
تو حضرت معاویہ نے پوچھا ”وہب یہ کیا ماجرا ہے کہ میں یزید کو تم سے ناراض پاتا ہوں؟
تمھارے اشعار جو لوگوں سے سنے جاتے ہیں اُنھیں کو سن سن کے وہ برافروختہ
ہو رہا ہے“ وہب نے عذر خواہی میں زبان کھولی - اور کہا ”میں نے وہ شعر نہیں کہے
بلکہ لوگوں نے میری جانب منسوب کر دیے ہیں“

جناب معاویہ نے کہا ”خیر مضائقہ نہیں - اور تم کوئی اندیشہ نہ کرو - لیکن اتنا
بتا دو کہ اپنے قبیلے اور خاندان کی تمام لڑکیوں میں سے تمھیں کون اچھی معلوم ہوتی
ہے؟“ وہب نے ایک لڑکی کا نام لے کے کہا ”وہ میری نظر میں سب سے اچھی ہے“
فرمایا ”تو میں دو ہزار دینار مہر پر اُس کے ساتھ تمھارا نکاح کیے دیتا ہوں“ یہ کہہ کے
خود ہی نکاح پڑھا دیا - مہر کی رقم اپنے پاس سے دی - اور ایک ہزار دینار
اُسے بطریق انعام اُس کے علاوہ دیے - اور رخصت کیا -

اس غیر معمولی سلوک کا وہب پر بڑا اثر ہوا - ندامت سے سر جھکا لیا - اور ادب
کے ساتھ نہایت ہی التجا کے لہجے میں عرض کیا ”امیر المومنین - اگر میرے گذشتہ اشعار
اور میرے اظہار عشق کو آپ معاف فرما دیں اور اگلی لغزشوں سے درگذر کریں
تو وعدہ کرتا ہوں کہ پھر کبھی آپ کی صاحبزادی عاتکہ کی نسبت کوئی شعر نہ کہوں گا -
اور کہوں تو میرا خون آپ کے لیے حلال ہے - فوراً قتل کروا لیجے گا - رہی یہ خاتون

تمھین کے ساتھ زینب نے میرا عقد کر دیا ہے تو اگرچہ حسن و جمال مین اسکو سب پر ترجیح دیتا ہون لیکن نہ مجھے اس سے محبت ہے اور نہ اسے مجھ سے - اس لیے آپ کے سامنے اور آپ ہی کو گواہ کر کے مین اسے طلاق بائن دیے دیتا ہون - جس کسی کے ساتھ اس کا جی چاہے عقد کر لے " یزید کی یہ تقریر اور اس کا اقرار سن کے امیر معاویہ بہت خوش ہوے - اور وعدہ کیا کہ جو انعام مین نے تم کو دیا ہے وہ تمھین ہر سال پہونچتا رہے گا "

بس اسی پر اس شورش کا خاتمہ ہو گیا - وہب نے پھر کبھی کوئی شعر عاتکہ کے عشق مین نہین کہا - اور اپنی وضع اور اپنے عہد کو زندگی بھر نباہا - مگر کہتے ہین کہ عاتکہ مرتے وقت تک اس پر فریفتہ اور اس کے شوق مین ملول رہین -

ایڈلین

نامور مغنیۂ یورپ

اس کے تسلیم کرنے مین کسی واقف کار کو مشکل تامل ہو سکتا ہے کہ دمشق اور بغداد کی خلافتون مین دربار خلافت نے بعض مغنیون اور مغنیہ عورتون کی جیسی قدر کی ویسی قدر اس لطیف فن کے ماہرون کی دنیا کا کوئی دربار نہین کر سکا ہے - مگر یورپ کی نامور مغنیہ ایڈلین کو البتہ سلاطین یورپ نے جو عزت دی وہ شاید دنیا کی کسی گانے والی کو نصیب ہو سکی ہو گی -

ایڈلین کا نشو و نما بچپن ہی سے کانسرٹون (محفلہاے طرب) مین ہوا تھا - اس کے ساتھ اس کے حسن و جمال اور اسکی دل مین اتر جانے والی آواز نے اسکے اس کمال مین اور جان ڈال دی - چند ہی روز مین یہ حالت ہو گئی کہ ممالک یورپ مین کوئی شخص نہ تھا جو اس کے گانے پر فریفتہ نہ ہو - پبلک کی عام قدردانی کا نتیجہ ہوا کہ اس کی آمدنی روز بروز ترقی کرنے لگی - اور چند سال مین اس کی سالانہ آمدنی دس لاکھ فرینک ہو گئی -

مگر وہ خصوصیت جس نے اس سحر آفرین مغنیہ کو دنیا بھر کی گانے والیون سے ممتاز کر دیا یہ تھی کہ بڑے بڑے زبردست شہنشاہان یورپ اسکے حد سے زیادہ گرویدہ

تھے ۔ وہ انتہا سے زیادہ اُس کی عزت کیا کرتے تھے ۔ ایڈلین نے اپنی وصیت [illegible]
تھی کہ جب نظر آتی اس کے ہاتھ میں ایک قسم کا انوکھا پنکھا ہوتا جو سب کے
ساتھ مخصوص تھی اور کسی اور خاتون کے ہاتھ میں نہیں دیکھی گئی تھی ۔ شاہان وقت
میں سے جس کسی نے اُسکی تعریف کرنی چاہی تو اُس نے اپنی وہی پنکھا بڑھا دی
کہ اس پر لکھ دیجیے ۔ اور اس فرمان روا نے اسپر اپنے جذبات دلی اپنے قلم سے
لکھ دیے ۔ چند روز میں یہ پنکھا تحریروں سے بھر گئی ۔ اور کوئی تاجدار ایسا نہ تھا جس کے
ہاتھ کا لکھا اُس عجیب و غریب پنکھا پر موجود نہ ہو ۔ جن میں سے چند اہم تحریروں
کو ہم اپنے ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں ۔ شاہ روس نے لکھا "کسی چیز سے وہ
تسکین نہیں ہوتی جو تمہارے گانے سے ہوتی ہے" قیصر جرمنی نے اس مغنیہ کی بابت
خطاب کرنے کی شان سے یہ الفاظ لکھ دیے تھے "تمام زمانوں کی بلبل کو میرا سلام"
ملکہ اسپین نے لکھا تھا "ایک ملکہ عصر کو دیکھیے اس پر ناز ہوگا کہ تم اسے اپنی رعایا
میں شامل خیال کرو" [illegible] اور [illegible] ملکہ معظمہ [illegible] نے اپنے دستخط
سے اس پنکھا پر یہ الفاظ لکھے تھے "شاہ بلبلہ [illegible] خداداد ہے۔
اگرچہ میں تو لے پیاری ایڈلین تم ساری عورتوں سے بڑھی ہوئی مغنیہ ہو" ان
فرمان روایان ارض کے علاوہ شہنشاہ آسٹریا اور ملکہ ایزابلا کے ہاتھ کی تحریریں بھی
اُس پنکھا پر موجود تھیں ۔ اسی طرح ملکہ بلجیم نے بھی اپنے خیالات ظاہر کیے تھے ایڈلین
کی پنکھا کے بیچ میں یہ الفاظ لکھے تھے "اے ملکہ طرب میں تیری طرف اپنا شوق
کا ہاتھ بڑھاتا ہوں" ان الفاظ کا لکھنے والا دولت جمہوریہ فرانس کا پریسیڈنٹ
بڑس تھا ۔

ان تحریروں کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جو عزت و حرمت اور جیسی محبت
عامہ اس مغنیہ کو حاصل تھی دنیا کی کسی عورت کو شاید ہرگز نصیب ہوئی ہوگی ۔
جن فرمان رواؤں اور تاجداروں کی حضوری حاصل ہونا بڑے بڑے امیروں
اور قابل لوگوں کے لیے مایۂ افتخار تھا وہ سب اس خاتون سے ملنا ۔ اُس سے
ملاقات پیدا کرنا ۔ اور اُس کو دوست بنانا اپنا سرمایۂ ناز تصور کرتے تھے ۔
ایڈلین کے زیادہ حالات نہیں معلوم ہو سکے ۔ مگر مصر کی قابل مصنفہ عائشہ خانم

سکے گی، جس سے ہمیں اس کی قدر و قیمت معلوم ہو سکے، جو اُس کے حسن صورت نہیں تو حسن صورت کے کرشمے ظاہر کرنے کے لیے بخوبی کافی ہیں۔ لیکن ہم اُس کے ساتھ بتا دینا چاہتے ہیں کہ سلطنت نہیں یورپ شاید پہلا دور اصل اُس عہد کی جمہوریت کا ہے جس میں نہایت موقع کو حسن اس کام کا باقی رکھا ہے کہ حکمرانی کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو کے فقط حسن کی قدردانی کیا کریں۔

دکن کی ایک فرماں روا حسینہ چاند بی بی

(۱)

حسن کی کرشمہ سازیوں کے سلسلے میں ہم نے ابھی تک ہندوستان کی طرف توجہ نہیں کی اور جو کچھ لکھا دوسرے ملکوں کی نامور جادو نگاہوں کے متعلق لکھا۔ مگر ہمارے لیے خاص ہندوستان میں بھی حسن کا کافی ذخیرہ موجود ہے۔ بلکہ بقول علامہ فیضی:

این فتنہ ہا کہ ہند گرم خیز است   اینجاست کہ آفتاب تیز است

یہاں مہ جبینوں کے حسن کی کرشمہ سازیاں زیادہ بڑھی ہوئی ہیں۔ ہندوستان میں فی الحال بڑی خرابی اور دشواری یہ ہے کہ ہر معاملہ مذہبی طرفداری اور تعصب پر محمول کیا جاتا ہے۔ اور ہم مجبور ہیں کہ یہاں کے اگلے دور کی کسی حسینہ کے حالات لکھتے وقت ایسے الزاموں کی طرف سے بے پروا ہو جائیں۔ تاہم مندرجۂ ذیل واقعات درج ہیں جن میں ہم نے اپنی طرف سے کوئی اضافہ نہیں کیا۔ تاریخ فرشتہ میں جو کچھ مذکور ہے اُسے اپنے الفاظ میں ادا کیے دیتے ہیں۔

دکن میں جن دنوں بہمنیوں کی زبردست سلطنت قائم تھی اُنکے سب سے زبردست حریف راجگان بیجانگر تھے۔ اُن کا دارالسلطنت دکن کا نہایت ہی تاریخی شہر تھا۔ اور اُس کی شوکت و حشمت کے عجیب و غریب واقعات تاریخوں میں مذکور ہیں۔ دریائے تنگ بھدرا (جو فی الحال دولتِ آصفیہ نظام ادام اللہ شوکتہا و دولتہا کی جنوبی سرحد پر رائچور کے قریب واقع ہے) بہمنیوں اور ہندو دولت بیجانگر کی قلمرو کے درمیان میں حد فاصل تھا۔ ۸۰۰ھ اور ۸۲۵ھ کے درمیان

جب تک کچھ دن رہے تھان مین سلطان فیروز شاہ بہمنی۔ دریاے کشنا کے جنوب مین
راجہ دیورائے حکومت کر رہے تھے۔ بیجانگر کا ایک عالم و فاضل۔ فن موسیقی کا
صاحب کمال۔ اور عابد و زاہد برہمن اپنے وطن سے کاشی کے تیرتھ کے لیے
بنارس مین آیا۔ اور فرائض مذہبی ادا کرکے واپس گیا تو چلتے چلتے مدگل کے
ایک گاؤن مین ایک سنار کے گھر پر اترا کہ رات وہان بسر کرے۔ اور صبح کو آگے
کا راستہ لے۔ چونکہ وہ مذہبی مقتدا اور متبرک و مقدس شخص خیال کیا گیا اسلیے
سنار اور اس کے تمام گھر والون نے حاضر ہوکے اس کے قدم چومے۔ جیسا چاہیے
تھا اُس کی تعظیم و تکریم کی اور اُس سے برکت اور دعاے خیر کے طالب ہوے۔
برہمن نے سب کو دعا دی تو سنار نے ادب سے عرض کیا "میری ایک بیٹی ہے
پرتھال۔ حضور اُسکے حق مین بھی دعا فرمائین"۔ برہمن نے اُس کے لیے بھی
دعاے خیر کی۔ اور اُسکے بعد پوچھا تمھاری وہ لڑکی کہان ہے؟" عرض کیا "اُسکی
عجیب حالت ہے۔ مسلمان عورتون کی طرح پردہ کرتی ہے۔ اور اپنے حسن و جمال پر
اُسے اتنا بڑا ناز ہے کہ کسی کو صورت نہین دکھاتی۔ ہم نے اپنی ذات اور برادری
مین اُس کی نسبت ٹھہرائی تھی مگر اُس نے شادی کرنے سے صاف انکار کر دیا اور
کہا جس نے مجھے یہ دلربا صورت دی ہے وہی اس کا قدردان بھی پیدا کر دے گا۔
اُسے اس قدر بیباک اور شوخ دیدہ دیکھ کے ہم لوگ خاموش ہو رہے۔ اب آپ
سے التجا کرتے ہین کہ ایسی دعا کیجیے کہ وہ شادی کرنے پر راضی ہو جائے۔"

یہ واقعات سُن کے برہمن کو تعجب کے ساتھ پرتھال کا چہرۂ زیبا دیکھنے کا شوق
ہوا۔ اُس کے قریب گیا اور پکار کے کہا "بیٹی! تو مجھ سے پردہ کرتی ہے! مجھے اپنے
باپ کی جگہ سمجھ۔ اور مین وعدہ کرتا ہون کہ اپنی حقیقی بیٹی سے زیادہ تجھ سے محبت
کرون گا۔ اس لیے باہر آکے اپنے خداداد حسن سے میری آنکھون کو روشن کر۔" یہ
سُن کے پرتھال نے پردے سے نکل کے برہمن کے قدم چومے۔ اور اُسکے سامنے
سرو قد کھڑی ہو گئی۔ برہمن نے اُسے اوپر سے نیچے تک دیکھا۔ اور دیکھتے ہی دل
مین کہا "دُنیا مین ایسا حسن و جمال تو کسی نے نہ دیکھا ہوگا۔ یہ عورت نہین آسمان
کی کوئی اپسرا یا دیوی ہے۔" پھر محبت سے اُسے اپنے پاس بٹھا لیا۔ اور اُس سے

باتیں کین - اُس کی نغمہ خیز اور جادو بھری آواز سُنی تو اور حیران ہوا کہ اس دنیای فانی مین ایسی حور طلعت پری جمالین اور ایسی دلکش آواز والیان بھی ہین!

پھر اُس نے اُس نازنین کو اپنا گانا سنایا - بین بجا کے اُسے مانوس کیا - اور اس فن لطیف سے اُسے مانوس پا کے کہا "مین نے اس فن کو بڑی محنت سے حاصل کیا ہے - میرے پاس اور کیا رکھا ہے - اگر تجھے اسکے سیکھنے کا شوق ہو تو وعدہ کرتا ہون کہ تھوڑے ہی زمانے مین تجھے اس فن مین بے مثل و بے نظیر بنا دونگا - اگر تو نے محنت سے سیکھا تو جس طرح تیری صورت موہنی اور تیری آواز سُریلی ہے اسی طرح تیرا گانا بجانا بھی دنیا مین لاجواب ہو جائیگا - پرتقال نے اس فن کے سیکھنے کا بیحد شوق ظاہر کیا - برہمن اپنے وعدے کے مطابق وہین ٹھہر کے اُسے گانا بجانا سکھانے لگا - اور ایک ہی سال مین کامل منتہیہ بنا کے کہا "اب تو اس قابل ہے کہ راجاؤن کے محل مین رہے - سوا کسی بڑے راجہ کے اور کسی کا حوصلہ نہین ہو سکتا کہ تجھے اپنی دولھن بنائے" یہ کہہ کے برہمن نے اس خاندان سے رخصت ہو کے اپنے گھر کی راہ لی -

چند منزلین قطع کر کے اپنے وطن بیجا نگر مین پہونچا - مگر پرتقال کی یاد کسی طرح نہ بھولتی تھی - جو ملنے آتا اُسے سب کے پہلے پرتقال کے حُسن و جمال اور اُسکی خوش گلوئی کی تعریف کرتا - اس کی زبان سے نکلتے ہی یہ خبر سارے بیجانگر مین پھیل گئی - اور ہر صحبت مین اُس سُنار کی بیٹی کی تعریفین ہونے لگین - ہوتے ہوتے یہ خبر راجہ دیورائے کے کانون تک پہونچی - اور وہ مصداق

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد بسا کین دولت از گفتار خیزد

اُس نازنین کے حسن و جمال کا تذکرہ سنتے ہی ایک جان چھوڑ ہزار جان سے عاشق ہو گیا - اُسی وقت اُس برہمن کو بُلا کے مہجبین لڑکی کے حالات پوچھے - برہمن نے ایسے عنوان سے اور ایسے الفاظ مین اُس کا ذکر کیا کہ راجہ کے عشق مین بیتابی و بیقراری پیدا ہو گئی - اور برہمن سے خوشامد کرنے لگا کہ "اس سینے مین تم نے آگ لگائی ہے تو تمھین اسکو بجھاؤ" - بہت کچھ زر و جواہر دیا کہ اس کوشش مین صرف کرو - پھر ایک سونے کا مرصع گلوبند دیا کہ اُسے لیکے

فوراً مدگل مین جاؤ۔ اُس کے ماں باپ کو میرا پیام دو۔ اور جس طرح بنے اُنھین راضی کرکے منگنی کے طریقے سے یہ گلوبند اُسکے گلے مین پہنا دو۔ اور یون نہ ملنے تو اُسے بیجانگر کے مندرون اور یہان کے تیرتھون کا شوق دلا کے کسی بہانے یہان لے آؤ۔"

برہمن خوش خوش روانہ ہوا۔ پھر جا کے سُنار کے گھر مین اُترا اور دو تین روز بعد اچھے عنوان اور دلفریب الفاظ مین شادی کا پیام دیا۔ پدمتال کے ماں باپ بہت خوش ہوے۔ فوراً راضی ہوگئے۔ اور یہ سمجھ کے کہ اب پدمتال بھی ضرور راضی ہو جائے گی اُس سے تذکرہ کیا۔ لڑکی نے سُن کے ماں باپ سے کہا "کیا آپ کو بیجانگر کے رنواس کا حال نہین معلوم؟ اُس مین ہزارون عورتین بھری پڑی ہین۔ اور جو اُس مین گئی مر کے نکلی۔ اُس راجہ کی رانیان لونڈیون سے بدتر ہین۔ نہ ماں باپ سے مل سکتی ہین نہ کسی عزیز قریب کی صورت دیکھ سکتی ہین۔ ایسی زندگی بھر کی قید مجھ سے نہ برداشت ہو سکے گی۔ چاہے آپ کو میری محبت نہ رہی ہو۔ میری طرف سے آپ کا لہو سفید ہو گیا ہو۔ مگر مین آپ کو نہین چھوڑ سکتی۔" ماں باپ نے لاکھ سمجھایا مگر پدمتال نے کسی طرح منظور نہ کیا۔ آخر خود اُس برہمن نے آ کے اُسے سمجھانا شروع کیا۔ اور باتون باتون مین چاہا کہ گلوبند اُسکے گلے مین باندھ دے۔ مگر پدمتال نے سر ہٹا لیا۔ اور کہا "گو مین آپ کو باپ سے بڑھ کے مانتی اور آپکا ادب کرتی ہون مگر اس معاملے مین آپ اصرار نہ کرین۔ میرا معاملہ ایک راز ہے جسکو مین نہ بیان کر سکتی ہون۔ اور نہ اس بارے مین کسی کے مشورے پر عمل کر سکتی ہون۔"

یہ جواب سُن کے برہمن نے اصرار شروع کیا کہ "جو کچھ راز ہو بتاؤ۔ اور اگر اس راز کے معلوم ہونے کے بعد یہ شادی مناسب نہ معلوم ہوئی تو مین ہرگز یہ صلاح نہ دون گا کہ تم راجۂ بیجانگر کی رانی ہو۔ مگر مجھے بتا دو۔"

آخر برہمن کے مجبور کرنے سے پدمتال نے کہا "سُنیے مجھے مدت ہوئی ایک غیب کے فرشتے اور بڑے مہاتما نے خبر دی کہ تو مسلمان ہو کے ملکۂ جہان بنے گی۔ اور اپنے ہی ملک مین شان و شوکت سے رہ کے عیش کریگی۔ وہ بات میرے دل مین جم گئی۔ مجھے یقین ہے کہ یہ پیشین گوئی ضرور پوری ہوگی۔ اور مین صبر و تحمل کے ساتھ بیٹھ کے اُسکے پورے ہونے کا انتظار کرون گی۔ مجھ سے جھوٹا وعدہ نہین کیا گیا ہے۔ ہو کے

رہے گا - اور اُس کے ہوتے مین بیجانگر کے محل مین جا کے اپنی زندگی نہ خراب کرون گی۔

اب برہمن نے پرتھال کے والدین کو بیجانگر کے درشنون کا شوق دلانا شروع کیا - گر پرتھال ہرگز راضی نہ ہوئی اور اپنی ہی ضد پر اڑی رہی - اس ملک مین مسلمانون کی سلطنت تھی - اور فیروز شاہ بہمنی کے ایسے پُرسطوت و جبروت سلطان کا عہد - برہمن یا پرتھال کے مان باپ کو اسکی جرأت نہ ہوسکی کہ اُسے جبرًا بیجانگر بھیجین - آخر برہمن نے ناکام و شکستہ دل واپس جا کے راجہ سے سارا واقعہ بیان کردیا اور کہا کہ افسوس اُس پر میرا کچھ زور نہ چل سکا -

یہ ناکامی کا جواب سُن کے راجہ کی بیقراری و بیتابی نے جنون کی شان اختیار کرلی - اور یہ حالت ہوگئی کہ نہ گھر مین چین پڑتا تھا نہ وزراء کے دربار مین دل لگتا تھا - آخر جتنی فوج بیجانگر مین موجود تھی اُسے ساتھ لے کے شکار کے بہانے کوچ کیا - اور سرحدی دریا تنگ بھدرا کے کنارے تک سفر کرتا ہوا چلا آیا - اب آگے دولت بہمنیہ کی قلمرو تھی اس لیے وہین پڑاؤ ڈال دیا - اور بغیر اسکے کہ قدیم معاہدون کا لحاظ کرے یا اپنی حالت و قوت کا اندازہ کرے ایک رات کو پانچ ہزار سوار دریا کے پار اُتار دیے - اور باوجودیکہ تمام وزرا و مشیران سلطنت خلاف تھے اُن سوارون کو حکم دیا کہ تم دوڑا دوڑ گھوڑے بڑھاتے ہوے مضافات مُدگل کے اُس گانون تک چلے جاؤ جہان میری مہ جبین پرتھال رہتی ہے - اُس کے گھر پر اچانک حملہ کرکے اُسے اپنی حراست مین کرلو - اسکے بعد فورًا پلٹ پڑو - اور اُسے لے کے ایسے اُڑو کہ تنگ بھدرا کے اِس پار دم لو" فوج والون کو کیا عذر ہوسکتا تھا؟ بغیر اسکے کہ بہمنی سلطان کے عاملون کو خبر ہونے پائے لگاتار منزلین مارتے چلے گئے - اور مُدگل کے علاقے مین پہونچ کے دم لیا -

خدا کی قدرت! سواران بیجانگر کی اس تاخت کی خبر اُن سے زیادہ تیز تگ اُڑتی چلی جاتی تھی - چنانچہ اُن کے پہونچنے سے ایک دن پہلے مُدگل کے سارے جوار مین مشہور ہوگیا کہ بیجانگر کے سوار لوٹتے مارتے چلے آتے ہین - اور رعایا کے دل مین ایسی دہشت سمائی کہ سب لوگ گھر چھوڑ چھوڑ کے جنگلون اور پہاڑون مین بھاگ

بھاگ گئے۔ سب کے ساتھ پرتھال کا باپ سنار بھی تمام گھر والوں کو لے کے کہیں دور بیابانوں میں چلا گیا۔ اور راجہ کی فوج نے جس کے ساتھ وہ برہمن بھی تھا بستی کے تمام گھر ڈھونڈھ ڈالے مگر اُس گل رخسار اور اُس لعل بے بہا کا پتہ نہ لگا جس کے شوق میں یہ ہڑبونگے کا کھیل کھیلا گیا تھا۔ مجبوراً سب کے سب ناکام و نامراد واپس چلے۔ اور چونکہ ناکامی کا غصہ دلوں میں بھرا ہوا تھا اس لیے واپسی میں راستے کی بستیوں کو لوٹتے مارتے اور کشت و خون کرتے ہوئے تنگ بھدرا کے کنارے پہونچے۔

اب اس بیجا تاخت کی خبر مدگل کے حاکم فولاد خان کو ہوگئی جو سلطان فیروز شاہ کی جانب سے اس علاقے کا عامل تھا۔ اُس نے فوراً تھوڑی سی آس پاس کی فوج لے کے سواران بیجانگر کا تعاقب کیا۔ اور اُنھیں رگیدتا ہوا دریاے تنگ بھدرا تک چلا گیا۔ جہاں تک پہونچتے پہونچتے دونوں حریفوں میں دو لڑائیاں ہوئیں۔ پہلی لڑائی میں فولاد خان کو شکست کھا کے بھاگ جانا پڑا۔ مگر دوسری لڑائی میں راجہ کی فوج کو شکست ہوئی۔ چنانچہ اپنی سرحد میں داخل ہونے سے پہلے اُن کے بہت سے آدمی کٹ گئے۔ اور اپنی نامرادیوں کا رونا روتے ہوئے وہ دریاے مذکور کے پار اُتر گئے۔

اب مخبروں نے اس ہنگامے کی خبر خود سلطان فیروز شاہ بہمنی کو پہونچائی۔ وہ سنتے ہی آگ بگولا ہو گیا۔ راجہ بیجانگر کی بدعہدی پر اُسے سخت غصہ آیا۔ اعلان جنگ دیدیا۔ اور فوراً ایک زبردست لشکر کے ساتھ کوچ کر کے تنگ بھدرا کے پار ہوا۔ اور بیجانگر کی طرف لوٹتا مارتا ہوا چلا۔ راجہ کو مزاحمت کی جرأت نہ ہوئی۔ بیجانگر میں قلعہ بند ہو گیا۔ اور فیروز شاہ نے اُس کے دارالسلطنت کا محاصرہ کر لیا۔ بہمنی شہریار نے شہر پر پہونچتے ہی اتنا بڑا زبردست حملہ کیا کہ شہر کی پہلی فصیل میں داخل ہو کے بیجانگر کے بعض محلوں کو لوٹنے لگا۔ لیکن یکایک بیجانگر کے کرناٹکی بہادروں نے اس طرح جان پر کھیل کے حملہ کیا کہ سلطان کی فوج کو ہٹا کے فصیل باہر کر دیا۔ اور اُس کے بعد شہر پر قبضہ کرنا نہایت ہی دشوار ہو گیا۔

بیجانگر کوئی معمولی شہر نہ تھا۔ علاوہ راجہ کی بہادرانہ حمایت و مدافعت کے

قدرت نے اس کی مضبوطی یون کر رکھی تھی کہ چارون طرف بڑے بڑے پتھرون کی چٹانین تھین جنھون نے حریف کے لیے راستہ نہایت ہی خطرناک کر دیا تھا حریف جدھر سے یورش کرتا پتھر سد راہ ہوتے۔ فصیل پر سے تیرون اور پتھرون کی مار اُسے بالکل تباہ کر دیتی۔ راجہ نے نکل کے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ اور ساتھ ہی بہمنی لشکر پر فصیل پر سے تیرون کی بوچھار ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان کا لشکر سخت نقصان اُٹھا کے پیچھے ہٹا۔ اور سنگستانی زمین سے ہٹ کے سپاٹ کھلے میدان مین پڑاؤ ڈالا۔ لیکن محاصرہ اُسی طرح قائم رکھا۔ اب راجہ اپنا لشکر لے کے میدان مین نہ آتا تھا۔ اور فیروز شاہ کے سپاہی فصیل کی طرف بڑھنے کی جرأت نہ کر سکتے تھے۔

سلطان نے اب دوسری تدبیر شروع کی۔ اپنے امیر الامرا احمد خانخانان کو دس ہزار سوار دے کے حکم دیا کہ بیجانگر کے جنوبی علاقے پر تاخت کرے۔ اور امیر فضل اللہ انجو شیرازی کو بارہ ہزار کے لشکر کے ساتھ روانہ کیا کہ جا کے قلعہ بنکاپور کا محاصرہ کرے جو کرناٹک کا ایک زبردست قلعہ تھا۔ اور خود سلطان بیجانگر کا محاصرہ کیے پڑا رہا۔

راجہ دیورائے نے یہ حالت دیکھی تو بڑھ بڑھ کے سلطانی لشکر سے مقابلہ کرنا شروع کیا۔ چنانچہ چار مہینے مین آٹھ لڑائیان ہوئین اور سب مین راجہ کو شکست کھا کے جانا پڑا۔ اُدھر امیر فضل اللہ نے اتنی مدت مین قلعۂ بنکاپور اور اُس کا سارا علاقہ فتح کر کے اپنے قبضے مین کر لیا۔ اور وہان سلطانی عامل چھوڑ کے واپس آیا۔ خانخانان نے اُس سے بھی بڑھ کے یہ کارروائی کی کہ کرناٹک کے زیادہ حصے پر قبضہ کر لیا۔ اور ساٹھ ہزار لڑکون اور لڑکیون کو گرفتار کر لایا جو بیجانگر کے گرد سلطان کے سامنے پیش کیے گئے۔ اور ایک بہت ہی بڑا جشن سلطانی لشکر گاہ مین منایا گیا۔ اور خوشی کے نعرون کا غلغلہ اہل شہر کے کانون تک پہونچا۔

راجہ نے یہ حالت دیکھ کے اور فتح سے مایوس ہو کے گجرات۔ خاندیس اور مالوہ وغیرہ کو لکھا کہ اس نازک وقت مین میری کمک کرو۔ مگر کسی نے خبر نہ لی۔ اور سلطان نے جشن منانے کے بعد خانخانان کو راجہ کے مقابلے اور بیجانگر

کے محاصرے کے لئے یہین چھوڑ دیا - اور خود امیر فضل اللہ کو ساتھ لے کے قلعۂ اودنی کی طرف چلا جو اس سرزمین کا سب سے زبردست قلعہ تھا اور سارے کرناٹک کی آزادی و قوت کا دارو مدار اسی قلعے پر تھا - یہ خبر راجہ کو پہنچی تو حد سے زیادہ پریشان ہوا - اس لئے کہ اودنی کا قلعہ اُسکی سلطنت کی ناک تھا - صاف نظر آرہا تھا کہ اگر اُس قلعے کے بچانے کی پوری کوشش نہ کی گئی تو خود بیجانگر دشمنون کے قبضے مین ہو جائیگا اور اگر بیجانگر کے محفوظ رکھنے کی تدبیرین کی جائین تو اودنی کو سلطان فیروز شاہ کا ایسا زبردست حملہ آور یقیناً فتح کرلے گا - آخر راجہ دیو رائے نے وزراء کو جمع کرکے مشورہ کیا - اور سب کی رائے یہ قرار پائی کہ اب فوراً صلح و اتحاد کی درخواست پیش کر دی جائے - جس پر عمل کیا گیا - اور قبل اسکے کہ خود سلطان فیروز شاہ قلعۂ اودنی کی طرف کوچ کرے راجہ دیو رائے نے معززین دربار ایلچی بنکے اُس کی خدمت مین حاضر ہوے - اور درخواست کی کہ اب مہاراج اپنی حرکت پر نادم ہو کے معافی چاہتے ہین - اور حضور کی طرف سے جو شرطین پیش ہون گی اُنکو قبول کرین گے -

(۳)

سلطان راجہ کی بے اعتدالی پر اس قدر برہم تھا کہ اُس کی درخواست کو کسی طرح قبول نہ کرتا تھا - ایلچیون نے بار بار التجا کی اور امیر فضل اللہ انجو نے ہر مرتبہ زمین بوس ہو کے سفارش کی - آخر اپنے بہادر اور نامور سردار کی سفارش اُس نے قبول کی - اور ان شرطون پر راجہ کا قصور معاف کر دینے کا وعدہ کیا کہ (۱) دیو رائے اپنی بیٹی سلطان کی نذر کرے (۲) اُس کی سکھیال کے ساتھ دس لاکھ ہن - پانچ من موتی - پچاس کوہ پیکر ہاتھی - دو ہزار لونڈی غلام جو لکھے پڑھے اور رقص و سرود کے فن مین باکمال ہون - پیشکش کیے جائین - (۳) قلعۂ بنکاپور کو کہ اُس پر سلطان ہی کا قبضہ ہے مگر وہ بھی راج کنواری کے جہیز مین محسوب کر کے دولت بہمنیہ کی قلمرو مین شامل کر دیا جائے -

راجگان کرناٹک مین سے کسی نے اس وقت تک کسی غیر قوم حکمران خصوصاً ایک مسلمان سلطان کو اپنی بیٹی نہین دی تھی - مگر راجہ دیو رائے نے سلطان فیروز شاہ

بھمنی کا اس قدر دباؤ مان چکا تھا کہ اُسے طوعاً و کرہاً قبول ہی کرنا پڑا - اور جب بیٹی کا دینا اُس نے قبول کر لیا تو اور شرطوں کے نہ منظور کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی تھی؟ فوراً راج دُلاری کے رخصت کرنے کا سامان ہونے لگا - اور اُس کے لیے راجہ نے ایسا اہتمام کیا کہ ایسی بڑی دھوم دھام اس سے پہلے کبھی بیجا نگر میں نہیں دیکھی گئی تھی - سلطان کا خیمہ بیجا نگر کے پھاٹک سے سات فرسخ پر تھا لہذا سلطانی خیمے سے راج محل تک دورویہ بازار لگ گیا - اور ایک عظیم الشان میلہ قائم ہو گیا - دکانیں بڑے تکلف اور نہایت ہی زیب و زینت سے سجی گئیں جن کی آرائش میں ہندو مسلمان دونوں نے مل کے اپنے کمالات و ہنر اور اپنی نفاست مزاجی کا ثبوت دیا - یہ میلا مسلسل چالیس روز تک قائم رہا جس میں جابجا پریجمال ماہ وشین شب و روز رقص و سرود میں مصروف رہتیں - اور ایک خلقت انکے شمع رخسار کا پروانہ بنی رہتی - کثر مقامات پر بازی گر و مداری تماشا دکھاتے رہتے - رات بھر روشنی ہوتی رہتی - اور معلوم ہوتا کہ دونوں حریف قومیں رشتۂ یگانگت قائم ہوتے ہی ساری تکدورتوں کو بھول کے عیش و عشرت میں منہمک ہو گئی ہیں -

سلطان کی طرف سے اُس کے بھائی احمد خان خانخانان اور امیر فضل اللہ انجو برّی کا جوڑا لے کے ایک باشان و شوکت شاہانہ جلوس اور برات کے ساتھ راج محل میں گئے - جو ایک ہفتہ تک ٹھہرائے گئے - اور نہایت ہی عظمت و شان سے اُن کی مہمانداری کی گئی - ہفتہ گذرنے کے بعد شاہزادی رخصت کی گئی جس کی سکھپال پر سونے چاندی کے پھول لٹاتے ہوئے لشکر گاہ سلطانی میں لائے - سلطان کو بھی اپنی اس خوش نصیبی پر جوش آیا - دولھن کا ڈولا پہونچتے ہی اُس نے خزانے لٹا دیے - اور جس ایثار نفس - حسن و ادب - اور خلوص و اطاعت سے راجہ نے اس رسم کو ادا کیا تھا ویسی ہی فیاضی - گرمجوشی سے اُسکے عزیز ترین ہدیے کو قبول کیا - اور بے انتہا مسرور رہا -

شادی ہو جانے کے بعد چوتھی کے طور پر راجہ نے سلطان کو اپنے محل میں بُلایا - فیروز شاہ نے اس کی درخواست قبول کی - لشکر گاہ کا انتظام خانخانان

کے ذمے چھوڑ کے دولھن شاہزادی کے ساتھ عظیم الشان جلوس اور اعلیٰ درجے
کے کروفر سے بیجانگر مین گیا۔ راجہ نے بھی استقبال مین کوئی دقیقہ نہین اُٹھا رکھا
پھاٹک سے راج محل تک تین فرسخ کی مسافت تھی۔ اس تمام راستے پر اطلس
مشجر اور مخمل کا فرش بچھا ہوا تھا۔ اور دو رویہ دور دور طرح طرح کے قیمتی کپڑون کے جوڑ
لگا کے سارا راستہ گلزار سدا بہار بنا دیا گیا۔ خود راجہ پھاٹک تک استقبال کو آیا۔ اور
داماد سے بغلگیر ہو کے اُسے اپنی شایست مین محل تک لے گیا۔ اس تمام راستے مین
راجہ کے ہاتھ مین ہاتھ دیے جب تک سلطان گذرتا رہا دو طرفہ جانب سے اُس پر
پریجمال عورتین اور نازک اندام خوبصورت لڑکے تھالیون مین بھر بھر کے سونے چاندی
کے پھول برساتے اور نچھاور کرتے رہے۔ راستے مین ایک مقام پر بیجانگر کے تمام امراء و
معززین ملے جن مین مرد عورتین سبھی تھے۔ نذرین ہوئین۔ حسب حیثیت روپیہ اشرفیان
نچھاور کئین۔ اور یونہی زر و جواہر لٹاتے ہوئے راج محل تک پہونچا۔ دولھن اُس کے
ہمراہ آئی۔

اس شان و شوکت اور اس دھوم دھام سے دونون تاجدار راج محل کے
دروازے پر پہونچ کے گھوڑون سے اُترے۔ یہان ایک مرصع و جواہرنگار سکھپال
حاضر تھی۔ سلطان اُس مین سوار کرا کے حجلۂ عروسی مین پہونچایا گیا۔ جو خاص
اُسی کے ورود کے لیے بنایا اور بڑے اہتمام سے آراستہ کیا گیا تھا۔ تمام امراء و عزیزان
شاہی پاپیادہ سلطان کی سکھپال کے جلو مین تھے۔ جن مین خود راجہ دیورائے بھی تھا۔
سلطان کو نیا تک اُسے پہونچا کے راجہ نے واپسی کی اجازت لی۔ اور تمام اعیان
سلطنت کے ساتھ واپس گیا۔ سلطان اور اُس کی مہ جبین دولھن اپنے حجلۂ
عیش مین مصروف عیش و عشرت رہے۔ اور تین دن اسی جشن طرب مین محو تھے۔
جس کے مزے کو سلطان شاید زندگی بھر نہ بھولا ہوگا۔

تیسرے دن سلطان نے واپسی کا ارادہ کیا تو راجہ نے حاضر ہو کے اس قدر
سامان دولت اور اتنا ایک زر و جواہر نذر کیا جو اُس سے بدرجہا زیادہ تھا جو
سلطان کی شرط کے مطابق شاہزادی کے ڈولے کے ساتھ بھیجا گیا تھا۔ اور اسی مناسبت
سے اب جو شہنشاہ کی سواری اور شہنشاہ دولھن کی سکھپال راج محل سے روانہ ہوئی

تو اُس کی شان و شوکت اور اُس کا کرّ و فر پہلے سے بدرجہا زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ مشایعت کے لیے خود راجہ چار فرسخ تک سلطان کے جلو میں گیا۔ اور وہاں سے رخصت ہو کے اپنے شہر میں واپس آیا۔

لیکن باوجود استقبال کا اس قدر اہتمام کرنے کے راجہ کے دل میں اپنی بیعزتی و رسوائی کا ایسا گہرا زخم لگا تھا کہ ضبط کرنے پر بھی کوئی ایسی حرکت کر بیٹھتا جس سے اُس کا دلی صدمہ ظاہر ہو جاتا۔ چھتری نسل کا ایک عظیم الشان راجہ تھا جسکے عظمت و جبروت کو سارا ہندوستان مانے ہوئے تھا۔ سلطان سے رخصت ہوتے وقت اُسے غیرت کا کچھ ایسا جوش آگیا کہ چھتریوں کے اکھڑپن کے لہجے میں چند ایسی باتیں کہیں کہ سلطان کو اُس کے الفاظ اور اُس کا گستاخانہ لہجہ سخت ناگوار ہوا۔ اور راجہ کا سب کیا دھرا بیکار ہو گیا۔ چنانچہ راجہ کے رخصت ہوتے ہی سلطان نے امیر فضل اللہ ابو رجا سے جو ہمراہ رکاب تھا اور اُسی کی سفارش سے اُس نے یہ صلح قبول کی تھی اغصے کے لہجے میں کہا "شرط تو یہ تھی کہ دیو رائے ہمارے خیمے تک پہونچانے آئے گا۔ یہ راستے میں سے کیوں پلٹ گیا؟" اسکے بعد آپ ہی دل میں کچھ سوچ کے کہا "خیر مضائقہ نہیں۔ سمجھا جائے گا۔" سلطان کے یہ الفاظ راجہ دیو رائے کے گوش گذار ہوے تو طیش میں آگئے اور بگڑا۔ اور کچھ اور سخت و سست الفاظ زبان پہ لایا۔ بہر حال انجام یہ ہوا کہ ایسی قرابت ہو جانے اور مہمان داری و دعوت میں ایسی فیاضی دکھانے پر بھی دونوں تاجداروں کے دل نہ صاف ہوے۔ مگر ملال صرف دلوں ہی میں رہا اسوقت کوئی اور جھگڑا نہیں پیدا ہوا۔ صلح کے تمام شرائط پر عمل درآمد ہو گیا۔ اور سلطان نے اپنے خیل و حشم اور نئی دولھن کے ساتھ اپنے دارالسلطنت فیروز آباد کی راہ لی۔

چونکہ یہ سب واقعات پرتھال ہی کے حسن عالم آشوب کے کرشمے تھے اس لیے ہم نے ان کو تفصیل سے بیان کر دیا۔ اور اُن کے بیان میں اس درجہ مصروف ہوے کہ پرتھال کا خیال ہی ذہن سے اُتر گیا۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اس لیے کہ لڑائی کی شورش میں راجہ دیو رائے بھی اُسے بھولا ہوا ہے۔ مگر ہمیں افسوس تو اس بات کا ہے کہ اتنا سب ہوا۔ ہزارہا خلقت کٹ گئی۔ اور

راجہ دیورائے کی راج دلاری تک سلطان فیروز شاہ کی دولھن بن گئی مگر دیورائے کی آرزو نہ بر آئی۔ اُسے کسی طرح اُس مہ پارہ سنارن کا جلوہ دیکھنا نصیب ہوا۔

سلطان کو اثنائے فوج کشی میں معلوم ہو گیا تھا کہ راجہ نے بہمنی قلمرو میں ملک گیری کے خیال سے نہیں بلکہ پرتھال کے شوق وصال میں قدم رکھا تھا جس سے محروم رہا۔ گھر پہونچ کے اُسے شوق ہوا کہ مُدگل کے سنار کی اُس خوبصورت لڑکی کو دیکھے۔ فوراً ایک سردار تھوڑی سی فوج کے ساتھ بھیجا گیا جو عزت اور قدر و منزلت کے ساتھ پرتھال اور اُس کے ماں باپ کو لے آیا۔ فیروز شاہ نے جو اس کافر ادا لڑکی کی صورت دیکھی اور اُس کا گانا سنا تو عاشق ہو گیا بے اختیار اُس کی زبان سے نکلا "فتبارک اللہ احسن الخالقین" اور دیر تک اُس کے حسن و جمال کی تعریف کرتا رہا۔ اسکے بعد کہا "میں اب بوڑھا ہوں۔ اس لیے اگر اپنے محل میں رکھوں تو اس پر اور اسکے عدیم المثال حسن و جمال پر ظلم ہوگا۔ اس لڑکی کا ابھی عنفوان شباب ہے اور اسی طرح میرے فرزند حسن خان کی رگوں میں بھی جو نہایت ہی خوش جمال ہے۔ آغاز جوانی کا پُرجوش خون دوڑ رہا ہے۔ لہذا میں چاہتا ہوں کہ اس لڑکی کی شادی اُسی کے ساتھ کر دی جائے۔"

یہ تجویز کرتے ہی سلطان نے پرتھال کو اپنے بھتیجے کے حوالے کیا کہ اسکی شادی کا اہتمام شاہانہ شان و شوکت سے کرے اور عقد کی تاریخ مقرر کرکے خود حسن خان کو بڑے کر و فر اور حشمت و شکوہ سے دولھا بنا کے بھتیجے کے گھر برات لے گیا۔ اور مہ جمال پرتھال کو سلطنت بہمنیہ کی عالی مرتبہ بہو بنا کے بیاہ لایا۔ پرتھال کو معلوم ہوا کہ میرے خواب کی تعبیر تھی۔ اور آرزومندی و مقصودری کے ساتھ عالیمرتبہ مسلمان شاہزادیوں کی سی زندگی بسر کرنے لگی۔ جس کی طرف اُس کے دل کو پہلے ہی سے رجحان تھا۔ اور خود ہی پردہ کرنے لگی تھی۔

شاید ایسی عدیم المثال اور بے نظیر دولھن کے ملنے ہی کا نتیجہ تھا کہ حسن خان کو بجز عیش و عشرت اور رقص و سرود کے دنیا و ما فیہا سے کوئی سروکار نہ تھا۔ رات دن محبوبۂ مہ جبین کے آغوش میں بیٹھا رہتا اور اُس کے ناز و ادا کا لطف اُٹھایا کرتا۔ نہ سلطنت سے سروکار رکھتا نہ حکمرانی کی لیاقت اُس میں

پیدا ہو سکی۔ فیروز شاہ نے آخر زندگی میں بہت سر مارا اور اُسے اپنا ولیعہد بنا دیا مگر سلطنت اس کی تقدیر میں نہ تھی۔ فیروز شاہ کا بھائی خانخانان اُس کی زندگی میں بادشاہ بن گیا۔ بیٹے کی محبت میں بادشاہ بھائی کا دشمن ہو گیا۔ اور خود فوج لے کے اُس کے سامنے صف آرا ہوا۔ فیروز شاہ اُن دنوں سخت بیمار تھا۔ اثنائے جنگ میں اتفاقاً اُسے غش آ گیا۔ لشکر میں اُس کی موت کی خبر اُڑ گئی۔ اور خود اُس کی فوج والے اُس کا اور ولیعہد کا ساتھ چھوڑ چھوڑ کے خانخانان سے جا ملے۔ یوں اکا رُخ پلٹا دیکھ کے حسن خان اور دیگر سردار بادشاہ کے سیاہ لے کر قریب کے ایک قلعے میں اُٹھا لے گئے۔ اور خانخانان نے بڑھ کے اُس قلعے کا محاصرہ کر لیا۔

اب فیروز شاہ کو ہوش آیا۔ اور واقعات جنگ سُنے تو اپنی بے دست و پائی پر متعجب ہوا۔ اور فرزند سے کہا "بیٹا۔ میں نے بہت کوشش کی۔ مگر اس کو کیا کروں کہ سلطنت تمہاری قسمت میں نہیں ہے۔ اب بھائی سے لڑنا شکست سے لڑنا ہے۔ قلعے کے پھاٹک کھول دو۔ اور خانخانان سے کہو کہ خانخانان اندر آئے۔" اس حکم پر عمل کیا گیا۔ اور خانخانان آ کے صاحب تاج و سریر بھائی کے سرہانے کھڑا ہو گیا۔ بیچارہ ناتوان بادشاہ سرکش بھائی کی صورت دیکھتے ہی زار و قطار رونے لگا۔ اور کہا "تاج و تخت تمہیں مبارک۔ محبت پدری کے تقاضے سے میں نے اپنے فرزند کے لیے ولیعہدی کی کوشش کی۔ مگر چونکہ خدا کو منظور نہ تھا اس لیے ناکام و نامراد رہا۔ بس اب آج سے تم ہی صاحب تاج و دیہیم ہو۔ اور میں اپنے فرزند حسن خان اور ساری رعایا کو تمہارے سپرد کرتا ہوں۔"

بس اُسی دن یعنی ۵۔ شوال ۸۲۵ھ کو خانخانان نے تاج شاہی سر پر رکھا۔ اور "احمد شاہ بہمنی" کے لقب سے حکومت کرنے لگا۔ دس دن بعد یعنی اُسی مہینے کی ۱۵ تاریخ فیروز شاہ نے دنیا کو رخصت کیا۔ اور اُس کی وصیت کے مطابق نئے فرمان روا احمد شاہ بہمنی نے سوچنا شروع کیا کہ بھتیجے یعنی حسن خان کے ساتھ کیا سلوک کرے۔ بعض مشیروں نے رائے دی کہ اس شاہزادے سے مطمئن نہ رہنا

چاہیے - اسے یا تو قتل کرنا چاہیے - یا اس کی آنکھیں نکلوا ڈالی جائیں - مگر احمد شاہ نے اس صلاح کو نہ مانا - بلکہ بھتیجے کو پانصدی عزت سے سرفراز کیا - اس کے ساتھ دریاے تنگ بھدرا کے کنارے قلعۂ فیروز آباد اسے بطور جاگیر عطا کیا - اور کہا اس خوش سواد قلعے میں جس کی فضا میں دریاے تنگ بھدرا نے جان ڈالدی ہے بیٹھ کے تم عیش کرو - اپنی محبوبہ کے حسن سے لطف اٹھاؤ - قلعے کے برجوں سے عالم کی بہار دیکھو - سیر و شکار کا شوق ہو تو کرو اگر دو فرسخ تک جا کے لطف شکار اٹھا سکتے ہو - اور اس سے زیادہ دور جانے کو جی چاہے تو مجھ سے اجازت لے لینا۔
حسن خان بھی دل سے یہی چاہتا تھا - اس خلوت کدۂ عیش میں بیٹھا تو پھر مر کے وہاں سے نکلا - اور ہمیں نہیں معلوم کہ اسکے بعد اس کا اور اسکی مہ جبین محبوبہ پرتھال کا کیا حال ہوا۔

ڈیڈون (ملکۂ سور)

ہم میں بہت کم لوگ ہیں جنھوں نے "سریانی" زبان کا نام نہ سنا ہو - مگر یہ کوئی نہیں جانتا کہ یہ زبان کہاں کی اور کس قوم کی تھی - ارض شام کے ساحلی شہروں میں "طائر" نام ایک شہر ہے جو اگلے دنوں "سور" کے نام سے مشہور تھا - یہاں قدیم الایام میں ایک قوم آباد تھی جو "فینیقی" لوگ کہلاتے تھے - انھیں لوگوں کا دار السلطنت یہ قدیم شہر سور تھا - یہ لوگ بنی اسرائیل کے رقیب اور ان سے پیشتر سے یہاں آباد تھے - دنیا میں سب سے پہلے اسی قوم نے تجارت کے ذریعے سے زبردست سلطنت پیدا کی - اور جہاز رانی میں کمال حاصل کیا - اسی قوم اور اسی شہر سور کی قدیم زبان سریانی تھی اور یہیں کی ملکہ ڈیڈون تھی جس کا زمانہ حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے ۱۴۹۴ برس پیشتر تھا۔
ڈیڈون سور یعنی علاقۂ سوریا کے بادشاہ بقلوس کی بیٹی اور مقام ہرقلیس کے دولتمند کاہن ستیہ کی جورو تھی - حسن و جمال میں ملکوں ملکوں اس کا شہرہ تھا - اور مروت و اخلاق میں اپنی ساری قوم کی سرتاج تھی - ڈیڈون کے بھائی بگالیون نے جاہ و دولت کی ہوس میں اس کے شوہر کو مار ڈالا - شوہر کے ماتم میں سوگوار تھی کہ خواب میں

دیکھا آنجہانی شوہر آ کے کہہ رہا ہے "تم صُور چھوڑ کے کہیں اور چلی جاؤ" محبت والی جورو کے لیے اتنا اشارہ کافی تھا۔ پہلے پوشیدہ پوشیدہ اپنا تمام قیمتی مال و اسباب اور اپنی ساری دولت کرنا نام ایک مقام میں پہونچادی جو صُور اور صیداء کے درمیان واقع تھا۔ پھر اپنے دوستوں اور طرفداروں کو لے کے جہاز پر سوار ہوئی۔ لنگر اُٹھا دیا۔ اور شمالی فینیقیہ کا رخ کیا۔

اثنائے سفر میں جزیرۂ صقلیہ پر گذر ہوا۔ وہاں ایک عید کا دن تھا۔ ساحل پر میلا لگا تھا۔ اور شہر کی حسین و نازنین لڑکیاں کھیل کود رہی تھیں کرنا کہاں مردوں نے پری جمالوں کے جھرمٹ پر نرغہ کر دیا۔ اور جسے جو لڑکی پسند آئی اسکو بے تکلف پکڑ لے گیا۔ یہ تماشا دیکھ کے ویدون نے یہاں سے بھی کوچ کیا۔ اور آگے کی راہ لی۔

اب اُس کے جہاز جزیرۂ صقلیہ کے محاذی ساحل زوجیتان میں پہونچے جو ان دنوں افریقہ کا ایک ساحلی علاقہ تھا۔ وہاں کا فرمان روا ایاریاس نام ایک بیدار مغز بادشاہ تھا۔ ویدون نے اُس کی قلمرو میں لنگر انداز ہو کے اُس سے ایک قلعہ تعمیر کرنے کی اجازت مانگی۔ ایاریاس نے باج گذار رہنے کا وعدہ لے کے اجازت دیدی۔ اور ویدون نے بصرہ نام ایک قلعہ تعمیر کیا۔ سُریانی قلعہ کو بصرہ کہتے تھے مگر یونانیوں نے چند روز بعد بصرہ کو اُلٹ کے برسہ بنا دیا۔ جسکے معنی اُن کی زبان میں بیل کے چمڑے کے ہیں۔

چند روز بعد ویدون نے ساحل موریطانیہ (مراکو) پر وہاں کے بادشاہ سے ایک قطعۂ زمین مول لے کے اُس پر مشہور تاریخی شہر قرطاجنہ آباد کیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ویدون قرطاجنہ (کارتھیج) ہی نہیں کارتھیج کی زبردست سلطنت کی بھی بانی ہوئی۔

اسی زمانے میں شاہ ایاریاس اُس کا عاشق شیدا ہو گیا۔ بہ رضا و رغبت یا بہ جبر و اکراہ اُس سے شادی کرنے پر آمادہ ہوا۔ اور بار بار پیام دینے لگا۔ اس شاہی پیام کی وجہ سے ویدون عجب مشکل میں پڑگئی۔ ایک طرف تو اُس نے اپنے آنجہانی شوہر سے قسم کھا کے وعدہ کیا تھا کہ تمھارے بعد میں کسی اور کی نہ ہوں گی۔

دوسری طرف بادشاہ وقت پیچھے پڑا ہوا تھا کہ جس طرح ہوسکے میری ملکہ ہو۔ جب اس تحریک میں اصرار ہوا تو اُس نے مجبوراً نکاح کا وعدہ کرلیا۔ مگر تقریب شادی کا سامان کرنے کے لیے تین مہینے کی مہلت مانگی۔ شاہ یاریاس نے یہ مہلت منظور کی۔ اور دیدون بتہ لگانے اور شادی کا سامان کرنے لگی۔ یہاں تک کہ تین مہینے گذر گئے۔ رعایا کو دھوم کے جلسے دیکھنے اور بادشاہ کو وصال محبوبہ سے شادکام ہونے کا وقت آیا تو مدت موعودہ کے آخری دن دیدون ایک بلند پہاڑی پر چڑھ گئی۔ وہ اُس کی چوٹی پر کھڑی ہو کے اپنے کلیجے میں خنجر بھونک لیا۔ اور شہر قرطاجنہ کے ساتھ عورتوں کی وفاداری کا ایک بے نظیر نمونہ اپنی یادگار چھوڑ گئی۔

دیدون کے حالات بتا رہے ہیں کہ وہ کوئی معمولی عورت نہ تھی۔ وہی تھی جس نے سواحل شام سے جا کے شمالی افریقہ میں وہ زبردست سلطنت قائم کی جو مدت دراز تک رومی عظمت و جبروت کی حریف مقابل رہی۔ ہنی بال کے کارنامے اصل پوچھیے تو اسی دیدون کے حسن و جمال اور زلف گرہ گیر کے آخری نمونے تھے دنیا کو اُس مکاری کے تمدن سے بچانا چاہتے تھے جو رومیوں کی ترقی سے پیدا ہوا۔ اور جس نے کامیاب ہو کے ساری دنیا کے اخلاق کو خراب اور غارت کر ڈالا۔

ارشدامیہ

(یونان کی ایک بہادر خاتون)

حضرت سرور کائنات علیہ السلام سے ساڑھے آٹھ سو برس پیشتر یونان کا آخری اور زوال پذیری کا زمانہ تھا۔ اُن دنوں رومی جزیرہ نمائے اٹالیہ میں اپنی قوت بڑھا رہے تھے۔ اور یونان کی تہذیب و شجاعت کی تاریخ ختم ہو چکی تھی۔ اُسی زمانے میں ایپایرس میں پیرہوس نام ایک عیش طلب فرمان روا تھا جس کا عہد سلطنت ۸۶۶ سنہ قبل محمد سے شروع ہوا۔ وہ محض اس لیے کہ اُسکے آبا و اجداد سکندر اعظم کی ماں کے ہم نسب تھے۔ چاہتا تھا کہ اپنے آپ کو دوسرا سکندر ثابت کرے۔ مگر حوصلہ ہی حوصلہ تھا۔ سکندر کا سا استقلال اور اُس کی سی دانائی و فراست

کہان سے لاتا؟ ممالک غیر پر حملہ کرنا درکنار یونان کے قدیم نامی شہرون پر بھی قبضہ نہ پا سکا۔

یونان اِس زمانے میں مٹ چکا تھا۔ نہ ایتھنز میں وہ اگلا علم وفضل تھا اور نہ اسپارٹا میں وہ اگلی شجاعت۔ مگر اسپارٹا پر حملہ کیا تو وہاں کے لوگ اپنی گذشتہ عظمت کو یاد کر کر کے فرشتے اور ہمت کے ساتھ ہتیار بند ہوگئے اور انھون نے قطعی ارادہ کر لیا کہ اپنی تمام عورتون کو محفوظ رکھنے اور حریت کی دست برد سے بچانے کے لیے جزیرہ اقریطش (کریٹ) مین بھیجدین اور خود وطن کی حمایت مین جان پر کھیل جائین۔

اسی نازک زمانے مین یہ مذکورہ یونانی خاتون اسپارٹا مین تھی وہ اپنے شہر کی اُن گذشتہ ناموریون سے واقف تھی جو لوح زمانہ پر ثبت تھین۔ اسپارٹا کی سینٹ یعنی مجلس حکمرانی نے بیٹھے بیٹھے فیصلہ کیا کہ ساری عورتین حفاظت کے لیے کریٹ مین بھیجدی جائین۔ ارشدامیہ کو طیش آگیا۔ جوش کے ساتھ ایک تلوار اُٹھالی۔ اُسے کھینچے ہوے قصر حکومت مین گھس پڑی۔ اور ارکان مجلس سے جوش وخروش کے لہجے مین کہا "اسپارٹا کی عورتین اپنے ملک کی تباہی کے بعد زندہ نہین رہنا چاہتین۔ بلکہ وہ بھی مردون کی طرح وطن کی حمایت مین لڑین گی۔ اور کامیاب نہ ہوئین تو لڑ کے مر جائین گی۔"

اُس کی ہیئت کذائی۔ اُس کے جوش وخروش۔ اُس کی شعلہ بار آنکھون۔ اُسکے تمتماتے ہوے سرخ گالون کو دیکھ کے تمام ارکان مجلس سناٹے مین آگئے۔ دیر تک خاموشی رہی۔ پھر ارکان حکومت نے اُس کو اِس ارادے سے روکنا چاہا اور سمجھایا۔ مگر جو جو سمجھاتے ارشدامیہ کا جوش بڑھتا جاتا۔ اور آخر نظر آیا کہ اُس کا جوش شجاعت ایک برقی لہر کی طرح اسپارٹا کی تمام عورتون مین دوڑ گیا ہے۔ اور سب اُس کی ہم خیال وہم آہنگ ہین۔ اب کیونکر ممکن تھا کہ ایسی فدائے وطن عورت اور اُس کی جان باز ساتھ والیان ایسے نازک وقت پر اپنی مرضی کے خلاف اپنے محبوب وطن سے جدا کی جائین؟ چنانچہ وہی سینٹ جس نے ابھی ابھی یہ قانون پاس کیا تھا کہ عورتین کریٹ مین بھیجی جائین اُسی نے اپنی اس تجویز کو منسوخ کیا۔ اور کہا گیا کہ "عورتین چاہتی ہین تو اُنھین لڑنے دو۔"

اس حکم کو منسوخ کرانے کے بعد ارشدامیہ نے اسپارٹا کی بہادر و جانباز اور سرفروش و سرکٹ عورتوں کو جمع کر کے ان کا ایک لشکر مرتب کیا۔ انھیں دو ہی چار روز میں لڑنے کے قابل بنا لیا۔ اور جب پیرہوس کا لشکر اسپارٹا پر آیا ہے۔ اور اسپارٹا چاروں طرف سے محصور ہو گیا ہے تو وہاں کے دلیر و شجاع مردوں کے دوش بدوش یہ عورتیں بھی جوہر شجاعت دکھا رہی تھیں۔ یا تو اس زبردست حملہ آور کی دہشت سے اسپارٹا والوں کا یہ حال تھا کہ عورتوں اور بچوں کو ایک دوسرے جزیرے میں بھیجے دیتے تھے اور یا عورتوں کی مدد سے انھوں نے دشمنوں کو متواتر شکستیں دیں۔ اور اس قدر پریشان کیا کہ آخر پیرہوس عاجز آ کے ناکام و نامراد واپس گیا۔ اور اہل شہر کو تسلیم کر لینا پڑا کہ اس موقع پر حمایت وطن کا نہایت ہی اعلیٰ جوہر ارشدامیہ اور اُس کی زنانی فوج سے ظاہر ہوا۔

اسپارٹا سے نامراد واپس جانے کے بعد ۲۷۲ قبل محمد میں پیرہوس نے یونان کے شہر ارگوس پر حملہ کیا۔ اس مہم میں وہ نہایت ہی شجاعت سے حملہ کر کے شہر کے اندر گھس پڑا۔ اور سڑکوں پر لڑائی ہو رہی تھی کہ ایک مقام پر پیرہوس کو دلیری سے شمشیر زنی کرتے دیکھ کے ایک عورت نے کوٹھے پر سے ایک بڑا سا کھپرا اُسکو کھینچ مارا۔ جس نے آہن پوش پیرہوس کے ساتھ وہی کام کیا جو حضرت داؤدؑ کی گوپھن کے پتھر نے زبردست فلسطینی پہلوان جالوت کے ساتھ کیا تھا۔ یہ کھپرا پڑتے ہی پیرہوس گرا اور وہیں ڈھیر ہو گیا۔

غالباً یہ کھپرا بھی اُسی برقی لہر کا ایک کرشمہ تھا جو ارشدامیہ کی تحریک سے تمام یونانی عورتوں کے دلوں میں دوڑ گئی تھی۔ خلاصہ یہ کہ عورتوں ہی کی مستعدی نے پیرہوس کے حملے کو ناکام و مسترد کیا۔ اور آخر انھیں کے ہاتھ سے وہ مارا گیا۔

مہ جبین رُوم لُقریطیہ

لُقریطیہ رومۃ الکبرےٰ کے عہد قدیم کی ایک نامور حسینہ و عفیفہ تھی۔ حاکم روم لقریطیوس کی بیٹی اور قلاطینوس نامی ایک رومی سردار کی بیاہی تھی۔ اُن دنوں روم پر ایک بیرونی قوم وتسل کے بادشاہ طارکوئین کا قبضہ تھا جس نے رومیوں کو اپنا

غلام بنا کے نہایت ہی ذلیل و خوار کر رکھا تھا۔ مگر لقریطیہ کے شوہر قلاطینوس سے شاہ
طارکوئن سے قرابت تھی جس کے باعث دونوں میاں بیوی نہایت معزز سمجھے
جاتے۔ اور شاہزادوں اور شاہزادیوں کے ہم مرتبہ تھے۔

اتفاقاً طارکوئن کے حکم سے قلعۂ آردیہ کا محاصرہ کیا گیا جو روم سے ایک
منزل سے زیادہ مسافت پر تھا۔ وہاں طارکوئن کے تین بیٹے اور لقریطیہ کا
جوان سال شوہر قلاطینوس محاصرہ کیے پڑے تھے کہ ایک رات کو کھانے پر چاروں
میں اپنی اپنی بیویوں کی دانائی و قابلیت پر بحث ہوئی۔ ہر ایک اپنی بیوی کی
خوبیاں بڑھا بڑھا کے بتاتا۔ اور اسے سب کی بیبیوں پر ترجیح دیتا۔ آخر یہ طے
قرار پائی کہ ابھی اسی وقت چاروں گھوڑوں پر سوار ہو کے روم میں جائیں اور
دیکھیں کہ ان کی بیویاں اپنے گھروں میں کیا کر رہی ہیں۔ وہ کن کاموں میں مشغول ہیں؟

دوسرے دن چاروں روم میں پہنچے۔ اور چاروں نوجوان تو بہت سے
ملے۔ شاہ طارکوئن کی تینوں بہوئیں تو اپنی سہیلیوں کے ساتھ کھیلنے اور لہو و لعب
میں مصروف تھیں مگر لقریطیہ کو دیکھا کہ اپنی ہم سن سہیلیوں کے ساتھ بیٹھی ایک
سادگی و نازنینی کی ادا سے سوت کات رہی ہے۔ اس امتحان کے نتیجے میں سب
کو تسلیم کرنا پڑا کہ چاروں عورتوں میں اچھی اور قابل قدر لقریطیہ ہے۔ اور
اُس کی خوبی کا اعتراف کر کے چاروں نوجوان پھر قلعۂ آردیہ کے گرد اپنے پڑاؤ
میں چلے گئے۔

لیکن اس زندگی کے مناظرے اور جوروؤں کے مقابلے میں ایک نیا فتنہ
اُٹھ کھڑا ہوا۔ وہ یہ کہ جھگڑے کے فیصلے کے لیے چاروں نوجوانوں نے ایک دوسرے
کی جوروؤں کو دیکھا تو طارکوئن کا بڑا بیٹا سکستوس جو ایک ضدی نفس پرست
اور خواہشات نفسانی کا بندہ تھا۔ لقریطیہ کا جمال جہاں آرا دیکھتے ہی ایک جان
چھوڑ ہزار جان سے اسیر فریفتہ ہو گیا۔ اور دل میں ٹھان لی کہ چاہے آبرو جائے
یا رہے۔ بدنامی ہو یا نیکنامی۔ اور اصول اخلاق کے موافق ہو یا مخالف۔ میں
اس بے نظیر پریوش کے حسن کا مزہ ضرور لوٹوں گا۔

چنانچہ وہ چار روز بعد ایک رات چپکے سے محاصرے کے پڑاؤ

سے رومہ مین آیا۔ اور سیدھا لقریطیہ کے پاس جاکے اُس کا مہمان ہوا۔ لقریطیہ شہزادہ سمجھ کے اُس سے بڑے تپاک سے ملی۔ نہایت ہی خاطر و تواضع سے پیش آئی اور اُس کے ٹھہرانے کے لیے بہت تکلف کا سامان کیا۔ رات کو کھانا اُسکے ساتھ کھایا۔ اور جب سونے کا وقت آیا تو اُسے اُس کمرے مین پہونچا کے جو اُس کے لیے آراستہ کیا گیا تھا اپنی خوابگاہ کے کمرے مین گئی۔

جب آدھی رات سے زیادہ گذر گئی اور سکسطوس کو یقین ہوا کہ سب گھر والے سو گئے ہین شمشیر برہنہ ہاتھ مین لیے ہوے اپنے کمرے سے نکلا۔ اور دبے پاؤن جاکے لقریطیہ کے کمرے مین گھس پڑا۔ آہستہ سے اُسے جگایا۔ اور اظہار عشق و فریفتگی کرکے اُسے بہلانے پھسلانے لگا۔ مگر صاحب عفت لقریطیہ نے صاف انکار کیا۔ اور پہلے تہذیب و ادب سے پھر ناراضی و ناگواری سے اُسے سمجھانے لگی کہ اُس ارادے سے باز آ۔ مگر ضدی سکسطوس پر کیا اثر ہو سکتا تھا؟ جب لقریطیہ کو یون راضی نہ پایا تو ڈرانے دھمکانے لگا۔ مگر دھمکی بھی کارگر نہ ہوئی۔ ادھر سے جس قدر اصرار ہوتا تھا اُسی قدر اُدھر سے ضد اور نفرت بڑھتی جاتی تھی۔ آخر سکسطوس نے طیش کے لہجے مین کہا "تم نے میرا کہنا نہ مانا تو تمھین اسی وقت مار ڈالون گا۔" لقریطیہ نے غیر معمولی استقلال سے اس کا یہ جواب دیا کہ "مار ڈالو۔ مین جان دونگی مگر آبرو نہ دون گی۔" سکسطوس اب اور برافروختہ ہوا اور بولا "اچھا مین تمھاری جان بھی لون گا اور آبرو بھی۔ پہلے تم کو قتل کرون گا۔ پھر تمھارے حبشی غلام کو جو دوسرے کمرے مین موجود ہے مار دون گا۔ اور اُس کی لاش کو تمھاری لاش کے برابر لٹا کے غل مچا دون گا کہ مین نے تم کو اپنے سیہ فام غلام کے ساتھ ہم آغوش دیکھا۔ اور مارے غیرت کے دونون کو مار ڈالا۔ انجام یہ ہوگا کہ میری سب مین تعریف ہوگی۔ اور تم پر سارے شہر مین تھڑی تھڑی ہوگی۔ مین اپنے شوق اور اپنی آرزو مین نامراد البتہ رہون گا۔ مگر تمھارے اس خوبصورت چہرے مین بھی قیامت تک کے لیے بے عصمتی و رسوائی کی کالک لگا دون گا۔"

یہ اس بلا کی دھمکی تھی کہ لقریطیہ کانپ گئی۔ چنانچہ اس موقع پر اُس کی اخلاقی شجاعت نے کمزوری دکھائی۔ اور اُس کے پائے استقلال کو لغزش

ہو گئی - ہاتھ پاؤن ڈال دئے - اور مجبور ہو کے بداخلاق دشمن عصمت کو اپنی خواہش پوری کرنے کا موقع دیدیا - غرض سکسٹوس اپنی ضد پوری کر کے اپنے کمرے مین گیا - اور صبح ہوتے ہی خوش خوش اپنی کامیابی پر ناز کرتا ہوا کیمپ مین واپس گیا -

اُسی صبح کو لقریطیہ نے آدمی بھیج کے اپنے سُسرے اور شوہر کو بلا بھیجا - اور جیسے ہی آئے اُن کے سامنے رات کی سرگذشت بلا کم و کاست بیان کردی دونون کو بیحد صدمہ ہوا - سکسٹوس سے انتقام لینے کا وعدہ کیا اور اُس کے شکستہ دل کو تسلی دینے لگے - مگر دیکھا تو اُس کی وحشت کسی طرح کم ہونے کو نہین آتی - آخر کمال یاس کے لہجے مین بولی "تم بے شک انتقام لے لوگے - مگر تمھارے انتقام لینے سے مجھے اپنی کھوئی ہوئی آبرو نہین مل سکتی" یہ کہتے ہی جوش کے ساتھ خنجر کھینچ لیا - جسے پہلو مین چھپائے ہوے تھی - اور ایک ہی ہاتھ مین سینہ اور دل چاک کر کے گری اور تڑپ کے مر گئی -

اس واقعے نے لقریطیہ کے شوہر اور سسرے کو ایسا جوش دلایا کہ اُسی وقت انتقام لینے کو اُٹھ کھڑے ہوے - تمام رومی رعایا نے اُن کا ساتھ دیا - اور طارکوئین کے لیے یہ ایسا بدنام کرنے والا واقعہ تھا کہ خود اُس کا سگا بھتیجا بروٹس بھی لقریطیہ کے خون کا انتقام لینے والون مین آ کے شریک ہو گیا - آخر شاہ طارکوئین کے خلاف لوگون مین ایسا جوش و خروش پیدا ہوا کہ اُس سے اور اُسکے تمام خاندان والون سے سوا بھاگ کھڑے ہونے کے کوئی تدبیر نہ بن پڑی - اُس کے جاتے ہی رومیون مین جمہوری سلطنت قائم ہو گئی - اور وہ بادشاہون کی غلامی کرنے سے آزاد ہو گئے - جو دراصل اُسی لقریطیہ کی عصمت و شرافت کی برکت تھی -

سنہ ۵۰۸ قبل محمدؐ مین لقریطیہ نے جان دیدی تھی اور سنہ ۵۰۳ قبل محمدؐ مین خاندان طارکوئین کا کہین پتہ نہ تھا - اور رومی قوم جمہوریت کے آغوش مین پرورش پا رہی تھی -

نینون لانکلون

یعنی انکلون والی "نینون" یہ ایک عجیب مذاق اور عجیب و غریب قابلیت کی

نامور فرانسیسی خاتون تھی - جو آج سے تین سو برس پیشتر ۱۶۱۶ء میں خاص دارالسلطنۃ فرانس پیرس میں پیدا ہوئی تھی - بچپن ہی میں ایسی حسینہ و جمیلہ اور پر جمال حور تمثال تھی کہ دیکھنے والے عش عش کر جاتے - اسکے ساتھ ایسی شوخ چلبلی اور عشوہ ساز تھی کہ جو دیکھتا بیساختہ زبان سے نکل جاتا کہ اب تو فتنہ ہے کوئی دن میں قیامت ہوگی -

ماں چاہتی تھی کہ کسی خانقاہ رہبان کی تعلیم گاہ میں داخل کرکے اُسے مذہبی زندگی کی تعلیم دلائے - مگر باپ عیاش طبع رنگین مزاج اور دنیا کا دلدادہ اس کے خلاف تھا - بیٹی کے لیے ثقاہت کی زاہدانہ زندگی نہ پسند کی اور اس کی تعلیم کے لیے دوسرے ذرائع اختیار کیے - لیکن پندرہ ہی سال کی تھی کہ سر سے ماں باپ دونوں کا سایہ اُٹھ گیا - اور اپنی دنیوی زندگی کے لیے اُسے بغیر کسی رہبر کے خود ہی اپنا راستہ نکالنا پڑا -

بلوغ کے بعد ہی اُس کا حسن و جمال یک بیک ایسا نکھر آیا اور اُسکے ناز و انداز میں ایسی دلربائیاں پیدا ہوگئیں کہ اُس کی چشم فتان کا تیر جس پر پڑ جاتا کلیجے کے پار ہوتا - یک بیک سارے فرانس میں اُسکی کا فریادائی کا چرچا ہونے لگا اور فرانس کے وضعدار اور شوقین امیر زادے اس خدا داد حسن کی پرستاری کو تیار ہوگئے - اعلیٰ ترین رتبے اور دولت کے کئی امیروں نے اُس پر اپنے شوق کی کمندیں پھیلانا شروع کیں - اور جو تھا چاہتا تھا کہ اُسے اپنا بنالے - مگر نینون (نو عمری ہی سے ایسی انجام بین اور زمانہ شناس تھی کہ کسی کی نہ ہوئی - بڑے بڑے دولتمندوں نے لاکھ سر مارا - اظہار عشق کیا مگر وہ کسی کے ہاتھ نہ آئی - دراصل خود پسندی و خود پرستی نے اُسکے دل میں یہ بات ڈال دی تھی کہ میں کسی کی جورو بن کے اُس کی تابع فرمان اور محکوم نہ ہونگی -

لیکن کمال یہ تھا کہ اس خودداری و بے پروائی کے ساتھ اُس میں خشک مزاجی رکھاوٹ یا زاہدانہ بے تعلقی کہیں نام کو نہ تھی - کوئی شوق سے ملتا تو اُس سے زیادہ شوق سے وہ اُس سے ملتی - پیاری باتوں - شوخی کی حرکتوں اور طرح طرح کی اداؤں سے اُس کی دلربائی کرتی - لیکن جہاں کوئی اس حد سے آگے قدم بڑھانے

کا ارادہ کرتا تو کوئی ایسی حرکت کرتی کہ وہ اپنا سا منہ لے کے رہ جاتا - اور سمجھ جاتا کہ "پھول اگرچہ حسن و خوبی میں لاجواب ہے مگر اُس تک میرا ہاتھ نہیں پہونچ سکتا -

ان قدرتی و مزاجی محاسن کے ساتھ وہ اعلیٰ درجے کا علمی و ادبی کمال رکھتی تھی - اُس میں غیر معمولی ذکاوت و فراست تھی - اور اُس نے اعلیٰ درجے کی طبع رسا پائی تھی - بذلہ سنج تھی اور سخن فہم - جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اُس دور کے نامور شعرا فرانس موکیر اور کوسٹل اُس کی دوستی کا دم بھرتے اور روز اُسکے دروازے پر پڑے رہتے تھے - اسی قدر نہیں اُس عہد کے بہت سے صاحب کمال انشا پرداز و شاعر اپنے کلام میں اُس سے اصلاح لیتے تھے - اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اُسکے ادبی و علمی کمال نے اُس کے حسن اور اُسکے جمال میں کیسا چلتا ہوا جادو پیدا کر دیا ہوگا -

اس علمی ذوق کے ساتھ اُسے خود آرائی کا بھی بید شوق تھا - بغیر سنورے اور خوب نکھار کیے گھر سے باہر قدم نہ نکالتی - لباس کی تراش خراش اور سجاوٹ میں اور حسن کی آرائش و زیبائش میں اس قدر اہتمام کرتی کہ اُس کے زمانے میں لوگ اُس کا ایک جلوہ دیکھتے ہی دیوانے ہو جاتے - اور آج تک فرانس میں بہت سے اُبٹنے اور پوڈر اُسی کے نام سے مشہور کیے جاتے ہیں - کہا جاتا ہے کہ اپنے خود آرائی کے کمال سے اُس نے عہد شباب کے گزر جانے کے بعد بھی مدت تک اپنے آپ کو جوان و پری تمثال بنائے رکھا -

لیکن باوجود ان تمام لگاوٹوں - ناز آفرینیوں - اور خود آرائیوں کے اُس نے اپنے دامن عصمت میں کبھی دھبہ نہ لگنے دیا - چنانچہ اُس کے حالات بیان کرنیوالے دعوے کے ساتھ کہتے ہیں کہ "اُس کا مذاق تو اپی کورس کا تھا مگر زندگی لانس کی تھی -" جس کا مطلب ہماری زبان میں یہ ہوا کہ "مذاق شہوت پرستی کا تھا اور زندگی خدا پرستی کی تھی"-

اُس نے اپنے عہد شباب میں ہمیشہ عشق بازی کا کھیل کھیلا مگر اُس عشقبازی میں نہ کوئی غرض تھی اور نہ کوئی شخص اُس کا مقصود و مطلوب تھا - اسکے ساتھ یہ بھی تھا کہ اُس کی پاک و بے غرض محبت و الفت کو فقط ہم مذاقی و لطف صحبت سے تعلق تھا

حصولِ دولت کے لیے اُس نے کبھی کسی کی طرف رُخ نہین کیا۔

بناؤ چناؤ اور خود آرائی کرتی مگر اس بناؤ مین کچھ ایسی شریفانہ سادگی اور پاکدامنی کی ادا ہوتی کہ فرانس کی پاکدامن عفیفہ عورتین جو باہر کی ملنے جلنے والیون سے حتی الامکان گریز کرتی تھین اُس کی دیوانی ہو رہی تھین۔ اور اُس سے میل ملاپ پیدا کرنے کو اپنا فخر سمجھتین۔

ذی علم لوگ اور ادیبانِ زمانہ اُس کی بڑی عزت کرتے تھے۔ اور اپنے کلام مین جب تک اُس سے اصلاح نہ لے لیتے ہرگز شایع نہ کرتے۔ خود اس کے تصانیف بہت کم شایع ہوے۔ اور جو اُس کی جانب منسوب ہین اُسکے نہین۔ اُسنے عمر بہت زیادہ پائی۔ اور ۱۷۰۵ء مین نوّے برس کی ہو کے مری۔

ہائی پے شیا

تاریخ مین عیسائیون اور یہودیون کے تعصب اور مذہبی عداوت کے بیشمار نمونے موجود ہین لیکن عیسائیون سے جیسی بے رحمی اس حسین اور صاحب جمال خاتون ہائی پے شیا کے معاملے مین ظاہر ہوئی شاید اور کبھی نہ ہوئی ہوگی۔ اور اُسی کی حسرت آلود داستان آج ہم اپنے ناظرین کو سُنانا چاہتے ہین۔

تھیوڈوسیوس قیصر کے زمانہ مین یہ مشہور یہودیہ عورت مقام اسکندریہ مین پیدا ہوئی۔ یہ پریوش نازنین حسن و جمال۔ علم و فضل اور فصاحت و بلاغت مین اعجوبۂ روزگار تھی۔ اس کے باپ کا نام تھیون تھا جو اس زمانے کا مشہور ریاضی دان تھا۔ ہائی پے شیا نے اپنے باپ سے تعلیم پائی اور فقط ریاضی ہی مین نہین بلکہ الٰہیات اور فلسفے مین وہ درجہ حاصل کیا کہ بہت سی کتابین لکھین اور اتھینیا و اسکندریہ مین فلسفے کا درس دینے لگی۔

اس زمانے مین اُس کے وطن اسکندریہ کا حاکم ایک نہایت بد باطن اور متعصب شخص سائرل تھا۔ مذہبی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اُس نے رہبانیت اختیار کر لی تھی۔ آبادی چھوڑ کے جنگلون اور غارون مین رہنے لگا۔ لیکن اُسکی نظرین دنیا ہی کی جانب لگی ہوئی تھین۔ اُس کا چچا تھیوفلوس اسکندریہ کا بڑا پادری تھا۔

اُس نے سائرل کو بلایا اور وہ فوراً اُسکے پاس چلا آیا اور اپنے چچا کی جگہ گرجون مین وعظ کہنے لگا - چونکہ قابل تھا بہت جلد سارے شہر مین مشہور ہوگیا - چند روز بعد تھیوفلوس مرگیا - اب سائرل کے لیے میدان خالی تھا - لیکن بڑی مشکل یہ تھی کہ اسکندریہ کے پادریون مین اختلاف تھا - فوجی سپاہیون اور حکام نے ایک اور پادری کی طرفداری کی - مگر عوام نے سائرل کو ترجیح دی اور ایسے جوش و خروش کے ساتھ کہ نظر آتا اگر اُنکے خلاف کیا گیا تو ہنگامہ کردین گے - لہذا تھیوفلوس کی جگہ سائرل کا انتخاب ہوگیا -

اب سائرل کو اپنے دل کے حوصلے نکالنے کا موقع ملا - سلطنت کمزور ہو رہی تھی - اسکندریہ دارالسلطنت سے بہت دور واقع ہوا تھا - چند روز مین سائرل نے دیوانی اور فوجداری اختیارات حاصل کرلیے - اور سارے شہر کا انتظام اب اُسی کے اختیار مین تھا - عوام بالکل اُسکے ماتحت مین تھے - جب چاہتا اُنھین جوش دلا دیتا اور جب چاہتا اُن کے غصے کو فرو کردیتا - سب لوگ اُسکے احکام پر آنکھین بند کرکے عمل کرتے -

اسکندریہ مین یہودی بھی تھے جنھین خود اسکندر نے لاکے وہان آباد کیا تھا - قیصرون نے اُنکے حقوق تسلیم کرلیے تھے اور اب تک وہ امن کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے تھے - اس وقت اس شہر مین اُنکی تعداد چالیس ہزار سے زیادہ تھی - اسی زمانے مین ہائی پے شیا کی شہرت ہوئی - اُس نے علم و فضل مین وہ درجہ حاصل کرلیا تھا کہ اپنے اخلاق اور فصاحت بیانی کی بدولت عوام ہی کو نہین بلکہ بڑے بڑے علما اور فضلا کو مسخر کرلیتی - اسکندریہ مین روزانہ لوگون کا ہجوم رہتا جو اُسے دیکھنے اور اُس سے ملنے کے لیے یونان اور ایشیا کے مختلف صوبجات سے آیا کرتے - ہم بیان کرچکے ہین کہ سائرل بڑا بدباطن اور مغرور شخص تھا - ہائی پے شیا کے دروازے پر شاگردون - غلامون - نوکرون اور گھوڑون کا ہجوم دیکھ کے اُسے اُس کی شہرت اور ہردلعزیزی پر حسد معلوم ہوا - چند روز دل ہی دل مین سوچتا رہا کہ کس طرح اس ماہوش نازنین کو اپنے شکنجے مین لاؤن؟ آخرکار اس کی کوئی صورت اُس کے خیال مین نہ آئی - وہ عیسائی تھا - اور پھر

پادری - جو شادی بھی نہیں کر سکتا - ہائی پے شیا ایک اسرائیلیہ عورت تھی - رفتہ رفتہ اُسکے عشق نے عداوت و دشمنی کی صورت اختیار کرلی - اور اس نے دل میں ٹھان لیا کہ جس سے میں نہ فائدہ اٹھا سکوں اُس سے کوئی اور بھی نہ فائدہ اٹھانے - یہ خیال کرتے ہی وہ عام طور پر یہودیوں کا دشمن ہوگیا اور اُن پر طرح طرح کے مظالم کرنے لگا - اب اُس نے ارادہ کیا کہ سارے یہودیوں کو اسکندریہ سے نکال دے - اور اسکے لیے عجیب و غریب بہانے ڈھونڈھتا - ایک دن کھیلوں اور تماشوں میں عیسائیوں اور یہودیوں کے درمیان کچھ اختلاف پیدا ہوا - اور اس قدر بڑھا کہ سارے شہر میں ہنگامہ ہوگیا - اب سائرل کو اپنا بغض نکالنے کا کافی موقع مل گیا - کیونکہ یہودی باغی قرار دیے گئے -

عیسائیوں میں بھی اس زمانے میں سخت اختلاف تھا - اور مذہبی تعصب اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ ایک جماعت دوسرے کے خون کی پیاسی ہو رہی تھی - اتفاقاً اس زمانے میں، سکندریہ کا حاکم جو قیصر تھیوڈوسیوس کی جانب سے مقرر ہوا تھا سائرل کا ہمخیال نہ تھا - بلکہ اُسکے عقائد اُس کے خلاف واقع ہوے تھے - ہائی پے شیا کے علم و فضل کا حال وہ پہلے ہی سُن چکا تھا - یہاں آتے ہی اُس سے ملا - اور دونوں میں باوجود مذہبی اختلاف کے بہت گہری دوستی قائم ہوگئی -

سائرل کے غصے کی کوئی انتہا نہ تھی - یہی کیا کم تھا کہ اُس کے اختیارات میں مداخلت کی گئی - وہ ایک غیر شخص شہر کا حاکم بنا کے بھیجدیا گیا - پھر جب اُس نے دیکھا کہ یہ شخص میرے خلاف ہائی پے شیا کا دوست ہے تو اُس سے نہ رہا گیا - اور طرح طرح کے بہانے ڈھونڈھنے لگا -

حاکم شہر نے ایک شخص کو جو سائرل کا طرفدار تھا پکڑ لیا اور اُسے تکلیفیں دی گئیں تاکہ اس ہنگامے کا حال بتادے جو یہودیوں اور عیسائیوں میں ہوا تھا سائرل کے لیے یہ بہانہ کافی تھا - اُس نے عوام کو جوش دلایا اور یہودیوں کے سنگاگ (عبادت گاہوں) پر حملہ کر دیا - یہودیوں کے پاس نہ اسلحہ تھے اور نہ وہ اس حملے کے لیے تیار تھے - انکے عبادت خانے منہدم ہوگئے - مکان لوٹ لیے گئے اور پادری صاحب نے حکم دیدیا کہ یہودی شہر سے نکال دیے جائیں -

شہر کا عامل ہائی پے شیا کا دوست تھا۔ اُس نے یہودیوں کی طرفداری کی اور قیصر کے دربار میں شکایت کر دی۔ لیکن سلطنت کی کمزوری کا زمانہ تھا۔ ایسے زبردست پادری کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جا سکی۔ اور کوشش کی گئی کہ دونوں میں صلح ہو جائے۔ لیکن ابھی یہ معاملہ طے نہیں ہونے پایا تھا کہ ایکدن عامل کی گاڑی شہر میں سے گذر رہی تھی کہ سائرل کے طرفداروں نے اُس پر حملہ کر دیا۔ عامل کے ہمراہی سپاہی اُسے چھوڑ کے بھاگ گئے۔ لیکن شہر کے وفادار لوگوں نے اُس کا ساتھ دیا اور پادریوں کو مار کے ہٹا دیا۔ اس ہنگامے میں عامل زخمی ہوا اور ایک پادری جو دُور سے کھڑا ہوا اُسکی طرف پتھر پھینک رہا تھا لوگوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوا۔ عوام نے جوش میں آ کے اُسے قتل کر ڈالا اور اُسکی لاش ایک سولی پر لٹکا دی۔ پادری کے طرفدار اپنی یہ توہین نہ دیکھ سکے۔ جا کے اُسے اُتار لائے۔ اور بڑی شان و شوکت سے تجہیز و تکفین کا سامان کرنے لگے۔ خود سائرل نے اُس کی لاش کے پاس کھڑے ہو کے ایک تقریر کی جس میں بتایا کہ "یہ شخص خدا کی راہ میں شہید ہوا ہے"۔

مگر سائرل اب ہائی پے شیا کا سخت دشمن اور اُس کی تباہی کے درپے ہو گیا۔ لوگوں میں مشہور ہوا کہ پادری اور عامل کے درمیان میں جو مخالفت ہے وہ ہائی پے شیا کی وجہ سے ہے۔ لہذا سائرل نے اپنے دل میں ارادہ کر لیا کہ ہائی پے شیا کسی طرح مار ڈالی جائے۔ اور اس کام کے لیے اُس نے گرجے کے ایک واعظ پطرس کو منتخب کیا۔ اور دینی جوش میں وہ اُس کے قتل کرنے پر آمادہ ہو گیا۔

اب ہائی پے شیا کا گھر سے نکلنا مشکل تھا۔ جس وقت وہ کہیں جاتی لوگ اُس پر حملہ کرتے۔ لیکن شہر میں عامل کے طرفدار بھی موجود تھے جو اکثر بچا لیا کرتے۔ ایک روز وہ اپنے مکان سے کہیں گئی تھی۔ پطرس کو اسکی خبر ہو گئی۔ بدمعاشوں کی ایک جماعت کے ساتھ وہ اُس مکان کے دروازے کے پاس کھڑا ہو گیا۔ اور جیسے ہی ہائی پے شیا گاڑی سے اُتر کے مکان کے اندر جانے لگی اُسے پکڑ لیا اور گھسیٹتے ہوئے ایک قریب کے گرجے میں لے گئے۔ سائرل کے حکم سے اُسی گرجے میں

بطرس نے ہائی پے شیا پر طرح طرح کے مظالم کیے اور نہایت بے رحمی کے ساتھ اُسکے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے - پھر اُس کا گوشت ہڈیون سے جدا کیا گیا اور اُسکی پھڑکتی ہوئی بوٹیان آگ مین ڈال دی گئین -

اس طرح ایک گلِ اندام عالمہ و فاضلہ کا اپنے حُسن کی بدولت خاتمہ ہوا -

عُلَیّہ بنت مہدی

یہ آلِ عباس کے خاندانِ خلافت کی ایک صاحب جمال اور بڑی نامور خاتون تھی - خلیفۂ مہدی عباسی کی بیٹی اور دو خلیفون ہادی اور ہارون رشید کی بہن تھی - اُس کے سگے بھائی ابراہیم بن مہدی نے بھی بعہد مامون رشید خلافت کا دعویٰ کیا تھا - بلکہ مامون خراسان مین تھا کہ وہ بغداد مین مسندنشین خلافت ہوگیا - مگر اُس کی واپسی پر سطوت مامونی سے گھبرا کے بھاگا - اِدھر اُدھر چھپتا پھرا - آخر گرفتار ہوکے آیا - اور اُس کا قصور معاف کیا گیا -

عُلَیّہ اور ابراہیم کی ماں مکنونہ نام ایک عربیہ کنیز تھی جو موسیقی مین بڑا کمال رکھتی تھی - اور مروان نام ایک شوقین مغنی کی تیار کی ہوئی لونڈیان جو گانے مین مستند سمجھی جاتی تھین اور "جواری مروانیہ" کہلاتی تھین اُنھین مین اُسکا بھی شمار تھا - مگر اُن سب مین زیادہ حسین و نازنین وہی کہی جاتی تھی - مکنونہ پہلے عبیداللہ بن عباس کے پوتے حسین بن عبداللہ کے پاس تھی - مدینے مین اُن کا قیام تھا - اور وہان کے تمام گھرون مین شہرت تھی کہ مدینے کی کوئی لونڈی مکنونہ کے حُسن وجمال کو نہین پہونچ سکتی - اُسکے بعد وہ ابوجعفر منصور کی زندگی ہی مین اُس سے چھپا کے اُسی کے فرزند مہدی کے لیے ایک لاکھ درہم پر خریدی گئی - مہدی کی صحبتِ عیش مین آتے ہی اُسکے دل و دماغ پر اس قدر حاوی ہوگئی کہ محل کی تمام حرمین اُسکی نظر سے گر گئین - یہان تک کہ اُس کی خاص ملکۂ خیزران جو دو وارثانِ سلطنت ہادی اور رشید کی ماں تھی اکثر کہا کرتی تھی "مکنونہ سے زیادہ میرے حق مین کوئی عورت سخت و ناگوار نہ تھی" جب تک منصور زندہ رہا مہدی نے اُسے باپ کی نظر سے چھپایا - اور اُسے خبر بھی نہ ہونے دی کہ میرے مشکوے معلّے مین ایک ایسی

پر جمال و نادرۂ روزگار مہ جبین ہے۔

عُلیّہ اُس کے بطن سے ۱۶۰ھ میں اور اپنے باپ مہدی کے خاص ایام مسند نشینی خلافت میں پیدا ہوئی۔ ماں کی طرح وہ بھی نہایت ہی خوبصورت و روشن و مہ طلعت تھی۔ اچھی تعلیم کی وجہ سے بڑی صاحب ذوق تھی۔ بہت اچھے شعر کہتی تھی۔ اور شاعری و علمی تعلیم کے علاوہ ماں نے اور اُس کے بھائی ابراہیم نے موسیقی کی نہایت اعلیٰ درجے کی تعلیم دی تھی۔ وہ فن موسیقی میں کمال رکھنے کے علاوہ بڑی بذلہ سنج و سخن سنج تھی۔ خود ہی شعر کہتی اور ان شعروں میں خود ہی اپنی طباعی سے ایسی دُھنیں قائم کرتی کہ جو سنتا سر دُھننے لگتا۔ اُس کی شادی خاندان بنی عباس میں موسیٰ بن عیسیٰ کے ساتھ ہو گئی تھی۔ اُنھیں کے عقد نکاح میں رہی۔ اور اُس کی زندگی کا کوئی ایسا واقعہ نہیں ہے جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ اُنھیں اُس سے یا اُس کو اُن سے کوئی شکایت تھی۔ عُلیّہ کی جبین نازنین پر ایک مسّہ تھا جو کسی قدر عیب دیتا۔ اور خوبصورت گورے گورے چہرے پر چاند کے گہن کا سا کلف بن کے نمودار ہوتا۔ اس عیب کے چھپانے کے لیے اُس نے انجوتہ اور نظر فریب و مکلّل جواہر سر پیچ ایجاد کیے جو اُس وقت کی سوسائٹی میں ایسے بھلے اور دلکش معلوم ہوئے کہ تمام شوقین و حسین امیرزادیوں کی وضع میں داخل ہو گئے۔ اور بغداد والوں میں سے اکثر مبصرین کا مقولہ تھا کہ "عورتوں نے فیشن و وضع و لباس میں جتنی ایجادیں اور اختراعیں کی ہیں اُن میں ان سر پیچوں سے زیادہ بانکی اور مہذب کوئی چیز نہیں ہے۔"

اس حسن و جمال۔ اس بانکپن۔ اس خود آرائی۔ اس شاعری۔ اور اس سرود و غنا پر عُلیّہ نہایت ہی دیندار۔ متقی و پرہیزگار۔ اور پابند صوم و صلوٰۃ تھی۔ چنانچہ اُس کا معمول تھا کہ جب نماز سے معذور ہوتی اُس زمانے میں گاتی اور نبیذ پیتی۔ جو اُن دنوں بڑے بڑے مقدس لوگوں میں مروج ہو کے اُس عہد کی "شراب الصالحین" بن گئی تھی۔ غسل کرتے ہی فوراً تلاوت قرآن اور مطالعۂ کتب میں مصروف ہو جاتی۔ ان مشاغل سے جو وقت بچتا اُس کو شعر گوئی میں صرف کرتی۔ اس لیے کہ شاعری میں اُسے بڑا لطف آتا تھا۔ یہ اپنے مقررہ و معینہ اوقات

و مشاغل تھے - جن کو خلیفہ کے حکم کے سوا اور کوئی چیز نہ بدل سکتی - اس لیے کہ جب خلیفہ بلاتا تو سو کام چھوڑ کے جانا پڑتا اور کوئی عذر کارگر نہ ہوتا - عُلیہ اکثر کہا کرتی کہ "خدا نے کوئی چیز حرام نہین کی جس کا کوئی بہترین بدل حلال چیزون مین سے نہ عطا کر دیا ہو - پھر بھلا گناہ اور مبتلاے معاصی اُس کے سامنے کیا عذر کر سکتا ہے؟" یہ بھی اُس کا قول تھا کہ "زندگی مین اگر مین نے کبھی کوئی فحش کام کیا ہو تو خدا میری نجات نکرے - اور مین جو یہ شعر کہا کرتی ہون یہ بھی فقط تفنن طبع کے لیے ہے"

عُلیہ چونکہ ایک شاعرۂ صاحب کمال تھی لہذا سنت شعراے عرب کی تکمیل کے لیے یہ بھی ضروری تھا کہ کوئی خاص اُس کا معشوق ہو - جسکے خیال و جمال سے مدد لے کے وہ زور طبع دکھائے - شعراے عرب کا معمول تھا کہ اول تو اُن کی خاص کوئی مقررہ معشوقہ ہوتی جس کا نام لے لے کے وہ اپنے اشعار مین اظہار ذوق و شوق کیا کرتے - دوسرے فطرت کے سچے تقاضے کے مطابق اُن کی معشوقہ کوئی پرنچال عورت ہوتی - شعراے ہند و فارس کی طرح معشوق ایک نام حسین بے ریش و بروت امرد لڑکا نہ ہوا کرتا - یہان تک کہ عجم و ہند کی عورتین شعر کہتی ہین تو وہ بھی اشعار مین اپنے آپ کو مرد ظاہر کرتی اور دیگر مرد شعرا کی طرح ایک کمسن لڑکے کی عاشق بن جاتی ہین -

غرض عُلیہ کے لیے بھی ضرور تھا کہ شاعری کی دنیا مین وہ ایک عاشقہ بنے - اور اپنا معشوق کسی خاص مرد کو قرار دے - چنانچہ رشید کے غلامون مین سے طَل اور رشا نام دو خوبصورت لڑکون پر اظہار عشق کیا کرتی - اور اُن سے نظم مین مراسلت کرتی - مگر باوجود اسکے اُس زمانے کے کسی شخص کو کبھی اُسکی پاکبازی - پاکدامنی - اور عفت و عصمت مین شک و شبہہ نہین ہوا - اور سب جانتے تھے کہ یہ فقط سنت شاعری ادا کرنے - شعر و سخن مین عاشقانہ اثر پیدا کرنے - اور بقول اُسی کے محض تفنن طبع کے لیے تھا - رشا کی طرف مخاطب ہو کے اُس نے جو نظمین کہی ہین اُن مین سے بعض مین رشا کے عوض "زینب" کا فرضی نام ڈال دیا ہے - مگر طَل کی نسبت اپنا شوق محبت کھلے الفاظ مین اور اُس کا نام لے کے کیا - طَل کے معنی ہلکی پھوار کے ہین اور مرد خوبرو کو بھی کہتے ہین - طَل کے ساتھ اُسکو اس قدر شغف

تھا کہ کبھی اسے اپنے عاشقانہ اشعار جو اُسی کی مدح مین ہوتے لکھ بھیجتی اور کبھی قریب بُلا کے اُس سے باتین کرتی۔ ایک دن قصر کے ایک پرنالے کے پاس جا کے کھڑی ہوئی۔ طل کو بُلایا۔ اور اپنے دو شعر اُسے سُنائے۔ اس کی خبر رشید کو پہونچ گئی۔ وہ اُس سے ملا اور کہا "بہن۔ دیکھو مین تمھین سمجھائے دیتا ہون کہ پھر کبھی طل سے نہ ملنا۔ نہ باتین کرنا۔ اور نہ کبھی اُس کا نام زبان پر لانا۔" علیہ نے قسم کھا کے اقرار کیا کہ مین آپ کے اس حکم کو بجا لاؤن گی۔ یہ قسم لینے کے بعد بھی رشید کے دل سے شبہہ نہ نکلتا تھا۔ اکثر خاموشی کے ساتھ علیہ کے کمرے کے پاس جاتا۔ اور کان لگا کے سنتا کہ کیا باتین کر رہی ہے اور کس سے باتین ہو رہی ہین؟ ایک دن گیا تو علیہ تلاوت کلام مجید مین مصروف تھی۔ اور ایسی خوش گوئی سے قرأت کر رہی تھی کہ رشید کا دل لگ گیا۔ دیر تک چپکا کھڑا سنتا رہا۔ علیہ سورۂ بقرہ پڑھ رہی تھی۔ پڑھتے پڑھتے جب اس آیت پر پہونچی "فان لم یصبہا وابل فطل" تو ساری آیت پڑھ گئی مگر "فطل" کے لفظ پر پہونچ کے بے اختیار اُس کی زبان سے نکلا "فالذی نہانا عنہ امیر المومنین"۔ یعنی وہی جس سے امیر المومنین نے منع کیا ہے۔ اس واقعے کا رشید پر عجیب اثر ہوا۔ بیتاب ہو کے اندر گھس گیا۔ بہن کو گلے سے لگا لیا۔ اُسکی پیشانی چومی اور کہا "لو۔ مین نے طل تمھین دے ڈالا۔ اور اب اسکے بعد اُسکے ساتھ تمھارا جو جی چاہے سلوک رہے مین نہ روکون گا۔"

اس طل کے متعلق عُلیّہ کی متعدد دلکش نظمین ہین۔ جن مین اُسی نے دھنین بھی قائم کی ہین۔ وہ سب عربی محفلون مین علی العموم گائی جاتی تھین اور بہت ہی مشہور و مقبول تھین۔

رشید کو عُلیہ سے بڑی محبت تھی۔ اور اکثر بغیر اُسکے لطف نہ آتا تھا۔ چنانچہ اُسکے عہد مین علیہ حج کو گئی تو رشید کو اُس کی مفارقت بہت گران گذری۔ واپسی مین وہ مقام طیرناباذ مین کسی ضرورت سے دو چار روز ٹھہر گئی تو رشید ناراض ہوا۔ چنانچہ دربار مین آ کے عُلیّہ نے معذرت مین چار شعر کہے جو ایک ہی بحر مین تھے۔ مگر دھن پہلے دو شعرون مین اور قائم کی اور دوسرے دو شعرون مین اور۔ ان اشعار کو اُن دُھنون مین عُلیہ کی خوش گلو اور موسیقی دان لونڈیون نے سُنایا تو رشید

بہت خوش ہوا۔ اور ساری خفگی بھول گیا۔

ابراہیم بن مہدی یعنی عُلَیّہ کے سگے بھائی کا بیٹا عبداللہ کہتا ہے کسی ضرورت سے رشید کو شہر رقہ میں جانا پڑا۔ وہاں پہونچ کے میری پھوپھی عُلیّہ یاد آئیں۔ اُسی وقت اُنکے ماموں یزید بن منصور کو لکھا کہ "بہن عُلیّہ کو یہاں میرے پاس بھیج دیجئے" یہ تحریر پہونچتے ہی پھوپھی اپنی محمل میں سوار ہو کے شان و شکوہ سے روانہ ہوئیں۔ راستے میں اُنھوں نے دو شعر کہے جن میں سے پچھلے شعر کا مضمون یہ تھا کہ جس کے دیدار کی تمنا ہے اُس سے ملنے کا شوق نہ ہوتا تو میں اِس دہشت و مشقت کے ساتھ بغداد سے نہ نکلتی"۔ یہ اشعار سُن کے رشید بہت خوش ہوا۔ اور اُس سے اور زیادہ محبت کرنے لگا۔

رشید کو عُلیّہ کی شاعری و سخن فہمی کا تو پورا علم تھا مگر ابھی اس کی خبر نہ تھی کہ فن موسیقی میں بھی وہ اپنا جواب نہیں رکھتی ہے۔ اس سے واقف ہونے کا باعث یہ ہوا کہ ایک دن رشید کو بیٹھے بیٹھے ابراہیم موصلی سے ملنے کا شوق ہوا۔ جو اُس عہد کا سب سے بڑا صاحب کمال مغنی تھا۔ اور دربار میں اُس کی عزت علما و فضلا اور اکابر امرا کے برابر ہوتی تھی۔ بجاے اسکے کہ اُسے بُلوا بھیجے محل سے نکل کے سیدھا ڈیوڑھی پر گیا۔ پھاٹک سے باہر ہوتے ہی ایک چھوٹے گدھے پر سوار ہوا اور ابراہیم کے گھر کی راہ لی۔ خدام اور غلام دوڑتے ہوے ساتھ چلے۔ ابراہیم کے دروازے پر پہونچا تو وہ باہر نکل آیا۔ دوڑ کے قدم چومے اور لیجا کے بٹھایا۔ یہاں رشید نے بعض لڑکیوں کی جھلک دیکھی جو اُسکے آتے ہی بھاگ گئی تھیں۔ ساتھ ہی نظر آیا کہ کئی سرود زمین پر بے قرینے پڑے ہیں۔ پوچھا "یہ سرود کیسے اور کس کے ہیں؟" ابراہیم نے پہلے تو ٹالا۔ مگر جب رشید کی طرف سے زیادہ اصرار ہوا تو عرض کیا "امیر المومنین۔ وہ لڑکیاں ہیں اُن کو میں موسیقی کی تعلیم دیتا ہوں۔ وہی یہ سرود چھوڑ کے بھاگ گئیں"۔ رشید نے کہا "اُنکو بلاؤ"۔ ابراہیم نے دونوں کو لا کے پیش کر دیا۔ رشید نے دیکھا تو وہ نہایت ہی خوش جمال و جادو نگاہ تھیں۔ ایک کو قریب بُلا کے کہا "کچھ گاؤ۔ دیکھوں تم نے کیا سیکھا ہے؟" اُس نے ایک راگ بہت ہی سنبھل کے گایا۔ رشید کو اُس کی دُھن بے انتہا پسند آئی۔ ابراہیم

کی طرف دیکھ کے کہا "ابراہیم - کیا اچھے شعر ہیں اور کیسی اچھی دھن ہے - یہ کس کے ہیں؟ ابراہیم بولا "حضور میں نہیں جانتا"۔ تب اُس نے اُس لڑکی سے پوچھا تم بتاؤ یہ شعر کس کے ہیں؟ اور یہ دُھن کس کی ہے؟" بولی" دونوں میری بیوی کی ہیں"۔ پوچھا" تمھاری بیوی کون؟" عرض کیا" امیرالمومنین کی ہمشیرہ عُلیہ"۔ حیرت سے پھر پوچھا" نظم اور دُھن دونوں اُن کی ہیں؟" بولی" جی حضور دونوں اُنھیں کی"۔ اس جواب پر رشید نے متاثر ہوکے سر جھکا لیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھاکے دوسری کنیز سے کہا" اب تم اپنا گانا سناؤ"۔ اُس نے ایک دوسرا نغمہ گایا۔ اُس کی نسبت بھی یہی واقعات پیش آئے۔ ابراہیم نے ٹالا اور چھپایا اور کنیز کے بیان سے کھلا کہ وہ نظم اور نغمہ بھی عُلیہ ہی کے ایجاد ہیں۔

اس کے بعد رشید اُٹھ کے محل میں واپس آیا اور آتے وقت ابراہیم سے کہا" ان دونوں کنیزوں کو احتیاط اور حفاظت سے رکھنا"۔ گھر پہونچ کے بجائے اپنے قصر میں آنے کے سیدھا عُلیہ کی محلسرا میں گیا۔ اُس کے پاس بیٹھ گیا اور کہا" بہن آج جی چاہا کہ تمھارے پاس بیٹھ کے نبیذ پیوں"۔ حکم کی دیر تھی۔ محفل عیش قائم ہو گئی۔ اور عُلیہ کی کنیزیں حاضر ہوکے گانے بجانے لگیں۔ رشید تھوڑی دیر تک تو اُن کا گانا سنتا رہا۔ پھر ایک مغنیہ لڑکی کے آغوش سے سرود اُٹھاکے اُس نے عُلیہ کی گود میں رکھ دیا۔ یہ دیکھ کے عُلیہ بہت گھبرائی۔ آج تک کبھی رشید کے سامنے نہیں گائی تھی۔ کسی طرح جرأت نہ ہوتی تھی کہ صاحب تاج و تخت بھائی کے سامنے بیٹھ کے گائے۔ اسے متامل دیکھ کے ہارون رشید نے کہا" بہن تمھیں والدمرحوم (مہدی) کی تربت کی قسم ضرور گاؤ"۔ پوچھا" کیا گاؤں؟" رشید نے وہ چیز اور دُھن بتادی جو ابراہیم کے مکان پر پہلی کنیز کے گلے سے سُنی تھی۔ اب عُلیہ سمجھ گئی کہ بھائی کو میرے شوق موسیقی کی خبر ہو گئی۔ وہ اشعار گائے۔ اور جہاں تک بنا محنت اور کوشش سے گائے۔ اسکے بعد رشید نے دوسری لونڈی والا گیت گوایا۔ اُس کو بھی گانا پڑا۔ اپنی عزیز بہن کی ایجاد کی ہوئی دُھنیں خاص اُسی کے گلے سے سُن کے رشید اُٹھا۔ بہن کے سر پر بوسہ دیا۔ اور کہا" مجھے یہ خبر نہ تھی کہ تمھیں یہ کمال بھی حاصل ہے"۔ اور یہ سارا دن اسی صحبت

مین بسر کرکے واپس گیا۔

اس کے بعد رشید کا معمول ہو گیا تھا کہ جب جی گھبراتا عُلیہ کے پاس آکے کہتا "بہن کوئی نئی چیز سناؤ" چنانچہ ایک دن ایسے ہی موقع پر عُلیہ نے کہا "آپ کی جان کی قسم مین کوئی اور چیز نہ سناؤن گی۔ مگر آپ کی مدح مین خود ہی شعر کہونگی۔ اور خود ہی اُن مین دُھن قائم کرکے سناؤن گی" چنانچہ اسی وقت فی البدیہہ تین شعر کہے۔ اُن مین دُھن قائم کی۔ اور سنایا تو رشید کی یہ حالت تھی کہ محو ہو گیا۔ اور آپے سے باہر ہو گیا۔

رشید نے رَے کا سفر کیا تو محض دلچسپی کے خیال سے عُلیہ کو ساتھ لے لیا۔ مقام مرج تک پہونچا تھا کہ عُلیہ کو گھر چھوٹنے کی تکلیف محسوس ہونے لگی۔ وطن اور صحبت ہاے وطن کی یاد مین دو پُر سوز وگداز شعر کہے جن کا مضمون یہ تھا کہ غریب الوطن مقام مرج مین حسرت والم کے ساتھ رو رہا ہے۔ یاران وطن اُسکی نظر سے اوجھل ہین۔ اور وطن کی طرف سے جب کوئی سوار آجاتا ہے تو وہ اُسکے پاس جاجاکے سونگھتا ہے کہ شاید وے وطن آجائے" یہ شعر ایسی مناسب موزون دُھن مین اُس نے خاص اپنے گلے سے رشید کو سنائے کہ وہ سمجھ گیا کہ بہن کو سوادِ عراق یاد آگئی۔ اور اُسی منزل سے اُسکو واپس کر دیا۔

ایک دن رشید کی خدمت مین ایک ایسی صاحب جمال و آفت روزگار کنیز پیش کی گئی جو خوبی و رعنائی اور تمیزداری و شائستگی مین نظیر نہ رکھتی تھی۔ رات کو وہ رشید کی صحبت عیش مین رہی۔ اور ایک ہی رات مین اُسکا ایسا اثر پڑا کہ صبح اُٹھتے ہی رشید نے حکم دیا کہ حریم خلافت مین جتنی گانے والی کنیزین ہین سب حاضر ہون۔ دم بھر مین تقریباً دو ہزار پریجمال مہ طلعتین جمع ہو گئین جو بہترین لباس پہنے تھین۔ مرصع زیور سے آراستہ تھین۔ اور سب سے کافرا جرائی کی شان عیان تھی۔ ان مین سے کچھ تو ساقیہ تھین جو نبیذ کے جام پلاتین۔ باقی سب مغنیہ تھین۔ اس جشن طرب مین رشید اس نئی محبوبہ کے ساتھ بیٹھ کے جام عیش پینے لگا۔ اُمّ جعفر یعنی زبیدہ خاتون کو یہ حال معلوم ہوا تو دل ہی دل مین بہت کُڑھی اور عُلیہ کو خبر کی کہ دیکھو تمھارے بھائی کا یہ رنگ ہے۔ ایک نئی عورت کے دام فریب مین ایسے پھنسے ہین

کہ سارے نگلے تو اقیات نکال دیے۔" عُلیّہ نے جواب میں کہلا بھیجا "بھائی! آپ اپنا
دل نہ چھوٹا کیجیے۔ میں اُنہیں پھر آپ کا بنا دوں گی۔ مگر آپ ایک کام کیجیے۔ اپنی
تمام پچاس کنیزوں کو بھاری پوشاکیں پہنا کے میرے پاس بھیج دیجیے۔" زبیدہ نے
یہی کیا۔ عُلیّہ نے دو نہایت ہی پُرجوش شعر کہے۔ اور ان میں اپنی طباعی سے
ایسی دُھن تانی کہ جو انسان سنتے ہی بے تاب ہو جائے۔ اور خود رفتہ ہو جائے۔ پھر وہ شعر
اور دُھن زبیدہ کو دی اور اپنی تمام کنیزوں کو خوب ازبر و مشاق کرا دیے۔
اور سب کو اپنے انتخاب سے خاص قسم کی بانکی پوشاکیں پہنا دیں۔

اب عصر کا وقت ہو گیا تھا۔ اور رشید اُسی طرح اُس نئی محبوبہ کے ہمراہ
جشن طرب میں بیٹھا محو عیش تھا کہ ناگہاں ایک طرف سے عُلیّہ اور دوسری طرف
سے زبیدہ اُس محفل میں برآمد ہوئیں۔ اور دونوں کے ساتھ دو سو زرق برق
لباس پہنے کنیزیں تھیں اور ایسی عجیب و غریب وضع میں تھیں کہ رشید محو حیرت ہو گیا۔ وہ
مبہوت ہی تھا کہ اُن ساری کنیزوں نے دفعتہً باجے بجائے اور مل کے وہ نغمہ
گانا شروع کیا۔ اُس نغمے کا مضمون یہ تھا کہ "اے میرے دل! تو نے مجھے چھوڑ دیا۔ مگر
میرا دل تجھے نہیں چھوڑتا۔ اے آج مجھے چھوڑنے والے بتا تو سہی کیا اب بھی
ملنے کا ارادہ ہے؟" یہ نغمہ ہوش ربا سنتے ہی رشید بیتاب و بے قرار ہو کے تخت سے اُٹھا
اور عُلیّہ و زبیدہ کے پاس آ کے کہنے لگا "آج سے زیادہ مسرت مجھے زندگی بھر
نہیں نصیب ہوئی تھی۔" اور اس کی خوشی میں ایسا مست و بیخود ہو گیا تھا کہ بے اختیار
حکم دے دیا کہ "خزانے میں جو کچھ ہو لٹا دیا جائے۔ خبردار ایک درہم بھی باقی نہ رہے۔"
چنانچہ کہتے ہیں کہ اُس تاریخ میں چھ کروڑ درہم لٹائے گئے۔ جیسا کہ اُس وقت تک
کسی تاجدار کے زمانے میں نہیں سنا گیا تھا۔

یحییٰ بن خالد کا پوتا بیان کرتا ہے کہ ایک دن میرے والد خلوت و تنہائی
میں دادا جان سے بیان کر رہے تھے کہ رشید کی میرے حال پر کیا عنایتیں تھیں؟
اسی سلسلے میں ایک دن کا یہ قصہ اُنھوں نے بیان کیا کہ میں چھوٹا اور کمسن لڑکا
تھا۔ امیر المومنین رشید نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور ایک کمرے کی طرف چلے۔ اُس سے
گزر کے دوسرے کمرے کے دروازے پر پہنچے تو بند تھا۔ خدام اور غلام جو ساتھ تھے

واپس چلے گئے۔ سب کے چلے جانے کے بعد انھوں نے وہ دروازہ کھولا۔ اور مجھے
اندر لیجا کے وہ دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ اب مجھے لیے ہوئے وہ ایک شاہانہ
شان کے کمرے میں پہونچے۔ اس عالیشان دیوان خانے کے صدر میں ایک شہ نشین
تھا۔ اس شہ نشین پر چڑھ کے دروازے کے پاس وہ مجھے لیے ہوئے بیٹھ گئے اور ہاتھ
سے دروازے پر دستک دی۔ ساتھ ہی مجھے اندر کچھ آہٹ معلوم ہوئی۔ اور انھوں
نے دوبارہ دستک دی۔ فوراً ساز چھڑ گیا۔ اور سرود کی صدائے خوش الحان میرے
کان میں آئی۔ یہ آواز سنتے ہی امیر المومنین نے تیسری دستک دی۔ اور اندر سے
گانے کی آواز سنی جانے لگی۔ یہ کسی عورت کی نہایت ہی دلکش اور محو کر دینے والی
آواز تھی۔ اور ایسا اچھا نغمہ تھا کہ مجھے معلوم ہوا نہ دنیا میں اس سے اچھا نغمہ
ہو سکتا ہے اور نہ اس سے اچھا سرود بج سکتا ہے۔ یہ عورت جو ہماری آنکھوں
سے اوجھل تھی کئی گیت گا چکی تو رشید نے کہا "اب ذرا میری ایجاد کی ہوئی دھن
بھی سنا دو۔" اس نے وہ نغمہ شروع کیا۔ اب جوش مسرت سے میری یہ حالت تھی
کہ بے اختیار جی چاہتا تھا دیوار سے ٹکرا کے اپنا سر توڑ ڈالوں۔ اتنے میں امیر المومنین
نے ایک اور گیت کی فرمائش کی۔ اس نے وہ بھی گایا۔ اور اب میری اور رشید
کی دونوں کی یہ حالت تھی کہ گویا جن حال آ گیا ہے۔ دونوں کمال بیتابی سے
کھڑے ہو کے ناچنے لگے۔ یہ نغمہ بھی ختم ہوا تو رشید نے کہا "بس اب چلو۔ ایسا نہ ہو کہ
محویت اس سے بھی زیادہ بیخود و ذلیل کرے۔" اب وہ مجھے ساتھ لے کے اٹھا۔
اور جب میں اندر کی دہلیز سے اترنے لگا تو اس نے کہا "تم نے پہچانا بھی یہ کون
گا رہا تھا؟" میں نے عرض کیا "میں کیا جانوں۔" بولا "تم دل میں حیران ہو گے۔
اور بار بار یہی سوال تمھارے دل میں پیدا ہوتا ہوگا۔ مگر اس راز کو تم چھپا نہ سکو گے۔
خیر میں بتائے دیتا ہوں۔ یہ میری بہن عُلیّہ بنت مہدی تھیں۔ لیکن یاد رکھو اگر
کسی کے سامنے تم نے اس واقعے کو زبان سے نکالا اور مجھے خبر ہو گئی تو تمھیں
زندہ نہ چھوڑوں گا۔" یہ واقعات سن کے دادا جان بولے "مگر اب تو تم نے یہ راز
فاش کر دیا۔ اپنی جان بچانے کی فکر کرو۔ ورنہ امیر المومنین بے قتل کیے نہ
چھوڑیں گے۔"

اس دلچسپ عہد کے صاحب کمال نامور مغنی اسحٰق موصلی کا بیان ہے کہ ہارون رشید کے زمانے میں مین نے ایک نئی دُھن نکالی - وہ مجھے کچھ ایسی دلکش اور بھلی معلوم ہوئی کہ خوش شوق کر کے ارادہ کیا کہ صبح ہوتے ہی امیرالمومنین کی خدمت مین حاضر ہو کے سناؤن گا - صبح کو اسی ارادے سے چلا - اور دردولت کو جا رہا تھا کہ راستے مین علیہ کا خادم ملا - اور سلام کر کے کہنے لگا "بیوی نے آپ کو حکم دیا ہے کہ اسی وقت اُن کی ڈیوڑھی پر حاضر ہو کے ایک کنیز کے گلے سے ایک دُھن سُن لیں جسے وہ بتاتی ہے کہ آپ کے والد مرحوم سے حاصل کی تھی - مگر اب اُس مین کچھ شک سا پڑ گیا ہے" مین فوراً اُس کے ساتھ چلا گیا - وہان ایک تنہا کمرے مین بٹھایا گیا - پہلے دسترخوان اور کھانے پینے کی چیزین لائی گئیں - اور جب مین سیر ہو کے ہاتھ دھو چکا تو ایک کنیز نے آ کے کہا "بیوی فرماتی ہیں کہ آپ اسوقت امیرالمومنین کے پاس ایک نئی ایجاد کی ہوئی دُھن سنانے کو جا رہے ہیں - پہلے وہ دُھن مجھے سُنا دیجیے - اور اسکے معاوضے مین آپ کو بہت کچھ نذر دے گی" معلوم ہوتا ہے اُنھین کسی کنیز کے ذریعے سے خبر ہو گئی جو میرے پاس تعلیم پاتی تھی - مجبوراً مین نے وہ دُھن گا کے سُنائی - اور اُنھون نے اُسکو بار بار گوا کے سُنا - اسکے بعد میرے سامنے بیس ہزار درہم اور بیس تھان لا کے رکھے گئے - اور پردے مین سے خود علیہ نے کہا "لو یہ تمھارا انعام ہے"

میری اُس دُھن کو پہلے کچھ دیر تک چپکے چپکے وہ خود ادا کرتی رہین - پھر بولین "لو اب اس دُھن کو مجھ سے بھی سُن لو" یہ کہہ کے اُس نغمے کو اُنھون نے جو گایا تو دلکشی ہی اور تھی - مین نے بخدا ایسا دلکش اور مست کرنے والا نغمہ زندگی بھر نہین سُنا تھا - سُنا کر وہ پوچھنے لگیں "بتاؤ مین نے کیسا گایا؟" مین نے عرض کیا "باللہ العظیم مین نے آج وہ نغمہ سُنا ہے جیسا زندگی بھر نہین سُنا تھا" اب علیہ نے اپنی ایک کنیز سے کہا "لو اب تم بھی اُنھین اِن کی یہ نئی دُھن اپنے گلے سے سُنا دو" اُس نے بھی سُنائی - اور جب سُنا چکی تو دوبارہ میرے سامنے بیس ہزار درہم اور بیس تھان لا کے رکھے گئے - ساتھ ہی علیہ پردے کی آڑ سے بولین "وہ پہلے تو انعام تھا اور یہ اُس دُھن کی قیمت ہے جس کو مین نے تم سے لے لیا - اب

مین امیر المومنین کے پاس جاتی ہوں۔ سب سے پہلے یہی دھن سناؤنگی اور کہوں گی کہ اسے مین نے ایجاد کیا ہے۔ لیکن اگر کبھی تم نے کسی کے سامنے زبان سے نکالا کہ یہ تمھاری تصنیف ہوئی دھن تھی تو فوراً قتل کرا ڈالوں گی۔"

اس واقعے کے بعد مین پچھتاتا ہوا علیہ کی ڈیوڑھی سے نکلا۔ مجھے انعام کی اتنی خوشی نہ تھی جتنا اس دھن کے چھن جانے کا ملال تھا۔ مگر علیہ رشید کی بہن تھی اُس سے خوف بھی تھا۔ اور اُس کی ہیبت اس قدر چھائی تھی کہ اور کسی کے سامنے گلے سے ادا کرنا درکنار مجھے اُس دھن کا خیال بھی آجاتا تو کانپنے لگتا۔ کہ کسی کو خبر نہ ہو جائے۔ یہانتک کہ مامون رشید کے عہد مین علیہ کا انتقال ہو گیا۔ اور اُسکے سوگ کے بعد مامون رشید نے جو پہلی صحبت طرب قائم کی اُس مین مین نے سب کے پہلے وہی دھن گا کے سنائی۔ سنتے ہی مامون کی رنگت بدل گئی۔ اس دھن کو وہ علیہ کے گلے سے سن چکا تھا۔ غصے کے ساتھ مجھ سے پوچھا "تمھین یہ دھن کہان سے ملی؟" عرض کیا "جان کی امان ہو تو سچ سچ عرض کردون"۔ اُس نے امان دینے کا وعدہ کیا۔ اور مین نے ساری سرگذشت کہ سنائی۔ تمام واقعات سن کے مامون نے کہا "او کمینہ و کمظرف! اب بھی تجھے اس واقعے کا ظاہر کرنا مناسب نہ تھا۔ تو نے اُس معاوضے پر کیون نہ قناعت کی جو تجھے مل چکا تھا؟" مامون کی یہ تعریض سن کے مین نے قسم کھائی کہ پھر کبھی اس نغمے کو نہ گاؤنگا۔

اُس دور کی نامور مغنیہ زرق کہتی ہے ایک دن مین امیر المومنین ہارون رشید کی صحبت طرب مین تھی۔ وہ اور اُن کے بھائی منصور دونوں بیٹھے نبیذ کے جام پی رہے تھے اور عیش و طرب مین مصروف تھے کہ علیہ کی لونڈی ظلوب آئی۔ مگر اس شان سے کہ دو خوشرو کنیزین اُسکے آگے آگے تھین جن کے ہاتھون مین نبیذ کے لبریز جام تھے۔ پیچھے بھی ایک ماہ پیکر کنیز تھی جسکے ہاتھ مین سرود تھا۔ امیر المومنین کا سامنا ہوتے ہی اُس نے سرود چھیڑا اور ظلوب نے ایسی برانگیختہ کر دینے والی مستانہ دھن مین چند شعر گائے کہ صحبت کو محو کر دیا۔ یہ نغمہ گاتے ہی گاتے اُسنے دونون بھائیون کو وہ دونون جام نبیذ دیے۔ اور ادب سے بڑھ کے ایک رقعہ رشید کے ہاتھ مین دیا۔ رشید نے پڑھا تو اُس مین لکھا تھا "یا سیدی۔ آپ کی

ہیں نے آج یہ دُھن ایجاد کی ہے۔ اور لونڈیوں کو اُس کی تعلیم دے کے خدمت
مین پیش کر دیا۔ خدا آپ کی مسرت کو برقرار رکھے اور آپ کے عیش کو پائدار رکھے۔"
ایک دن عُلَیہ نے عید کی مبارکباد مین دو شعر کہے اُن مین خود ایجاد کر کے
ایک روح افزا و مسرت بخش دُھن قائم کی اور خود آکے بھائی کو خاص اپنے
گلے سے ادا کر کے سنائے۔ رشید بے انتہا مسرور ہوا۔ وہ دُھن عام محفلون مین
مشہور ہو گئی۔ یہان تک کہ مدتون کے بعد ایک عید کے جشن مین عریب مغنیہ نے
وہ دُھن اس خوبی سے متوکل علی اللہ کو سنائی کہ وہ مارے خوشی کے مست ہو گیا
اور بیخودی مین عریب کو تیس ہزار درہم انعام مین دے ڈالے۔
رشید کے ساتھ عُلَیہ کو بڑی محبت تھی۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے
اُس کا سارا عیش اُسی کے دم سے وابستہ ہے۔ جب ہارون رشید نے سفر آخرت
کیا تو اُسے بڑا بھاری صدمہ ہوا۔ حد سے زیادہ روئی پیٹی۔ نبیذ پینا چھوڑ دی۔
اور گانا بھی چھوڑ دیا۔ گر امین الرشید نے بہت اصرار کیا کہ پھر گائیے۔ اب وہی
خلیفہ تھا اور اُس کی مخالفت اندیشے سے خالی نہ تھی۔ جبراً و قہراً گایا۔ مگر جو شعر
کہے اور اُن مین جو دُھنیں قائم کین دونون سے مجبوری و معذوری کے اظہار کے
ساتھ بلا کی حسرت نا کی ظاہر ہوتی تھی۔
مگر امین کے بعد جب مامون رشید مسند نشین خلافت ہوا تو وہ ہر علم و فن کا
اتنا بڑا مربی تھا کہ اُسکے دربار مین ایک سے ایک بڑا صاحب کمال موجود تھا
اور اُس کی حد سے زیادہ قدر ہوتی تھی۔ مامون نے عُلَیہ کے ساتھ ایک ایسی خردانہ
محبت ظاہر کی اور اس خوبی کے ساتھ اُس کی دلدہی و قدر کرنے لگا کہ اُسے مرحوم
بھائی رشید کی یاد بھولنے لگی۔ اور مامون کے خوش کرنے کے لیے پھر اُسے فن موسیقی
مین اپنے کمالات ظاہر کرنا پڑے۔ مگر اسپر بھی یہ کبھی نہین ہوا کہ عُلَیہ نے مامون
کی خوشامد اور اُسکے خوش کرنے کے لیے کوئی قصیدہ کہا ہو یا کوئی نغمہ ایجاد کیا ہو۔
ہان اُس نے اپنا وہ نہ گانے کا عہد البتہ توڑ دیا۔
چنانچہ رشید کا بیٹا ابو احمد لکھتا ہے مین ایک دن مامون کی پرائیوٹ صحبت
مین بیٹھا ہوا تھا اور میرے برابر میرے دونون چچا منصور اور ابراہیم تھے۔ اتنے

مین عُلیہ کا غلام یاسر آیا۔ اور مامون کے کان مین کچھ کہا۔ مامون نے سُن کے ابراہیم کو اشارہ کیا۔ وہ اُٹھ کے ایک پردے کے اندر چلے گئے جو حرم کی جانب دیوانِ خاص سے ملا ہوا تھا۔ ابھی وہ بیٹھے ہوے تھے کہ دفعتاً ایک ایسے نغمۂ دلکش کی آواز کان مین آئی کہ مین بے اختیار رقص کرنے لگا۔ مامون نے پوچھا "حضور کیون کیا ہوا؟" عرض کیا "ایسا نغمہ سُن رہا ہون کہ آواز سے دریا رنگین پھوٹے جاتے ہین۔ زندگی بھر کبھی ایسا نغمہ مستانہ نہین سُنا تھا۔" اُس نے کہا "یہ تمھاری پھوپھی عُلیہ تمھارے چچا ابراہیم سے ایک دُھن مین مقابلہ کر رہی ہین۔"

عُلیہ کے سگے بھائی ابراہیم بھی موسیقی مین اعلیٰ ترین کمال رکھتے تھے۔ اور اس فن مین سوا اسحق موصلی کے اور کوئی اُن کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ اور ان دونون بہن بھائیون کے ایسے صاحبِ کمال موسیقی دان ہونے کی وجہ سے اُس زمانے کے بعض اکابرِ اسلام کا دعویٰ تھا کہ "اسلام مین کوئی ایسے دو بہن بھائی نہین پیدا ہوے جو ایک ہی فن مین اتنا اعلیٰ پایہ رکھتے ہون۔ نہ موسیقی مین کوئی عورت عُلیہ کی ہم پلہ تھی اور نہ کوئی مرد ابراہیم کا ہم رتبہ تھا۔ اور لطف یہ کہ موسیقی کے بڑے بڑے اُستاد عُلیہ کو ابراہیم پر ترجیح دیتے تھے۔

یہی ابراہیم بن مہدی کہتے ہین کہ "مجھے جیسی ندامت ایک دن بہن عُلیہ کے سامنے ہوئی زندگی بھر نہین ہوئی تھی۔ وہ کچھ بیمار تھین۔ مین عیادت کو گیا۔ پوچھا "بہن کیسی ہو؟ اور کیا حال ہے؟" اُنھون نے جواب دیا "الحمد للہ اچھی ہون" وہ یہ کہہ ہی رہی تھین کہ میری نظر ایک آفتِ روزگار دوشیزہ کنیز کے چہرے پر پڑ گئی جو اُنکے پیچھے کھڑی مگس رانی کر رہی تھی۔ اُس کا پیارا مکھڑا مجھے ایسا بھلا معلوم ہوا کہ اُس سے دیکھنے ہی کو اور دنیا و مافیہا سے بےخبر ہو گیا۔ اس محویت سے یکایک چونکا اور بہن کی طرف متوجہ ہوکے پھر پوچھا "آپ کیسی ہین؟ اور کیسا مزاج ہے؟" میرے اس سوال پر اُنھون نے سر اُٹھایا۔ مڑکے اپنی اُس کنیز کو دیکھا اور پھر پلٹ کے مجھ سے کہا "ایک بار ابھی تم مجھ سے پوچھ چکے اور مین اس کا جواب بھی دے چکی۔" اُن کے ان الفاظ سے مجھ پر گھڑون پانی پڑ گیا۔ اور مارے ندامت کے اُٹھ کر چلا آیا۔

ایک بار مرحوم خلیفہ ہادی کا بیٹا اسمٰعیل مامون کے پاس گیا تو وہان زنانی

حرم سرا کی طرف سے ایک ایسا نغمہ دلکش و روح افزا سُنا کہ مست ہو گیا۔ اور ہوش و حواس بجا نہ رہے۔ مامون نے یہ حالت دیکھ کے پوچھا "کیوں؟ خیریت تو ہے؟" اُس نے عرض کیا "امیر المومنین - ایسا نغمہ سُن رہا ہوں کہ بیخود ہوا جاتا ہوں۔ آج معلوم ہوا کہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ارغنون رومی کا نغمہ سُن کے انسان کو شادیِ مرگ ہو جاتا ہے بالکل صحیح ہے - اب مجھے اس کا یقین ہو گیا۔" مامون نے پوچھا "اور کچھ سمجھے بھی کہ یہ کیا ہے؟" میں نے عرض کیا "خدا کی قسم نہیں سمجھا۔" کہا "تمھاری پھوپھی عُلیہ ہیں جو تمھارے چچا ابراہیم کو اپنی دُھن سکھا رہی ہیں۔"

اگرچہ موسیقی نے بظاہر عُلیہ کی شاعری کو مغلوب کر لیا تھا۔ اس لیے کہ اُسکے جتنے اشعار سُنے گئے ہیں سب گانے اور اُن میں دُھنیں قائم کرنے کے لیے تھے - مگر نہیں، وہ پوری شاعرہ تھی۔ اُسکے کلام کو موسیقی سے علٰحدہ کرکے دیکھیے تو پورے کمالاتِ شاعری کا پتہ چلتا ہے - وہ فی البدیہہ کہتی تھی اور بہت اچھا کہتی تھی - چنانچہ اپنے بھائی علی ابن مہدی کی بیٹی لُبانہ کی تعریف میں اُس نے دو ایسے پاکیزہ شعر کہے کہ جس نے سُنے داد دینے لگا۔

اُسکی ڈیوڑھی پر ایک داروغہ تھا سباع - عُلیہ کو اُس کی بددیانتی کی خبر ہوئی تو اُسے پٹوایا اور قید کر دیا۔ محلے والوں کو اُس شخص سے ہمدردی تھی سب نے مل کے اُس کی سفارش میں ایک عرضی عُلیہ کے ملاحظے میں پیش کی۔ عُلیہ نے اُس عرضی پر فی البدیہہ تین شعر کہہ کے لکھ دیے - جن سے جواب شافی ملتا تھا کہ "سباع قابلِ اعتبار نہیں۔ اُس کا جرم ثابت ہے - اور اُس کی سفارش بے محل اور بے وجہ ہے۔"

مامون رشید ہی کے زمانے سنہ ۲۱۰ھ میں عُلیہ نے پچاس برس کی عمر میں انتقال کیا - ابھی اُسکے مرنے کے دن نہ تھے - مگر ایک ایسا عجیب واقعہ پیش آ گیا کہ عُلیہ کو مارے غیرت کے دنیا سے منہ چھپا لینا پڑا - ہوا یہ کہ مامون کے اصرار سے اُس نے ایک نغمہ گایا - اُس کی دُھن ایسی دلکش اور بیخود کر دینے والی تھی کہ مامون بیخود ہو کے اُٹھ کھڑا ہوا اور بے اختیار پھوپھی کو گلے سے لگا کے پیار کر لیا۔

اگرچہ اس حالت میں بھی عُلَیّہ کے منہ پر نقاب تھی اور امین کے ہونٹ اُس کے ہونٹوں سے مس نہیں ہوئے۔ مگر عُلَیّہ کے دل کو ندامت کا ایسا شدید دھچکا پہونچا کہ اُسی وقت بخار چڑھ آیا۔ اور اسی بخار اور کھانسی نے تین ہی چار روز کے اندر اُس کی زندگی کا چراغ گُل کر دیا۔

سچ یہ ہے کہ ایک پاکدامن امیرزادی کے لیے اس سے زیادہ شریفانہ موت نہیں ہو سکتی۔

مگر مرنے کے بعد بھی عُلَیّہ ایسی مقبول عام اور نادر روزگار یادگاریں چھوڑ گئی تھی کہ خلافت عرب کی تہذیب اور امیرانہ صحبتوں میں ہمیشہ اُس کی یاد تازہ رہتی اور ہر محفلِ طرب میں اُس کا نام عزت سے لیا جاتا۔

زمانۂ مابعد میں شہرت پانے والی مغنیۂ عرب عَرِیب کہا کرتی تھی کہ "میری زندگی میں سب سے بہتر اور دلکش وہ دن تھا جس دن میں عُلَیّہ کی صحبت میں گئی۔ اُنکے بھائی ابراہیم اور یعقوب بھی اُنکے پاس بیٹھے تھے۔ یعقوب سُر دینے میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ چنانچہ وہ سُر دینے لگے اور عُلَیّہ نے خاص اپنی ایجاد کی ہوئی دھُنیں گانا شروع کیں۔ اُنکے بھائی ابراہیم نے چند اپنی دھنیں گائیں۔ اور یعقوب اُنکے ساتھ بھی سُر دینے لگے۔" یہ واقعہ بیان کرکے عریب کہنے لگی۔ "ایسا نغمۂ دلکش میں نے کبھی زندگی میں نہ اُس سے پہلے سُنا تھا۔ نہ اُسکے بعد سُنا۔ اور نہ آیندہ سننے کی اُمید ہے۔"

بعد کے بعض خلفائے آل عباس اس بات کو چھپانا چاہتے تھے کہ اُنکے خاندان کی ایک محترم خاتون گاتی بجاتی تھی۔ چنانچہ موسیٰ ہادی کا پوتا محمد بن اسمٰعیل کہتا ہے ایک دن میں معتصم باللہ کی صحبت عیش میں شریک تھا۔ مشہور مغنیوں میں سے مخارق۔ علّویہ۔ محمد بن حارث اور عقید بیٹھے ہوئے تھے۔ عقید گا رہی تھی اور میں سرود چھیڑتا تھا۔ گاتے گاتے اُس نے ایک چیز گائی جس کا مضمون یہ تھا کہ "ملامت کرنے والے تھک کر بیٹھ گئے۔ اور میری آنکھ نہ لگی۔ میرے مرض سے شکایت کرنے والے بیماروں کو شفا ہوگئی۔ اور میری وہی حالت ہے۔" یہ نغمہ سُن کے معتصم انتہا سے زیادہ محظوظ ہوا۔ اور پوچھا "یہ کس کے اشعار

ہیں؟ اور کس کی بنائی ہوئی دُھن ہے؟" جواب میں اور سب تو خاموش رہے مگر میں کمبخت بول اُٹھا "دونوں چیزیں عُلَیہ کی ہیں"۔ سنتے ہی معتصم نے میری طرف سے مُنہ پھیر لیا۔ ساری محفل میں سناٹا چھا گیا۔ اور میں اب سمجھا کہ مجھ سے غلطی ہو گئی جو عُلَیہ کا نام زبان سے نکالا۔ میری ندامت کو آخر معتصم نے محسوس کیا اور کہا "تم پریشان نہ ہو۔ اس کا جو اثر مجھ پر پڑتا ہے وہی تم پر بھی پڑتا ہے"۔

مگر خلیفہ منتصر کی یہ حالت نہ تھی۔ اس کا مذاق ہی اور تھا۔ کسی محفل طرب میں بنان مغنیہ نے ایک دلکش نغمہ گایا۔ جس کے اشعار کا مضمون یہ تھا کہ "قصر رصافہ کی ملکہ! اور بادشاہ ورنا! دونوں کی جان ہم! اللہ ہمارے قتل سے درگذر۔ ہم تو دیکھیں نہ ترک"۔ یہ نغمہ گا کے بنان نے بے اختیار ہنس پڑی۔ منتصر نے پوچھا "اس میں ہنسنے کی کون بات تھی؟" عرض کیا "مجھے یہ خیال کر کے ہنسی آئی کہ اس گیت کا مصنف کتنا بڑا معزز شخص تھا۔ اور اس کی دُھن تیار کرنے والا کس پایہ کا تھا؟ اور سننے والا کتنا بڑا شخص ہے؟" منتصر نے کہا "صاف صاف بیان کرو کہ مجھے بھی لطف آئے"۔ عرض کیا "یہ شعر ہارون رشید کا ہے۔ دُھن عُلَیہ بنت مہدی کی ہے۔ اور سننے والے امیر المومنین منتصر باللہ ہیں"۔ یہ جواب منتصر کو بہت پسند آیا چنانچہ اس نغمے کو وہ اکثر مغنیوں سے بار بار گوا کے سنا کرتا۔

عریب کا شاگرد محمد بن ہارون منشی کہتا ہے "میں نے ایک دن خواب میں دیکھا کہ عُلَیہ بنت مہدی میرے سامنے آئی ہیں۔ اور میں اُن سے پوچھ رہا ہوں کہ خاص آپ کی ایجاد کی ہوئی کتنی دُھنیں ہیں؟ اُنھوں نے بتایا پچاس سے زیادہ۔ اسکے بعد میں نے اپنی گانے کی اُستانی عریب سے اس خواب کا تذکرہ کیا تو وہ بولیں "بیشک اُنکی دُھنیں اتنی ہی ہیں"۔

متوکل کے عہد میں ایک مقبول و مشہور مغنیہ تھی خشف واضحیہ۔ اس سے اور عریب سے متوکل کے سامنے اس پر اختلاف ہوا کہ عُلَیہ کی نکالی ہوئی کتنی دُھنیں ہیں؟ خشف نے بہتر دُھنیں بتائیں۔ عریب نے کہا "نہیں بہتر ہی ہیں"۔ متوکل نے کہا "اس کی سند نہیں۔ اُن کی وہ سب دُھنیں مجھے گا کے سناؤ"۔ دونوں نے عُلَیہ کی دُھنوں کو گانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ پوری بہتر دُھنیں گا گئیں بہتر دُھن

دھن خشف نے حافظے پر لاکھ زور ڈالا نہ یاد آئی۔ اور عریب کے مقابل اُسے خفیف ہونا پڑا۔ نہایت ہی دل شکستہ گھر مین آئی۔ رات کو خواب مین کیا دیکھتی ہے کہ علیّہ آئی ہین اور کہہ رہی ہین کہ "خشف۔ عریب نے تم سے اختلاف تو کیا مگر حق پر تم ہی تھین۔ میری وہ دُھن جس کو تم بھول گئین یہ ہے"۔ پھر کے اُنھون نے وہ دھن گا کے بتائی۔ اور اس طرح گائی کہ میرے دل پر نقش ہو گئی۔ اور جیسا اُنھون نے گایا ویسا نغمہ مین نے زندگی بھر نہین سُنا تھا۔ اس خواب مین علیہ نے مجھے اور بھی بہت سے رموز موسیقی بتائے۔

صبح کو مین اُٹھی تو مارے خوشی کے جامے سے باہر تھی۔ سویرے ہی متوکل کی خدمت مین حاضر ہوئی۔ خواب کا واقعہ بیان کر کے وہ دھن سنا دی جو عریب بھی بھول گئی تھی۔ اُس نے سُن کر کہا "اس دھن کو تو مین مانے لیتی ہون کہ علیہ کی ہے۔ مگر یہ خواب تمھارا تصنیف کیا ہوا معلوم ہوتا ہے"۔ مین نے اسپر قسمین کھائین تو خلیفہ کو یقین آیا اور اُنھون نے تسلیم کر لیا کہ واقعی مجھے رات کو علیہ کی زیارت نصیب ہوئی۔

خرقاء

یہ بھی عرب کی ایک مشہور و معروف معشوقہ تھی۔ یون تو ہر زبان کے ادب، انشا اور ہر قوم کی شاعری مین چند معشوقائین مشہور ہوتی ہین مگر عرب مین چونکہ ہر شاعر کو اپنی شاعری کے لیے کسی خاص محبوبہ کی ضرورت پیش آیا کرتی تھی اس لیے جتنی مہ جبین دلربائین عرب مین مشہور ہوئین اور کسی زبان مین نہین مشہور ہو سکین۔

خرقاء کا عاشق صادق ذوالرمہ شاعر تھا جس کا کلام بہت مقبول و مشہور ہے اور وہ سارا کلام دراصل اسی مہ جبین ناز آفرین خرقاء کے حسن و جمال کا آئینہ ہے۔ ذوالرمہ کی وفات کے بعد خرقاء مدت تک زندہ رہی۔ اور بہت بوڑھی ہو کے مری۔ آخر عمر مین اُسے ضرورت تھی کہ اُسکی بیٹی کی نسبت کسی اچھے گھر مین ہو جائے۔ اس خیال سے کوشش کی کہ اُس کی اگلی شہرت پھر زندہ ہو۔ چنانچہ اُس وقت کے ایک دوسرے شاعر قحیف بن حمیر کے پاس کہلا بھیجا کہ میرے حُسن کی تعریف ادر میرے

عشق کے اظہار میں چند نظمیں کہہ کے مشہور کر دو۔ نحیف نے فوراً اُس کے حکم کی تعمیل کی اور دنیائے شعر و سخن کی اس محترم ملکہ کا نام عرب کی زندہ دل سوسائٹی میں از سرِ نو روشن کر دیا۔

اسی نحیف کا بھتیجا حجاج کہتا ہے میں حج کو گیا تھا۔ واپسی میں میرا گذر اُس مقام پر ہوا جہاں خرقاء رہتی تھی۔ اُن دنوں وہ نہایت ہی بوڑھی تھی۔ اور عہد شباب کی اُن دلربائیوں کا کہیں پتہ نہ تھا جنھوں نے ذوالرمہ کو دیوانہ بنا دیا تھا۔ میرا اُس کا سامنا ہوا تو پوچھنے لگی "حج سے آ رہے ہو؟" میں نے کہا "جی ہاں" مسکرا کے پوچھنے لگی "اور تمھارا حج ہو بھی گیا؟" میں نے جواب دیا "الحمد للہ کہ خدا نے حج پورا کرا دیا۔" بولی "جھوٹے ہو۔ تمھارا حج ہرگز نہیں ہوا۔" میں نے حیرت سے کہا تو دریافت کیا "کیوں؟" کہنے لگی "اس لیے کہ ذوالرمہ کہتا ہے۔

تمامُ الحجِّ اَن تقفَ المطایا علیٰ خرقاءَ واضعۃَ اللثامِ

مطلب یہ کہ حج اُس وقت پورا ہوتا ہے جب راہیں خرقاء کے سامنے آ کے ٹھہریں اور وہ بے نقاب نظر آئے۔

میں نے ہنس کے کہا "یہ اُن دنوں کا ذکر ہے جب تم جوان تھیں۔ شباب کا زمانہ تھا۔ دور دور لوگ تمھارے جمالِ جہاں آرا کی زیارت کے مشتاق تھے۔ اب تم میں نہ وہ اگلی نگاہ دلدوز ہے۔ اور نہ وہ پرانی کشش دل افروز۔ بولی "غلطی کرتے ہو۔ اپنے چچا نحیف کا شعر یاد کرو جو کہتے ہیں۔

وَخرقاءُ لا تزدادُ اِلّا ملاحۃً وَلَو عمّرت بعمر نوحٍ وَحلّت

مطلب یہ کہ خرقاء چاہے بڑی لمبی عمر کو پہونچے۔ عمر نوح پائے۔ اور بوڑھی پھونس ہو جائے مگر اُس کا حسن و جمال روز بروز بڑھتا ہی جائے گا۔

یہ سن کے حجاج سے جواب نہ بن پڑا۔ اور اُس سے رخصت ہو کے آگے کی راہ لی۔

عائشہ بنت طلحہ

(۱)

یہ عہد تابعین کی بڑی شریف النسب۔ زندہ دل۔ پارسا۔ و صاحب جمال خاتون

تھیں۔ اُن کو اپنا شرف یہ تھا کہ حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ کی صاحبزادی تھیں جنکا شمار عشرۂ مبشرہ میں ہے۔ دوسرا شرف یہ کہ اُنکی والدہ محترمہ ام کلثوم حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیٹی تھیں۔ جنکے وسیلے سے اُنھیں حضرت صدیقؓ اکبر کی نواسی اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بھانجی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اسکے سوا تیسرا فخر انکا یہ ہے کہ حضرت حسنین علیہما السلام کی سالی تھیں۔ اس لیے کہ انکی بہن ام اسحٰق کے ساتھ پہلے حضرت امام حسن علیہ السلام نے اور اُنکے بعد جناب امام حسین علیہ السلام نے نکاح کیا تھا۔ اور دونوں بھائیوں کو خدا نے انکے بطن سے اولاد عطا کی۔ اسلیے کہ امام حسنؑ کے فرزند طلحہ اور امام حسینؑ کی صاحبزادی فاطمہ انھیں کے بطن سے پیدا ہوئی تھیں۔

عائشہ بنت طلحہ کا حسن وجمال اُن دنون شرفاء معززین عرب مین نہایت مشہور تھا۔ اور علی العموم اہل سیر کہتے ہین کہ اُنکی صورت اُن کی خالہ عائشہؓ صدیقہ سے بہت ملتی تھی۔ اور حضرت عائشہ کو اُن سے محبت بھی ویسی ہی تھی۔ چنانچہ انھون نے اپنی اِن خوبصورت و پری تمثال بھانجی کا عقد اپنے سگے بھتیجے عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن ابی بکر کے ساتھ کر دیا۔ اُن سے عائشہ بنت طلحہ کو خدا نے پہلے جو فرزند دیا اس کا نام عمران تھا۔ اور اسی کی نسبت سے اُنھون نے اپنی کنیت ام عمران رکھ لی۔ عمران کے علاوہ انھین اپنے پہلے شوہر سے خدا نے تین اور اولادین بھی دی تھین۔ جن کے نام نامی ابوبکر۔ طلحہ۔ اور نفیسہ ہین۔ اُن کی صاحبزادی نفیسہ بھی حسن وجمال مین بے نظیر تھین۔ چنانچہ ولید بن عبد الملک کے ساتھ نکاح ہونے کے بعد وہ خلافت بنی امیہ کی ایک عالی وقار ملکہ بن گئین۔

عائشہ بنت طلحہ باوجود پارسا و پرہیزگار ہونے کے بڑی ناز آفرین بیوی تھین شوہر کا دل تو شکل سے اپنتین۔ اور جیسی زندہ دل۔ شوخ طبع تھین ویسی ہی نازک مزاج اور زبان کی تیز بھی تھین۔ نام حسبیت و مقبولیت اور اُسکے ساتھ دولت و امارت نے ان جذبات کو بڑھا دیا تھا۔ انھین خاندانی قرابت بنی تیم سے تھی۔ اور بنی تیم کی عورتون کی یہ شان سارے عرب مین مشہور تھی کہ ایک طرف تو اپنے شوہرون کی نہایت محبوبہ اور لاڈلی بیویان ہوتین اور دوسری طرف نہایت ہی زبان دراز

اور تیز مزاجی تھی۔ یہی صفت ایک حد تک ان محترم بیوی میں بھی موجود تھی۔

یہی حال اُن کی بیٹی اُم اسحٰق کا تھا۔ جن دنوں وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے عقد نکاح میں تھیں وہ اُن بیوی کی نسبت فرمایا کرتے "اکثر ایسا اتفاق ہوا کہ وہ حاملہ ہوئیں۔ اچھی ہوئیں۔ مگر اس پوری مدت میں مجھ سے اُن سے بگاڑ رہتا تھا اتنی بہت ترش تھی۔ نہ وہ مجھ سے بولتی تھیں نہ میں اُن سے بات کرتا تھا۔"

اس مزاج و مذاق کا انجام یہ تھا کہ عائشہ بنت طلحہ اور اُنکے شوہر عبدالرحمن سے بگڑی۔ اور حال یہاں تک بڑھا کہ عائشہ نے اُٹھ کے ایک چادر اوڑھ لی اور گھر سے نکل کے سیدھی خالہ حضرت اُم المومنین حضرت عائشہ کے پاس چلی آئیں اور اُنھیں کے گھر میں جو مسجد نبوی کے اندر تھا سکونت اختیار کر لی۔ اسی زمانے کا وہ قصہ ہے کہ مسجد نبوی میں ایک دن اتفاقاً اُنکے خوبصورت چہرے پر صحابی رسول اللہ حضرت ابوہریرہ کی نظر پڑ گئی۔ اور یہ جلوہ دیکھ کے وہ جمال جہان آرا دیکھ کے بے تحاشا اُن کی زبان سے نکلا "سبحان اللہ! معلوم ہوتا ہے جنت سے حور اُتر آئی ہے!" چار مہینے تک محترم خالہ کے پاس رہی تھیں مگر اُنھوں نے سمجھا بجھا کے میاں بیوی میں میل ملاپ کرا دیا۔ اور پھر شوہر کے پاس جا کے رہنے لگیں۔ مگر اب بھی بنتی نہ تھی۔ روز بگاڑ ہوتا۔ یہاں تک کہ ان لڑائیوں کا حال سُن سُن کے لوگوں نے عبداللہ سے کہا "یہی حال ہے تو پھر آپ طلاق کیوں نہیں دیدیتے؟" لوگوں کے اس ناگوار مشورے کو سُن سُن کے اُنھوں نے دو شعر پڑھے جن کا مضمون یہ تھا کہ "لوگ کہتے ہیں طلاق دیدو۔ مگر جس سے محبت ہو اُس کو کیونکر طلاق دوں؟" تھوڑے دنوں بعد عبداللہ کا انتقال ہوگیا۔ اور عائشہ بنت طلحہ باوجود رنجشوں کے اُن کی وفات تک اُنھیں کے عقد میں رہیں۔

ان پہلے ابن عم شوہر کی وفات کے بعد اُنھیں حضرت عبداللہ بن زبیر کے بھائی مصعب بن زبیر نے پیام دیا۔ عائشہ بنت طلحہ کی طرف سے بہت ہی ناقابل برداشت شرطیں پیش ہوئیں۔ اور مصعب نے اُن سب کو قبول کر لیا۔ چنانچہ پانچ لاکھ درہم مہر ادا کرکے اُن سے عقد کیا اور پانچ ہی لاکھ درہم نکاح کے بعد رونمائی میں دیئے۔ یہ خبر عبداللہ بن زبیر کو پہنچی تو اپنے بھائی مصعب کی نسبت کہا "اُنھوں نے

تلوار میان میں کر لی۔ اور حفظ نفس حاصل کرنے میں پڑ گئے۔" ان دونوں بھائیوں کا سب سے بڑا سنگدل دشمن عبد الملک بن مروان تھا۔ اُس نے جو عبد اللہ بن زبیر کا یہ فقرہ سنا تو ہنس کر کہا "عبد اللہ نے غلطی کی۔ مصعب تو دین و دنیا دونوں میں غافل ہیں"

بہرحال عبد اللہ بن زبیر نے یہ جملہ کہنے کے بعد مصعب کو ایک تحریر بھیجی جس میں عائشہ پر سختیوں پر سرزنش کی تھی۔ قسم دلائی تھی کہ تیر و زادہ سیدھے تو چلے آؤ اور مجھ سے مکہ معظمہ میں آ کے ملو۔ یہ بھی تاکید کی تھی کہ راستے میں مقام مدینہ کے سوا اور کسی جگہ نہ ٹھہرنا۔ اور وہاں ٹھہرنے کو میں نے کہا بھی تو اس لیے کہ میرے خیال میں شاید تمہیں وہ شخص جو بدر والوں میں ہیں دیکھنے کو ملیں گے۔ مصعب کو یہ تحریر ملی تو فوراً مکے میں آئے معظم و محترم بھائی سے ملے۔ اور عجز و الحاح کے ساتھ قصور معاف کرا کے انھیں راضی کر لیا۔

مصعب کے عقد میں آنے کے بعد جناب عائشہ بنت طلحہ کے غمزہ و ناز کی یہ حالت تھی کہ کبھی انھیں اپنے پنڈے میں ہاتھ نہ لگانے دیتیں۔ مصعب خوشامدیں کرتے مگر وہ ایک نہ سنتیں۔ آخر ایک دن مصعب نے عاجز آ کے اس کی شکایت اپنے معتمد اور منشی ابن ابی فروہ سے کی۔ اُس نے کہا "آپ کی ناز برداری نے اُنکے ناز و انداز بڑھا دیے ہیں۔ آپ کی اجازت ہو تو میں دم بھر میں انھیں سیدھا کر کے آپ کی خوشی پر لا دوں۔" مصعب نے کہا "میں تمھیں اجازت دیتا ہوں۔ مگر اتنا خیال رہے کہ اُن سے زیادہ محبوب مجھے دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ اور خدا نے اپنے فضل و کرم سے مجھے جتنی نعمتیں عطا فرمائی ہیں اُن سب سے زیادہ شیریں و پسندیدہ نعمت میں انھیں کو سمجھتا ہوں۔" ابن ابی فروہ نے کہا "آپ اطمینان رکھیں۔ انھیں ضرر کسی قسم کا نہ پہونچے گا۔" اسکے بعد ابن ابی فروہ نے دو قوی ہیکل حبشی غلاموں کو ساتھ لیا۔ اور جناب عائشہ کے دروازے پر جا کے دروازہ کھلوایا۔ اور اندر جانے کی اجازت مانگی۔ اُسوقت رات ہو چکی تھی اور اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ بولیں "بھلا اندر آنے کا یہ کون وقت ہے؟" جواب دیا "جی ہاں میں اسی وقت آنے پر مجبور ہوں۔" عائشہ سامنے سے ہٹ گئیں اور اُس نے گھر کے اندر داخل ہو کے غلاموں کو حکم دیا کہ

کہ انگنائی میں ایک گہرا گڑھا کھودو۔ وہ دونوں چونکہ نہیں ساتھ لائے تھے کھودنے لگے
اور جناب عائشہ اور اُنکی کنیزیں گھبرا گھبرا کے دیکھ رہی تھیں کہ یہ گڑھا کیوں کھودا
جا رہا ہے؟ آخر ایک کنیز نے پوچھا کہ "گڑھا کیوں کھود رہے ہو؟" ابن ابی فروہ نے
کہا "اب اس کا کیا جواب دوں؟ تمھارے آقا کمبخت اتنے بڑے ظالم و سنگدل ہیں
کہ دم مارنے کی مجال نہیں۔ میں تو یہ کام نہ کرتا۔ مگر افسوس اُن سے ڈرتا ہوں۔
اور اُن کے حکم سے مجبور ہوں" اُس کنیز نے گھبرا کے پوچھا "آخر اُنھوں نے کیا
حکم دیا ہے؟" کہا "حکم یہ ہے کہ ایک گہرا کنواں کھود کے تمھاری بیوی کو اُس میں زندہ
دفن کر دوں" یہ سنتے ہی سب کنیزیں کانپ گئیں۔ اور عائشہ بنت طلحہ کے تو ہوش و
حواس بجا نہ تھے۔ ابن ابی فروہ کے پاس آ کے رحم کی التجا کرنے لگیں۔ اُس نے کہا
بیوی آپ کے میاں اتنے بڑے سنگدل ہیں کہ جس کی حد نہیں۔ دنیا بھر میں اُن سے
بڑا خونریز آدمی نہیں پیدا ہوا ہے۔ کس کی مجال ہے کہ اُنکے حکم کو ٹال کے اپنی
جان خطرے میں ڈالے؟" جناب عائشہ نے خوشامد کرکے کہا "اچھا اتنا ٹھہرو کہ
میں ذرا اُن سے مل لوں" ابن ابی فروہ نے کہا "افسوس یہ تو ہو ہی نہیں سکتا" اور
ساتھ ہی غلاموں کو ڈانٹا کہ جلدی کھودو۔ اُس کی یہ مستعدی دیکھ کے جناب عائشہ
اور سب کنیزیں زار و قطار رونے لگیں۔ اور گھر بھر میں ٹپس پڑ گئی۔ تھوڑی دیر رونے
پیٹنے کے بعد اُنھوں نے نہایت ہی یاس کے لہجے میں کہا "تو کیا اب مجھے مار ہی ڈالیگا؟
اور میرے بچنے کی کوئی صورت نہیں؟" ابن ابی فروہ نے کہا "حضور کیا عرض کروں۔ اللہ
جل شانہ اس سنگدل ظالم سے اُس کا بدلہ ضرور لے گا۔ مگر اس وقت کوئی بات بن
نہیں پڑتی۔ خدا نہ کرے کہ اُسے غصہ آئے۔ اُس کا غصہ وہ کافر غصہ ہے کہ جس کی
کوئی روک نہیں" عائشہ نے پوچھا "تو آخر میرا قصور کیا ہے؟ جو مجھ پر یہ غصہ ہے؟"
بولا "یہی کہ آپ اُن کا کہنا نہیں مانتیں۔ اُنکو خیال پیدا ہو گیا ہے کہ آپ کے دل
میں اُن کی طرف سے کینہ ہے۔ اور آپ کے دل میں کوئی اور بیٹھا ہوا ہے۔ اسی
طیش میں وہ آپے سے باہر ہو گئے ہیں" بولیں "تو تمھیں خدا کی قسم دلاتی ہوں کہ
اُنکے پاس جا کے اس بارے میں کچھ کہو سنو" ابن ابی فروہ نے کہا "لیکن ڈر لگتا
ہے کہ میں حکم کی تعمیل کرنے سے پہلے اُنکے سامنے گیا اور اُنھوں نے میرے قتل کا

حکم دے دیا تو کیا ہوگا؟" اس جواب پر پھر غصّہ آ گیا اور منہ پھیر لیا۔ جب دیر تک یہی حالت رہی اور ابن ابی فروہ نے سب کچھ کہہ سن کر بی بی عائشہ کو خوب سمجھا لیا تو کہا "افسوس آپ جی کی یہ حالت ہے اب مجھ سے نہیں دیکھی جاتی۔ اب چاہے مارا جاؤں یا زندہ بچوں، ان کے پاس جاتا ہوں۔ مگر حضور فرمائیں تو سہی ان سے جا کے کیا کہوں؟" بولیں "تم ان سے وعدہ کرا لو کہ مجھ سے پھر کبھی ایسی حرکت نہ ہوگی۔" کہا "اور اس معاوضے میں حضور بھی ان کے ساتھ کیا سلوک کریں گی؟" کہا "جیسا کہ جیتی ہوں ایسا منظور رہوں گی۔" بولا "تو پھر قسم کھا کے اقرار اور عہد و پیمان کیجیے۔" انھوں نے عہد کیا۔ اور ابن ابی فروہ خوش خوش گھر سے نکل کے مصعب کے پاس آیا۔ اور ساری سرگذشت بیان کی۔ ان کو ابن ابی فروہ کی کارروائی پر تعجب ہوا۔ اور کہا "تو پھر جا کے ان سے قسم بھی لے لو کہ اب کبھی مجھ سے نہ لڑیں گی۔ اور نہ میرا کہنا رد کریں گی۔" ابن ابی فروہ نے فوراً جا کے اس کی بھی تعیین کرا دی۔ اور غلام اُن کو لے کے واپس آیا۔ اور مصعب [illegible] دونوں کے لیے ملاپ ہو گیا۔

ایک بار اور مصعب سے بگاڑ ہوا۔ اور اتنے دنوں کشیدگی رہی کہ دونوں کو اس کا ملال محسوس ہونے لگا۔ اسی اثنا میں مصعب ایک میدان جنگ میں گئے۔ اور وہاں سے فتحیاب ہو کے واپس آئے۔ ان کے آنے کی خبر سنی تو عائشہ نے اپنی ایک کنیز سے کہا "افسوس مجھ سے اُن سے بگاڑ ہے۔ اور اب اس ملال سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔" اُس نے کہا "اس سے بہتر ملاپ کا کوئی موقع نہیں ہو سکتا۔ آپ اسی وقت چلی جائیے اور فتح کی مبارکباد دیں۔" دل میں نیکی آ گئی۔ فوراً چلی گئیں۔ اور فتح کی مبارکباد دی۔ مصعب چونکہ اسی وقت میدان جنگ سے گرد و غبار سے چلے آتے تھے چہرے اور کپڑوں پر انتہا غبار پڑا ہوا تھا۔ اپنے ہاتھ سے اُن کے چہرے اور جسم کو جھاڑنے لگیں۔ مصعب خود زرہ پہنے ہوئے تھے کہنے لگے "زیادہ قریب نہ آؤ۔ لوہے کی بو سے تمہارے سر میں درد ہونے لگے گا۔" بولیں "یہ بو خدا کی قسم مجھے مشک و عنبر کی خوشبو سے زیادہ پیاری ہے۔"

عائشہ بنت طلحہ کی ناز آفرینی اور نازک مزاجی کی یہ حالت تھی کہ ایک دن صبح صبح مصعب آ کر بڑے بڑے موتیوں کے دانے لیے ہوئے آئے۔ اُن کو تو اپنا ناز

سے جگایا۔ اور موتی اُن کی گود مین ڈال دیے۔ وہ آنکھین ملتی ہوئی اُٹھین۔ اور کہا "جو لطف اس وقت نیند مین آرہا تھا اُسکے سامنے یہ موتی کچھ نہین۔ مجھے ناحق جگا دیا"

(۳)

اُن دنون اشعب نام ایک مسخرہ تھا جس کی بڑے بڑے معززین مین رسائی تھی۔ اور اُسکے صدہا واقعات مشہور ہین۔ حضرت سکینہ بنت حسین رضی اللہ عنہا کے حالات مین بھی اُسکے متعدد واقعات کتب سیر مین درج ہین۔ یہ اشعب مصعب کی خدمت مین اکثر آیا کرتا تھا۔ ایک دن جناب عائشہ بنت طلحہ مصعب سے سخت ناراض تھین۔ اور مصعب اسی فکر مین بیٹھے تھے کہ اشعب آگیا اور اُنکو فکرمند دیکھ کے جویاے حال ہوا۔ اُنھون نے ساری سرگذشت بیان کر دی اور اپنی پریشانی ظاہر کی۔ اشعب نے کہا "اگر مین اُنھین راضی کر دون تو کیا دیجیےگا" کہا "جو مانگو"۔ اشعب نے کہا "دس ہزار درہم لون گا"۔ مصعب نے کہا "اچھا" اُن سے اقرار لے کے اشعب جناب عائشہ کے پاس پہونچا۔ اور عرض کیا "حضور یہ غلام آپ پر سے قربان ہو۔ حضور جانتی ہین کہ اس خادم کو آپ سے کیسی محبت ہے؟ میری وفاداری آج ہی کی نہین پرانی ہے۔ اور مین درصل حضور ہی کی خوشی پر جیتا ہون۔ اور پھر میری یہ خوشامد کسی غرض سے نہین ہے بلکہ خالص جوش محبت اور سچی عقیدت پر مبنی ہے۔ حضور نے ہمیشہ مجھ پر عنایت بنا رکھا ہے۔ اس وقت ایک خاص ضرورت حضور کی ڈیوڑھی پر لائی ہے۔ نظر عنایت ہوگئی تو زندگی بھر بے داموں کا غلام رہونگا"۔ جناب عائشہ نے ہنس کے کہا "کچھ کہوگے بھی یا یونہین فضول بکتے چلے جاؤگے؟" بولا "جی ہان عرض کرتا ہون۔ مجھے فی الحال دس ہزار درہم کی ضرورت ہے۔ اور ہمارے امیر مصعب نے وعدہ کر لیا ہے کہ یہ رقم اسی وقت دیدین گے بشرطیکہ حضور اُن سے راضی ہو کے ملاپ کر لین"۔ یہ سنتے ہی عائشہ کی جبین ناز پر شکن پڑ گئی۔ سخت برہمی سے کہا "یہ ہرگز نہین ہو سکتا۔ قیامت تک نہ ہوگا"۔ اشعب نے کہا "تو پھر ایک کام کیجیے۔ دو ایک روز کے لیے راضی ہو کے مل لیجیے۔ اور جیسے ہی مجھے رقم مل جائے پھر لڑ جھگڑ کے بگڑ جایےگا۔ اور وہی کج ادائیان اور ...

جو خدا نے آپ کو دی ہین اختیار کر لیجیے گا۔“ یہ سُن کے عائشہ کو ہنسی آ گئی۔ اور اُسکے کہنے کے بموجب مصعب سے ملاپ کر لیا۔

اسی طرح ایک اور دفعہ کا واقعہ ہے کہ عائشہ او مصعب مین لڑائی ہوئی۔ ناراضی او بگڑنے مین عائشہ یہان تک بڑھین کہ غصے مین کہ بیٹھین ”مصعب میرے بھائی کی جگہ ہین۔“ یہ کہتے ہی اپنا کمرہ بند کر کے بیٹھ رہین۔ او مصعب نے لاکھ صفائی کی تدبیرین کین کوئی کارگر نہ ہوئی۔ آخر عاجز آ کے اُنھون نے قیس رقیات کو جو اُس عہد کے ایک صاحب اثر بزرگ تھے درمیان مین ڈالا۔ اُنھون نے آ کے جناب عائشہ بنت طلحہ کو سمجھانا شروع کیا۔ کہنے لگین ”آپ کے کہنے سے مین مل بھی جاؤن تو اس کا کیا علاج ہے کہ اُن سے نہ ملنے کی قسم کھا چکی ہون۔ اور اُنھین اپنا بھائی بتا چکی ہون۔“ قیس نے کہا ”اس کا یہ علاج ہے کہ مفتی عراق اور فاضل و فقیہ زمانہ امام شعبی موجود ہین۔ آپ اُن سے فتوے اور مشورہ لے لیجے۔ وہ بتا دین گے کہ یہ دشواری کیسے دُور ہو سکتی ہے۔“ بہر حال قیس کے کہنے سے شعبی بلوائے گئے۔ اُنھون نے چار ہزار درہم کفارے مین بتائے۔ اور کہا ”یہ رقم ادا کر دیجیے۔ آپ کے سامنے سے قسم کی دیوار ہٹ جائے گی۔ اور پھر مصعب سے ملنے مین کوئی مضائقہ نہ ہوگا۔“

مصعب سے اکثر بگاڑ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ عائشہ بنت طلحہ اُن کا کہنا بہت کم مانتی تھین۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ وہ اپنا چہرہ عام لوگون سے چھپاتی نہ تھین۔ جو آتا اُس کو اپنی صورت دکھا دیتین۔ اس پر مصعب بگڑتے۔ اور بے پردگی سے روکتے۔ اسکے جواب مین ان کے چھیڑنے کے لیے کہتین ”خدا نے مجھے زیور جمال سے آراستہ کیا ہے۔ اچھا نہین معلوم ہوتا کہ خدا کی اس نعمت کو مین لوگون سے چھپاؤن۔ اور اُنکو اِس خوبصورت چہرے کی زیارت سے محروم رکھون۔“ اس پر مصعب اور برافروختہ ہوتے۔

مگر یہ روایت یقیناً غلط ہے۔ اس لیے کہ اُنکی زندگی کے تمام واقعات سے متواتر ظاہر ہوتا ہے کہ اپنا چہرہ چھپاتین اور پردے مین رہتی تھین۔ ممکن ہے کہ اتفاقی طور پر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یا بعض اور لوگون نے جو اُنکی صورت

دیکھ پائی تھی اُس کی شکایت مصعب نے کی ہو۔ اور ناز بردار شوہر کے چھیڑنے اور چڑھانے کے لیے اُنھوں نے یہ جواب دے دیا ہو۔ اگر یہ صحیح واقعہ ہوتا تو اُن کا طرز عمل بھی اس کے مطابق ہوتا۔ حالانکہ اُن کے مشرح و مفصل حالات میں بے پردگی کا مطلق پتہ نہیں چلتا۔

اسی طرح یہ واقعہ بھی غلط اور بے اصل معلوم ہوتا ہے جو مصعب کے ساتھ عائشہ کا نکاح ہونے کے متعلق بعض اہل روایت نے بیان کیا ہے کہ ایک دن مصعب بن زبیر۔ عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابی بکر۔ و سعید بن عاص جو اُس دور کے وضعدار شوقین اور دولتمند نوجوانان قریش میں سے تھے عزۃ المیلاء کے پاس گئے جو اُن دنوں مدینے کی ایک بڑی مشہور صاحب جمال مغنیہ تھی اور اکثر عورتوں کے مذاق و حالات سے واقف رہا کرتی تھی۔ ان تینوں نے اُس سے کہا کہ ہم نے اپنی شادیاں ٹھہرائی ہیں اور دولھنیں بھی تجویز کر لی ہیں۔ مگر اتنا چاہتے ہیں کہ نکاح کے پیشتر تمھارے ذریعے سے دریافت کر لیں کہ یہ لڑکیاں کیسی شکل و شمائل کی ہیں۔" عزۃ المیلاء نے کہا "اچھا تم نے کن کن لڑکیوں کو تجویز کیا ہے؟" مصعب نے عائشہ بنت طلحہ کو۔ عبداللہ نے اُم قاسم بنت زکریا کو۔ اور سعید نے عائشہ بنت عثمان بن عفان کو بتایا۔ عزہ اُنکو اپنے مکان میں بٹھا کے گئی۔ ان سب بیویوں سے ملی۔ اُن کے جسم اور اُن کی صورتوں کو بخوبی دیکھا۔ بلکہ عائشہ بنت طلحہ نے تو اُس کی خواہش کے مطابق برہنہ ہو کر اُسے اپنے ہر ہر عضو کے دیکھنے اور اُس پر غور کرنے کا موقع دے دیا۔ اور جب وہ چلی تو کہا تمھارا کہنا تو میں نے کر دیا۔ اب تم میرا کہنا بھی کر دو۔" اُس نے کہا "جو حکم ہو۔" فرمایا "کچھ گا کے سناؤ۔ جس کا ایک زمانہ مشتاق ہو رہا ہے۔" عزہ نے دو ایک راگ گا کے سنائے جس پر عائشہ بہت خوش ہوئیں۔ اور خلعت و زیور سے سرفراز کر کے رخصت کیا۔ گھر واپس آ کے عزہ نے مصعب سے کہا "سنو۔ تمھاری دولھن حسن و جمال میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔ ہر عضو سانچے میں ڈھلا ہوا ہے۔ اور ہر ادا معشوقانہ ہے۔ بڑی تلاش سے اُن میں فقط دو عیب نظر آئے۔ ایک کان بڑے ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ پاؤں بھی بڑے ہیں۔ مگر ان عیبوں پر انسان کی نظر نہیں پڑ سکتی۔ اس لیے کہ کانوں کو خمار چھپائے رہتی ہے۔ اور پاؤں

تنہائیوں میں چھپے رہتے ہیں۔ اسکے بعد اور دونوں نوجوانوں کو اُن کی دو طلبون کی نسبت بھی اطمینان دلایا۔ اور اُسی کے مشورے سے تینوں نے اُن لڑکیوں کے ساتھ شادیاں کیں۔

اس روایت کے بے بنیاد ہونے کی کھلی وجہ یہ ہے کہ اس میں مصعب و عبد اللہ بن عبد الرحمن دونوں کی نسبت کہا گیا ہے کہ ایک ساتھ عزۃ المیلاء کے پاس آئے اور مصعب نے بتایا کہ وہ عائشہ بنت طلحہ کے ساتھ عقد کرنے والے ہیں۔ حالانکہ عائشہ بنت طلحہ کا عقد پہلے انھیں عبد اللہ بن عبد الرحمن کے ساتھ ہوا تھا۔ اور اُنکی وفات کے بعد مصعب کو انھیں پیام نکاح دینے کا موقع ملا۔

مصعب باوجود اُن تمام جھگڑوں اور روزروز کی لڑائیوں کے جناب عائشہ بنت طلحہ کے شمع رخسار کے پروانے تھے۔ ایک دم کو بھی بغیر ان نازآفرین بیوی کے چین نہ آتا تھا۔ اور لڑائی کے بعد جب تک راضی کر کے ملاپ نہ کر لیتے بیتاب و بیقرار رہتے۔

ایک دن عائشہ نے کسی تقریب میں قریش کی بہت سی شریف زادیوں اور محترم بیویوں کو اپنے گھر میں مہمان بلایا۔ محفل طرب کے لیے بڑے تکلفات کیے۔ ہر طرف پھولوں کے ہار لٹک رہے تھے۔ گلدستے رکھے تھے۔ اُنکی خوشبو سے سارا مکان مہک رہا تھا۔ الوان نعمت اور تروتازہ میوہ جات چُنے ہوئے تھے۔ جو جو بیویاں آئیں اُن کو عزت و تکلف سے بٹھایا۔ کھلایا پلایا۔ سب کو ملبوس مذہب جوڑے پہنائے۔ اور اسکے بعد مذکورۂ بالا مغنیہ عزۃ المیلاء اس زنانی محفل میں بیٹھ کے گانے لگی۔ اُس کو بھی گانا شروع ہونے سے پہلے بھاری خلعت فاخرہ عطا ہو چکا تھا۔ عزۃ المیلاء نے چند گیتوں کے بعد امراء القیس کے چند عاشقانہ اشعار گائے۔ جن میں اُس کی محبوبۂ نازنین کے دُر دندان اور لب خندان کی تعریف تھی۔ یہاں سے قریب ہی مردانے میں مصعب چند ندیمان صحبت کے ساتھ بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ عزہ کی تانیں اُن کے کانوں میں پہونچیں۔ اُٹھ کر محفل کے قریب آئے اور پردے کے پاس کھڑے ہو کے گانا سننے لگے۔ عزہ جیسے ہی امراء القیس کے اشعار گا چکی بے اختیار چلا کے داد دی۔ اور کہا "عزہ خدا کرے جیتی رہو۔ جن

چیزون کا تم اپنے نغمے مین ذکر کر رہی ہو ہم نے اُن کا لطف اُٹھایا۔ اور خدا کی قسم ویسا ہی پایا جیسا کہ تم کہتی ہو۔" اس کے بعد عائشہ کے پاس کہلا بھیجا" اس وقت تم تک تو ہماری رسائی غیر ممکن ہے مگر عزہ کو اتنی اجازت دو کہ یہان ہمارے پاس آکے دو ایک چیزین گا دے۔ تاکہ ہم بھی اس لطف سے محروم نہ رہین۔" عائشہ نے اجازت دی اور عزہ نے مردانے مین آکے وہی امراؤ القیس کے اشعار بار بار سنائے۔ مصعب کی یہ حالت تھی کہ اُن اشعار کو کسی طرح سُن ہی نہ چکتے تھے۔ معلوم ہوتا کہ جوش بیخودی سے دیوانے ہو رہے ہین۔ دیر کے بعد جب عزہ خود ہی رکی تو کہا" کیا خوب گاتی ہو! تم اپنا جواب نہین رکھتین۔ تمھارا نغمہ بھی بے نظیر ہے اور جن اشعار کو گا رہی ہو وہ بھی بے نظیر ہین۔" اسکے بعد خدا خدا کرکے عزہ کو زنانی محفل مین جانے کی اجازت دی۔ جہان خاتونان مدینہ کو بہت دیر تک وہ اپنے نغمے سے محظوظ کرکے اپنے گھر واپس گئی۔

(۳)

بیوگی کے زمانے مین عائشہ بنت طلحہ نے ایک مرتبہ خلافت کی بے اعتنائیان دور کرنے کے لیے دمشق کا سفر بھی کیا تھا۔ اور ہشام بن عبد الملک کے دربار مین پہونچین۔ جو ولید کے بعد مسند نشین خلافت ہوا تھا۔ اس کے قصر مین پہونچین تو اُس نے پہچانتے ہی کہا" آپ نے دارالخلافہ تک سفر کرنے کی کیون زحمت فرمائی؟" فرمایا" اس لیے کہ جس طرح آسمان نے اپنے مینہ کو روکا ہے ویسے ہی دولت بنی امیہ نے ہمارے حقوق روک دیے۔" بولا" بہتر۔ مین آپ کی حق شناسی کرون گا۔" اسکے بعد چونکہ اُس وقت آپ دنیائے اسلام کی ایک نامور اور عدیم المثال خاتون تھین تمام معززین بنی اُمیہ کے پاس کہلا بھیجا" عائشہ بنت طلحہ یہان آئی ہوئی ہین لہذا آج شب کو آپ سب صاحب میرے مکان پر آکے اُن سے ملین۔ اور اپنے فضل و کمال کا ثبوت دین۔" اس منشور خلافت کے مطابق رات کو قصر خلافت مین بڑا بھاری مجمع ہو گیا۔ اور لوگون نے باتون باتون مین اپنی تاریخ دانی۔ ایام عرب کی واقفیت۔ اور اشعار جاہلیت عرب مین اپنی وسیع النظری ظاہر کی۔ مگر عائشہ بنت طلحہ کی واقفیت عامہ۔ تاریخ و سیر سے آگاہی۔ اور شعر خوانی سب سے

صفتوں کا اظہار کیا ہے وہ فیاضی - پرہیزگاری - دینداری - اور اسکی فرحت بخش خوشبو وغیرہ ہیں۔" اسکے بعد ایک ہزار درہم دے کر اُسے رخصت کر دیا۔ دوسرے جمعے کو آپ نے دیکھا کہ وہ پھر باہر کھڑا ہے - بلوا لیا - وہ پھر زینب کی تعریف کی فرمایش کی - اُس نے کہا " آج چند وہ شعر سناؤں جو حارث بن خالد نے حضور کی تعریف میں کہے ہیں؟" آپ کی کنیزیں اُسے مارنے کو تھیں مگر آپ نے اُنھیں روکا - اُسے اجازت دی - اور اُس نے حارث کے اشعار آپ کے حسن اور عفت کی تعریف میں سنائے - آپ نے اُن شعروں کی داد دی اور اُسے ایک ہزار درہم اور دے کے رخصت کیا - افسوس ہمیں جناب عائشہ بنت طلحہ کا سنہ وفات نہیں معلوم ہو سکا -

(۴)

مگر افسوس کہ خلافت کے جھگڑوں نے چند روز بعد مصعب بن زبیر کو جام شہادت پلا دیا - اپنے محترم مدعی خلافت بھائی عبداللہ بن زبیر کی طرف سے وہ عبدالملک بن مروان کے مقابلے پر روانہ ہوئے - اور ایسی بہادری و شجاعت سے لڑے جو تاریخ اسلام میں ہمیشہ یادگار رہے گی - مگر تقدیر برسر خلاف تھی ۔ میدان جنگ میں شہید ہوئے - اور اُن کی شہادت نے عائشہ بنت طلحہ کے دل کو سخت صدمہ پہنچا - زندگی میں اگرچہ باہم اکثر بگاڑ ہوا مگر وہ لڑنا اور ملنا بھی لطف کا تھا - اب اُن کے بعد ہر عیش کے موقع پر جناب عائشہ کو مصعب یاد آیا کرتے تھے

مصعب حکمرانی اور پولٹیکل معاملات میں ناکام رہے مگر دنیوی عیش اور خانگی مسرتوں کے لحاظ سے اُن دنوں اُن سے زیادہ خوش نصیب ساری دُنیا میں کوئی نہ تھا - حضرت ابوبکر صدیقؓ کی نواسی عائشہ بنت طلحہ اور حضرت علی مرتضیٰؓ کی پوتی سکینہ بنت حسینؓ دونوں اُنکے نکاح میں تھیں - اور اُنکی محبوبہ بیویاں تھیں - اور یہ دونوں بیویاں شرافت و علو نسب - عصمت و عفت - لطافت معاشرت - علم و فضل - زندہ دلی و بذلہ سنجی - اور عدیم المثال حسن و جمال کے لحاظ سے انتخاب روزگار تھیں - ان دونوں میں سے ایک بھی جس کی ایسی زندگی بیوی ہوتی - اُس کی خوش نصیبی پر ادنیٰ و اعلیٰ سب کو حسد ہوتا - یہاں تک کہ خلفا

بھی اپنے عیش کو اُس سے کم پاتے۔ نہ کہ اُن دونون کا ایک گھر مین جمع ہوتا اور ایک ہی کی بیویان بن جانا۔ یہ وہ چیز تھی جس کی بدولت مصعب بن زبیر جب تک زندہ رہے محسودِ روزگار رہے۔ مصعب بن زبیرؓ ایک مرتبہ تمنائی تھی کہ مین قریش کی دونون بہترین و حسین ترین خاتونون عائشہ و سکینہ کا شوہر ہون۔ اور عراقین یعنی عراق عرب و عجم کی عنانِ حکومت میرے ہاتھ مین ہو۔ اُن کی یہ آرزو خدا نے پوری کردی۔ اور متاعِ دنیوی کے لحاظ سے محسودِ روزگار بنا دیا۔

مصعب کی شہادت کے بعد بشر بن مروان نے جو فاتح خلیفہ وقت کا بھائی تھا جناب عائشہ بنت طلحہ کو نکاح کا پیام دیا۔ اُسی زمانے مین اتفاقاً عمر بن عبید اللہ بن معمر تمیمی شام سے کوفے مین آئے تھے۔ وہ معزز اور دولتمند شرفائے قریش مین تھے۔ عائشہ سے خاندانی قرابت رکھتے تھے۔ اور اُنکے اوصاف سے بخوبی واقف تھے۔ اُنھون نے جو بشر کے پیام کا حال سُنا تو فوراً اپنی ایک کنیز عائشہ کے پاس بھیجی اور کہلا بھیجا "سنتا ہون تم کو بشر نے پیام دیا ہے۔ مگر جہان تک مین خیال کرتا ہون اُس کم رو مبتلائے بواسیر و ورم طحال سے مین اچھا ہون۔ اور پھر تم میری بنت عم ہو تم پر میرا حق بھی ہے۔ لہٰذا اگر تم میرے نکاح مین آنا پسند کرو تو وعدہ کرتا ہون کہ تمھاری صحبت کو عیش سے اور تمھارے گھر کو دولت سے بھر دون گا۔"

عائشہ نے اُن کا پیام قبول فرمایا۔ اور مقام حیرہ مین عقد اور رخصتی کی کارروائی عمل مین آئی۔

عمر بن عبید اللہ نے نکاح کے دن دس لاکھ درہم نقد اُنکے پاس بھجوا دیے جن مین سے پانچ لاکھ مہر کی بابت تھے اور پانچ لاکھ نذرانے اور رونمائی کے نام سے اور چونکہ حیرہ مین الگ خیمے مین تنہا پڑے تھے اور نئی مشہورِ آفاق دولھن سے ملنے کا شوق بیتاب کیے ہوے تھا۔ جناب عائشہ کی معتمد علیہ کنیز کو بُلا کے کہا "اگر آج ہی شب کو مجھے تمھاری بیوی سے ملنے کا موقع نصیب ہو جائے تو تم کو ایک ہزار دینار انعام دون گا"۔ کنیز نے وعدہ کیا۔ اور اشرفیون کی پوٹلی لے کے واپس گئی۔ جسکو اُس نے حجلۂ عروسی کے ایک کونے مین زمین پر رکھ دیا۔ اتنے مین عائشہ آگئین۔ زمین پر ایک اونچی چیز دیکھ کے اُس کے قریب گئین۔ اور کنیز سے پوچھا "یہ کیا ہے؟

فرش [illegible] یا کپڑے ہیں؟" کنیز نے کہا "آپ پوچھتی کیا ہیں؟ خود ہی نہ دیکھ لیجیے کہ [illegible]" [illegible] نے جھانک کے دیکھا۔ اور یہ دیکھ کے کہ [illegible] ہیں۔ سننے کے بعد واپس جانے کو تھیں کہ کنیز نے ہاتھ جوڑ کے کہا "بیوی [illegible] ایک نہ تم مجھے مفت دے ڈالی اسکے لیے بھلا یہ مناسب ہے کہ [illegible] پڑا رہے؟" [illegible] "مناسب تو نہیں ہے۔ مگر میں نے [illegible] کیا ہے [illegible] زیور پہنا ہے۔ آج اسی وقت [illegible] کھول دو؟" [illegible] حضور کے لیے ان چیزوں کی ضرورت ہی نہیں [illegible] کا پیارا [illegible] ہے۔ جس [illegible] اس [illegible] جس لباس [illegible] اور خوبصورت [illegible] ہیں۔ [illegible] عطر [illegible] اب تو [illegible] خوشی [illegible] گئیں۔ اور [illegible] لائی۔

[illegible] آئے۔ یہاں آئے تو دسترخوان بچھا ہوا تھا [illegible] سات [illegible] دسترخوان چنوائے ہیں کہ وہ [illegible] اگر [illegible] دسترخوان نہ تھے تو ایک پر سات آدمیوں کا کھانا ضرور تھا۔ وہ ہاتھ دھو کے بیٹھے تو دم بھر میں سارا دسترخوان صاف کر دیا۔ کھانے سے ہاتھ دھو کر وضو کیا۔ اور نماز عشاء پڑھنا شروع کی۔ نماز میں اتنی رکعتیں پڑھیں اور اتنی دیر تک مصروف عبادت رہے کہ کوئی اور ہوتا تو سات دفعہ عشاء کی نماز پڑھ لیتا۔ وہی کنیز کہتی ہے کہ انھوں نے نماز میں اتنی دیر لگائی کہ میں پڑکے سو گئی۔ عبادت سے فارغ ہو کر انھوں نے مجھے جگایا۔ میں نے اٹھ کر انھیں حجلۂ عروسی میں پہنچا دیا۔ اور آپ کے لیٹ رہی۔ رات کو وہ سات بار اٹھ اٹھ کر نہائے۔ اور فجر کے وقت جب وہ غسل کر کے اور نماز پڑھ کے بیٹھے تو میں سامنے جا کے کھڑی ہوئی۔ میری طرف دیکھ کر مسکرائے اور پوچھا کچھ کہو گی؟" میں نے کہا "میں کیا عرض کروں۔ آپ کا سا آدمی نہیں دیکھا۔ آپ نے رات کو سات آدمیوں کا کھانا اکیلے کھا لیا۔ پھر نماز بھی ایسی پڑھی جو سات آدمیوں کی نماز کے برابر تھی۔ اور

اسکے بعد تو آپ جانتے ہی ہیں" یہ سُن کر وہ بے اختیار ہنس پڑے اور اپنا ہاتھ عائشہ کے شانے پر مارا۔ اُنھوں نے مسکرا کے اور شرما کر اپنا سر جھکا لیا۔

عمر بن عبید اللہ سے لڑائی اور بگاڑ کے واقعات تو زیادہ نہین سُنے گئے۔ مگر اس مین شک نہین کہ اُنکے چھیڑنے ستانے اور تنگ کرنے مین بھی وہ کوئی کسر اُٹھا نہ رکھتی تھین۔ ایک دن خوشی مین آکر اُنھون نے عائشہ سے کہا "یون تو مجھے بہت سے معرکے پیش آئے۔ مگر آج تک معرکۂ ابو فُدیک سے زیادہ سخت معرکہ مجھ پر نہین گذرا۔" عائشہ نے کہا "اچھا بتاؤ تم لڑائی کے کتنے میدانون مین گئے؟ کتنے معرکون سے سابقہ پڑا؟ اُن مین سخت کون کون تھے؟ اور سب سے زیادہ سخت کون معرکہ تھا؟" کہا "سنو۔ سب سے پہلا معرکہ سیستان تھا۔ اُسکے بعد ارض فارس مین معرکۂ قطری پیش آیا۔ اسی طرح وہ بہت سی لڑائیون کو گنوا گئے۔ جب کہہ چکے تو عائشہ نے کہا "تم نے سب معرکے گنوا دیے مگر اُس دن کا نام نہ لیا جس روز تمھین سب سے زیادہ سخت معرکہ پیش آیا تھا۔ اور ہمیشہ سے بڑھ کر بہادری دکھانی پڑی تھی؟" پوچھا "وہ کون سا معرکہ ہے؟" کہا "جس دن تم مجھکو بیاہ لائے۔ اور اُنکے حجلۂ عروسی مین قدم رکھا تھا۔" یہ سُن کر عمر بن عبید اللہ سٹپٹا کے رہ گئے۔ اور کچھ جواب نہ دے سکے۔ اور وجہ یہ تھی کہ اُنکی اور بھی بیویان تھین۔ مگر سب مین بد صورت رنگ تھین۔

عمر بن عبید اللہ کے مزاج مین حسد و رقابت کا مادّہ بہت زیادہ تھا۔ اس کی تاب نہ لا سکتے تھے کہ اُنکے کسی رقیب کا ذکر اُنکے سامنے تعریف سے کیا جائے۔ ایک دن سخت گرمی تھی۔ وہ دھوپ کی تپش اور گرد و غبار مین چل کے گھر مین آئے تو چہرہ تمتمایا ہوا تھا۔ عائشہ سے کہا "اسوقت دھوپ اور گرد و غبار نے پریشان کر دیا۔ ذرا مجھ پر سے گرد تو جھاڑ دینا۔" عائشہ ایک رومال لے کے اُٹھین۔ گرد جھاڑنے لگین۔ مگر جھاڑتی جاتی تھین اور کہتی جاتی تھین "گرد آلود چہرے تو بہت دیکھے مگر گرد مین جیسا مصعب کا چہرہ پیارا ہو جاتا تھا آج تک کسی کا نہین دیکھا۔" یہ الفاظ نہ تھے زہر مین بجھے ہوے خنجر و پیکان تھے۔ جنھون نے عمر کے دل و جگر کو پاش پاش کر ڈالا۔ سینے مین آتش حسد کا ایک شعلہ اُٹھا۔ اور سارا تن بدن

جل کر خاک ہو گیا۔ مگر مجبور تھے۔ بیوی اس بلا کی سخت گیر تھیں کہ مجال نہ تھی
زبان سے اُف نکلے یا حرفِ شکایت زبان پر آئے۔ صبر کر کے خاموش رہے۔

عائشہ بنت طلحہ عمر بن عبید اللہ کے عقد نکاح میں آٹھ سال تک رہیں یہاں
تک کہ ۸۲ھ میں اُنھوں نے وفات پائی۔ اور اس بیوی کا صدمہ اُنھیں
پہلی دو مرتبہ سے زیادہ ہوا۔ اور اُن کی لاش پر کھڑے ہوئے ماتم کیا۔ اور روئیں
پیٹیں۔ اُن دنوں کی معاشرت کی رو سے بیوی شوہر کی لاش پر اگر بیٹھے بیٹھے گریۂ
ماتم کرتی تو سمجھ لیا جاتا کہ بعد عدت دوسرا عقد کرے گی۔ لیکن اگر کھڑے ہو کر آہ و
زاری گریۂ و بکا۔ اور ماتم کرتی تو سمجھ لیا جاتا کہ اب یہ کسی سے نکاح نہ کرے گی۔
چنانچہ عمر بن عبید اللہ کی میت پر اُنھوں نے کھڑے ہو کر بین و بکا کیا۔ اور اس اشارے
سے اُسی وقت سمجھ لیا گیا کہ اب وہ کسی سے نکاح نہ کریں گی۔ چنانچہ اسکے بعد بہت
سے لوگوں نے اور بڑے بڑے عالی مرتبہ شرفا و معززین نے اُنھیں پیغام دیا۔ مگر
اُنھوں نے سب کو جواب دیدیا۔ اور باقی ماندہ زندگی بیوگی ہی میں بسر کی۔ اگرچہ
خدا نے دولت و حشمت دی تھی۔ اور جب تک جیتی رہیں بڑے شان و شکوہ
اور نہایت ہی کر و فر سے رہیں۔

اُن کے کر و فر اور شان و شوکت کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہو سکتا ہے کہ عبد الملک
بن مروان کے عہد میں یزید بن معاویہ کی بیٹی عاتکہ نے حج کا ارادہ کیا۔ اجازت لینے
کے لیے اُس کے پاس گئی۔ تو اُس نے کہا "تم جاتی تو ہو مگر زنانہ شان و شوکت اور دھوم
دھام سے جانا۔ اس لیے کہ وہاں عائشہ بنت طلحہ بھی موجود ہوں گی۔" اُس نے کہا "جی
ہاں میں شان و شکوہ سے جاؤں گی۔ اور روانگی کے لیے شاہانہ ساز و سامان کیا۔
اُس کی سواری مدینۂ طیبہ اور مکۂ معظمہ کے درمیان گذر رہی تھی کہ ایک سواری بڑی
دھوم دھام سے آئی جس کے جلوس نے سارا راستہ گھیر لیا۔ اور عاتکہ کے ہمراہیوں
کو ادھر اُدھر منتشر ہو جانا پڑا۔ عاتکہ نے دل میں کہا "معلوم ہوتا ہے یہ عائشہ کی سواری
ہے۔" مگر لوگوں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ عائشہ نہیں ہیں بلکہ اُن کی خادمہ جا رہی
ہے۔ اس جلوس کے نکل جانے کے تھوڑی دیر بعد ایک اور جلوس آیا جس کا کر و فر
پہلے جلوس سے بھی زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ یزید کی بیٹی کے ہمراہیوں کو پھر ادھر اُدھر

ہٹ کے سڑک چھوڑنا پڑی۔ اور اُس نے کہا " اب یہ عائشہ ہوا ہی رہیں گی۔ لوگوں سے پوچھا تو سُنا کہ یہ بھی عائشہ نہیں ہیں۔ یہ اُن کی مشاطہ ہے۔ عمار دل میں حیران تھی کہ اسکے بعد سب سے بڑا اور سب سے زیادہ شان و شوکت کا جلوس گزرنے لگا۔ اس جلوس میں تین سو اعلیٰ درجے کی خوبصورت سانڈنیاں تھیں جن پر کلس دار محملیں کسی ہوئی تھیں۔ لوگوں سے پوچھا تو پتہ چلا کہ اب یہ خود عائشہ کی کی سواری ہے جو حج کرنے کو تشریف لیے جاتی ہیں۔ یہ شان و شوکت دیکھ کے عمار کے ہوش اُڑ گئے۔ اور بے اختیار زبان سے نکلا " ما عند اللہ خیر و ابقیٰ" جو کچھ خدا کے پاس ہے اچھا اور نہایت پائدار ہے۔ یعنی یہ سب دولت و حشمت رہنے والی نہیں۔ رہے گا وہی جو خدائے عزوجل کے پاس ہے۔

عبدالملک کے زمانے میں چند روز تک حارث بن خالد والی مکہ تھا۔ ایک دن موذن نے حرم میں اذان دی اور وہ نماز کے لیے نکلا۔ اتنے میں اُس کے پاس عائشہ بنت طلحہ کا پیام پہونچا کہ " ابھی نماز میں ذرا تامل کیجیے۔ میرا طواف پورا ہوئے تو نماز پڑھیے گا۔" حارث آپ پر فریفتہ تھا۔ آپ کے حسن و جمال کی تعریف میں اشعار کہہ چکے تھے۔ اور آپ کا بے انتہا پاس و لحاظ کرتا تھا۔ یہ پیام سنتے ہی وہ نماز سے رُک گیا۔ آپ کے حکم کی تعمیل کی۔ اور جب آپ طواف سے فارغ ہو لیں تو تکبیر کی اجازت دی۔ یہ خبر لوگوں نے عبدالملک کو پہونچا دی۔ وہ حارث کی اس دینی مداہنت سے سخت ناراض ہوا۔ اور اُسے عہدۂ ولایت مکہ سے معزول کر دیا۔ مگر حارث کو اس کی مطلق پروا نہ ہوئی۔ اور کہا "عائشہ بنت طلحہ کی خوشنودی حاصل کرنے میں مجھے عبدالملک کی ناراضی کا خوف ہے نہ اپنی معزولی کا افسوس۔"

عبدالملک کے بعد جب اُس کا بیٹا ولید بن عبدالملک خلیفہ ہوا تو وہ حج کے لیے مکۂ معظمہ میں آیا۔ اُس کے عقد میں جناب عائشہ کی صاحبزادی نفیسہ تھیں جن کے حسن و جمال کی بھی شہرت تھی۔ ولید کے آنے کا حال سُن کر عائشہ بنت طلحہ اُسکے پاس گئیں۔ اور کہا " امیر المومنین۔ مجھے اپنے ساتھ کے لیے جلوس اور اپنی حفاظت کے لیے کچھ سپاہی چاہیئیں تاکہ جب میں باہر نکلوں تو وہ میرے

جلو میں رہا کریں - اس نے بہت سے آدمی مقرر کر دیے - اور اب اُنکی سواری کا کروفر پہلے سے بھی زیادہ ہو گیا - چنانچہ اب جو وہ حج کو گئیں تو ہمرادِ رکاب ساٹھ خچروں کا جلوس زیادہ تھا - ان خچروں پر بھی محملیں تھیں - اور انکی عظمت وشان کا لوگوں پر بڑا اثر پڑتا تھا۔

راستے میں اُنکے دیور عروہ بن زبیر ملے - اور اُن کی محمل کے پاس پہونچ کے ایک شعر پڑھا جس کا مضمون یہ تھا کہ "عائشہ! او ساٹھ خچروں کے جلوس والی خاتون! کیا تم ہر سال یوں ہی حج کیا کرتی ہو؟" عائشہ نے جواب میں کہلا بھیجا "ہاں یو نہیں - تمہارا جی چاہتا ہو تو تم بھی میرے ساتھ ہو جاؤ" مگر عروہ کو اُن کی رفاقت اختیار کرنے کی جراٗت نہ ہوئی۔

اُسی حج کے موقع پر یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی صاحبزادی سکینہ رضی اللہ عنہا بھی حج کے لیے شان وشکوہ سے نکلیں - مگر اُنکی شکوہ وشوکت سے عائشہ بنت طلحہ کا شکوہ بڑھا ہوا تھا - اتنے میں خاص عائشہ کے ساربان نے اتر کے حُدی کا نغمہ گانا شروع کیا - جس میں وہ بار بار اس مضمون کے ایک شعر کا اعادہ کرتا تھا کہ "عائشہ! او ساٹھ خچروں کے جلوس والی خاتون! آپ جب تک زندہ و سلامت ہیں ہمیشہ اسی شان وشکوہ سے حج کیا کریں" جناب سکینہ کو عائشہ کے حدی خوان کی یہ خود پسندی ناگوار ہوئی - اُن کی ناگواری کو اُن کا حُدی خوان ساربان سمجھ گیا - فوراً اُس نے یہ حُدی گانا شروع کیا کہ "عائشہ! دیکھو یہ تمھاری سوت (سکینہ) بیٹھی ہی شاکی ہیں (مگر یاد رہے) ان کے جد بزرگوار نہ ہوتے تو تمھارے باپ نعمت ہدایت سے محروم رہ جاتے" عائشہ پر اس کا بڑا اثر پڑا - فوراً اپنے ساربان کو حکم دیا کہ اپنی زبان روکے اور اپنا نغمۂ حُدی موقوف کرے -

ریّا بنت الغطریف السلمی

یہ عہد اولین اسلام کی ایک نیک نہاد و باعصمت خاتون تھیں جن کے عشق اور عہد وفا کے نباہنے کی داستان قیامت تک حُسن وعشق کے بڑے بڑے

افسانوں کو شرماتی رہے گی۔

اُن کے مورخین کہتے ہیں کہ بڑی حسینہ جمیلہ۔ پاکباز و عفیفہ۔ علم و ادب میں مشہور۔ اور شعر و سخن میں ذی مورتھیں۔ اور گروہ انصار میں سے تھیں۔

ان نیک بیوی کے سچے شریفانہ عشق کی داستان یوں شروع ہوتی ہے کہ کسی میلے یا عید کے دن جب مدینے کی عورتیں کسی بیرونی نزہت گاہ یا زیارت گاہ میں جایا کرتی تھیں۔ نسل انصار کے ایک معزز ذی وقعت اور صاحب علم بزرگ عقبہ بن حباب بن منذر بن جموح انصاری اُس مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے جو غزوۂ خندق یا احزاب کی یادگار میں ایک خندق کے کنارے تعمیر کی گئی تھی۔ یکایک چند عورتوں کا ایک غول مسجد کی زیارت کو آیا۔ ایک نوخیز و نو عمر دوشیزہ جو چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتی تھی ساتھ والیوں سے الگ ہو کر اُن کے قریب آئی۔ اور دلی زبان سے سوال کیا "آپ اُسکے بارے میں کیا فرماتے ہیں جسے آپکے وصل کی تمنا ہو؟" رعب حسن اور ہجوم شوق نے اُن کی زبان بند کر دی اور وہ نازنین اپنی ساتھ والیوں کے ساتھ چلی گئی۔

اُسکے جانے کے بعد عقبہ کی حالت دگرگون تھی۔ ایک نازنین حور خصائل کے پھول سے نازک لبوں اور شرمائے ہوئے چشم و ابرو کا یہ سوال نہ تھا بلکہ ایک بجلی تھی جس نے سینے میں آگ لگا دی۔ بیقراری بڑھی۔ ہوش و حواس بیگانہ رہے دل سے سیکڑوں باتیں خیال کرتے کہ تو کسی کی زلف گرہ گیر میں پھنس تو گیا۔ مگر یہ بتا کہ میں کہاں جاؤں۔ اُسے کس جگہ ڈھونڈھوں۔ کس سے اُس کا پتہ پوچھوں؟ افسوس یہ بھی تو نہیں معلوم کہ یہ حور وش تھی کون؟ کس کی بیٹی ہے؟ کس قبیلے کی ہے؟ کیا نام ہے؟ وہ کہاں رہتی ہے؟ آہ!

"وان لڑی آنکھ جہاں اپنا گذارہ ہی نہیں"

اُٹھ کر گھر آئے۔ مگر گھر میں کیا خاک دل لگتا۔ مدینے کی گلیوں میں مارے مارے پھرتے۔ ایک ایک سے پوچھتے اور سب احمق بناتے۔ وہ دن اور ساری رات انگاروں پر لوٹتے اور کلیجہ تھام تھام کر آہیں کرتے گذر گئی۔ صبح ہوئی تو پھر وہی کوچہ گردی تھی اور وہی خاک چھاننا۔ جب نہ کہیں سراغ لگا اور نہ کسی جگہ دل لگا تو پھر اُسی

خانۂ خدا اُسی مسجد احزاب کی راہ لی۔ اور ہمہ تن شوق اور سراپا اضطراب بن کر درگاہ الٰہی میں خضوع و خشوع سے التجا کرنے لگے کہ "خداوندا اُسے بھیج یا اُس کا پتہ بتا۔"

بیٹھے بیٹھے وہی وقت آ گیا جس وقت کل اُس گل اندام کا چہرۂ زیبا دیکھا تھا اور اُس کا ہوش رُبا سوال سُنا تھا۔ ناگہاں دور پر عورتوں کا ایک غول ادھر آتا دکھائی دیا۔ دل میں اُمیدوں نے ہجوم کیا۔ شوق نے یقین دلایا کہ وہ گلبدن بھی اسی گروہ میں ہے۔ دلِ پُر آرزو سے بے زبان ہائے مرحبا" کی آواز کانوں میں آنے لگی۔ اور جوں جوں وہ گروہ قریب ہوتا جاتا تھا شوق کی بیخودیاں بڑھتی جاتی تھیں۔ غرض وہ عورتیں مسجد میں آ گئیں۔ اور ادھر اُدھر سیر کرنے لگیں۔ مگر اُس پری جمال کا کہیں پتہ نہ تھا جسے آنکھیں ڈھونڈھ رہی تھیں۔ اب یاس ایک بے رحم قصائی کی طرح امیدوں اور تمناؤں کو سینے کے مقتل میں ذبح کرنے لگی۔ اور قریب تھا کہ ساری تمناؤں کا خاتمہ ہو جائے کہ یکایک اُس غول میں کی ایک عورت نے قریب آ کے دبی زبان میں پھر وہی کل والا سوال کیا کہ "اپنی طالبۂ وصل کے بارے میں کیا کہتے ہو؟" یکایک عقبہ کی مردہ تمنائیں پھر جی اُٹھیں۔ اور نہایت ہی حسرت و تمنا کے ساتھ پوچھا "مگر آہ۔ وہ ہے کہاں؟" اُس نے جواب دیا کہ "اپنے باپ کے ساتھ شہر سماوہ کو چلی گئی۔" ایک آہ کے ساتھ کہا "آہ۔ جی بھر کے دیکھنے بھی نہ پایا تھا کہ پھول نظر کے سامنے سے ہٹ گیا! مگر اور نہیں تو اُس کا اور اُسکے باپ اور خاندان کا نام تو بتا دو۔" عورت نے چپکے سے کہا "اُس کا نام ریّا ہے۔ غطریف سلمی کی بیٹی ہے۔ اور انصار کے گھرانے کی لڑکی ہے۔"

یہ کہتے ہی وہ عورت اور اُسکی ساتھ والیاں چلی گئیں۔ اور عقبہ کو ہوش نہ تھا کہ میں کیا کروں اور کہاں جاؤں۔ آخر بصد ہزار جبر گھر میں آئے۔ اور رات بھر اسی سوچ میں رہے کہ کیا کروں اور کس طرح اُڑ کر سماوہ پہنچ جاؤں۔ مگر سماوہ کالے کوسوں عراق کی سرحد پہ ہے۔ جہاں انسان جنگلوں کی دشت نوردی کے بعد پہنچتا ہے۔ آہ! میری مہ پارہ چودھویں رات کا چاند ہے۔ اور سماوہ اُسکا

آسمان - ہائے! میں اس روشن تارے کو آسمان سے کیسے توڑ لاؤں؟" چند شعر موزوں کیے جن کا مضمون یہ تھا کہ "دوستو! ریّا اپنے مسکن ساوہ میں چلی گئی۔ اور اُس کا قافلہ آسمان ساوہ کی طرف جا رہا ہے۔ دوستو! میں روشنی اور ضیا سے محروم ہو گیا۔ اور آنکھوں میں آنسو نہیں باقی رہے۔ کوئی مہربان ہے کہ تھوڑے آنسو مجھے قرض دے دے؟"

آخر جس طرح بنا سفر کا سامان کیا۔ ایک یار باہمّت کو۔ تین ہمسفر اور انہیں حیان بنہ کے ساتھ لیا۔ اور ساوہ کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ منزل مقصود پہ پہونچ کے کاشانۂ چوپان کی راہ لی۔ فطریق سلمی سے ملے اور اسکو جو نام معلوم ہوا تو اس خیال سے کہ دارالہجرت مدینہ کے متوطن ہیں بڑی خلیق و تکریم کے ساتھ ہاتھوں ہاتھ لیا۔ خود اپنے یہاں مہمان کیا۔ اور دو تین روز کے بعد کہا "آپ جس کام کے لیے تشریف لائے ہوں بیان کیجیے۔ مجھ سے جہاں تک ہو سکے گا آپ کی مدد کروں گا اور کوشش کروں گا کہ جس غرض سے آئے ہیں وہ بوجہ احسن پوری ہو۔"

اس کے جواب میں عقبہ بن حباب تو خاموش رہے مگر اُنکے ہمسفر دوست نے مہمان نواز فطریق سے کہا "ہمارے دوست آپ کی صاحبزادی ریّا کے لیے پیام دینا چاہتے ہیں۔" اُس نے کہا "آپ کی شرافت خاندانی۔ دولتمندی۔ اور حسب و نسب میں کوئی شبہہ نہیں۔ بے شک آپ کو پیام دینے کا حق ہے۔ اور مجھے بھی قبول کرنے کی وجہ نہیں۔ مگر یہ معاملہ خود ریّا کی ذات کا ہے۔ اُس سے پوچھنا مقدم ہے۔ اور میں نے نکاح کے معاملے میں اُسی کو اختیار دے رکھا ہے۔"

عقبہ "تو پھر اپنی صاحبزادی سے بھی جا کے دریافت فرما لیجیے۔"

اب فطریق اندر گیا اور ریّا سے کہا "بیٹی مدینے کے معزز شریف سردار عقبہ جو ہمارے مہمان ہیں تیرے ساتھ شادی کرنے کے آرزو مند ہیں۔ میں اُن کی شرافت سے واقف ہوں۔ اور ہمارے ہی گروہ انصار کی نامور یادگار ہیں۔ تیری اس معاملے میں کیا رائے ہے؟"

ریّا تو اس کی منتظر ہی تھی۔ خود بھی عقبہ کے شوق میں بیتاب و بیقرار تھی اور اُسکے دل میں بھی ایک فقرہ کہہ کر آگ لگا آئی تھی۔ بے تکلف قبول کر لیا۔ اور باپ

سے کہا "ابّا جان ایسے شریفوں کی درخواست کو مسترد نہ کرنا چاہیے" اسی قدر نہیں آپ کے جانے کے بعد لونڈی کے ہاتھ عتبہ کے پاس شکریہ بھی کہلا بھیجا۔

یہ شکریہ ادا کرنا قیامت ہوگیا۔ لونڈی نے قطریق سے کہہ دیا۔ اور اُس نے برہمی کے ساتھ آکر بیٹی سے کہا "ریّا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ تجھ سے اس عربی شخص سے پہلے کا عہد و پیمان ہے۔ اور تم دونوں میری غفلت میں ایک دوسرے پر فریفتہ ہو چکے ہو۔ مگر یہ امر ہماری شرافت و معاشرت کے خلاف ہے کہ لڑکی کی شادی اُس شخص کے ساتھ کی جائے جس کے ساتھ نکاح سے پہلے محبت پیدا ہو چکی ہو۔ میں نے تجھے اپنی شادی کا اختیار دیا تھا۔ مگر اب ثابت ہوا کہ تو آزادی پانے کی اہل نہ تھی۔ اس لیے اب یہ غیر ممکن ہے کہ عتبہ کے ساتھ تیرا عقد ہو۔ ایسی رسوائی و بدنامی تیرا باپ نہیں برداشت کر سکتا"

ریّا باپ کے خیالات سُن کر بہت گھبرائی۔ دل ہی میں تھرّا کے سُن ہو گئی۔ مگر چہرے سے کوئی غیر معمولی پریشانی نہ ظاہر ہونے دی۔ اور کہا "ابّا جان آپ کو اختیار ہے۔ اور بغیر آپ کی مرضی کے کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ لیکن آپ نصاریٰ ہیں۔ اور ہمارا خاندان بھی نصرانی ہے۔ کچھ تعلق عرب سے نہیں۔ ہم نصاریٰ کا شیوہ نہیں۔ اُن کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی بات نہیں منظور ہوتی تو اُسکو بھی تو نا منظوری اور تہذیب و شائستگی سے ٹالتے ہیں کہ اُنکے اخلاق پر حرف نہیں آنے پاتا۔ اور جب آپ کو عرب کے رسم و رواج کا اتنا پاس و لحاظ ہے تو اپنی خاندانی تہذیب کو ہاتھ سے دینا بھی ہرگز نہ پسند کریں گے"

قطریق: "میں بے شک ایسا نہ کروں گا"

ریّا: "تو آپ یہ نہ کریں کہ اُنکو صاف لفظوں میں جواب دیں۔ اور وہ یہ ذکر کرتے پھریں کہ وضع النصاریٰ کے خلاف آپ نے اُن کو نہایت بد تہذیبی و سختی سے جواب دیا"

قطریق: "تو پھر میں کیا کروں اور کیا جواب دوں؟"

ریّا: "نکاح کو بظاہر منظور کیجیے مگر اس میں ایسی شرطیں لگائیے کہ اُن سے نہ پوری ہو سکیں"

فطریق: ”یہ صحیح ہے۔ میں اتنا مہر مانگوں گا کہ اُنکے دیے نہ دیا جائے۔ واقعی مجھے اپنے ہم قوم و ہم نسب لوگوں سے ایسا روکھا پن برتنا چاہیے“ یہ کہکر باہر آیا۔ اور عتبہ سے کہا ”میری بیٹی کو بھی آپ کے عقد میں آنا منظور ہے۔ مگر اُسکا مہر بھی آپ نے سُنا؟“

عتبہ: ”فرمائیے۔ جہانتک ممکن ہوگا اُس کو فراہم کرکے حاضر کروں گا“

فطریق: ”میری بیٹی کوئی معمولی لڑکی نہیں ہے۔ اور اُس کا مہر اُسکی خوبیوں کے لحاظ سے مقرر کیا گیا ہے۔ آپ کو ایک ہزار اشرفیاں۔ پانچ ہزار روپیہ۔ سونے چاندی کی نفیس و عمدہ چادریں۔ اور عنبر اشہب کے پانچ قرص۔ ادا کرنا ہونگے“

عتبہ: ”یہ تو دشوار ہے۔ اشرفیاں۔ روپیہ۔ اور چادریں تو شاید مہیا بھی کرلوں مگر عنبر کے پانچ قرص کہاں سے لاؤں گا“

فطریق: (مسکرا کے) ”اور بغیر اس کے ریّا کسی کو نہیں مل سکتی“

عتبہ: ”اچھا خیر۔ میں کوشش میں اپنی جان لڑادوں گا۔ لیکن اقرار فرمائیے کہ اگر مہر کی یہ سب چیزیں لاکے پیش کردوں تو آپ ریّا کو میرے عقد میں دیدیں گے“

فطریق دل میں سوچنے لگا کہ اقرار کروں یا نہ کروں۔ اگر اس نے سب چیزیں لاکے موجود کردیں تو پھر انکار کرتے نہ بنے گی۔ مگر آپ ہی خیال کیا کہ ان چیزوں کا ہاتھ آنا محال ہے۔ بھلا یہ کہاں سے لائیں گے۔ اور کہا ”بے شک میں اقرار کرتا ہوں کہ جس دن آپ یہ مہر کی چیزیں لے آئیں گے اُسی دن نکاح کردوں گا“

عتبہ نے اسکے بعد سارے عرب اور عراق کی خاک چھان ڈالی۔ اور چونکہ طلب صادق تھی اور عشق سچا تھا خدا نے سب چیزیں مہیا کردیں۔ فوراً لوٹ کے کرسناوہ میں پہنچا۔ اور فطریق سے کہا ”میں سب چیزیں لے آیا۔ اب عقد کا سامان کیجیے“ اُس نے حیرت سے عتبہ کی صورت دیکھی۔ گھبرایا ہوا بیٹی کے پاس گیا اور کہا ”ریّا۔ عتبہ نے مہر کی تمام مطلوبہ چیزیں حاضر کردیں جن کو میں سمجھتا تھا کہ کسی کو دستیاب نہ ہوسکیں گی۔ اب بتا کیا کروں؟“

ریّا: ”آپ نے صاف الفاظ میں اقرار تو نہیں کیا؟“

فطریق: ”اقرار تو صاف لفظوں میں کرچکا ہوں۔ اس سے پھرنا غیر ممکن ہے۔ اب تو میں

مجبور ہوں کہ تیرا ہاتھ اُس کے ہاتھ میں دوں۔"

ریّا- "ہاں یہ بدنامی تو آپ سے نہ ہو سکے گی۔"

قطریف- "پیاری بیٹی یہ بات آج تک کسی سے ہمارے خاندان میں ہوئی اور نہ مجھ سے ہوگی۔ افسوس ہے کہ تم دونوں اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے اور پابندیٔ عہد نے مجھے ذلت گوارا کرنے پر مجبور کر دیا۔ خیر، اب دولھن بننے کے لیے تیار ہو۔ مشاطہ کو بلا کے تجھے بنا چنا کے آراستہ کرے۔ اور آج ہی شام کو تیرا عقد ہو جائے۔"

اُسی دن شادی ہو گئی۔ اور عتبہ کو ریّا کی صورت میں ایسی نعمت غیر مترقبہ اور ایسی دولت لازوال ہاتھ لگی کہ دوسرے روز سے جو ولیمہ کی دعوتوں کا سلسلہ شروع ہوا تو مسلسل چالیس روز تک جاری رہا۔ اہل سماوہ نے اس مدت میں بڑے جشن منائے۔ اور کسی کے گھر میں کھانا نہ پکا۔ ان دعوتوں اور جشنوں کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد عتبہ نے اپنی پیاری اور خوش جمال دولھن ریّا کو بڑے ساز و سامان سے رخصت کرایا۔ اور ایک پرتکلف برات کی شان سے یہ عروسی قافلہ مدینے کی طرف روانہ ہوا۔

ابھی قافلہ چند ہی منزل گیا تھا کہ ناگہاں بدوی ڈاکو قافلے پر آ پڑے۔ اُنھیں خبر لگ گئی تھی کہ اس قافلے میں دولھا دولھن بڑے ساز و سامان اور اعلیٰ درجے کے جہیز کے ساتھ آ رہے ہیں۔ لہذا انھوں نے اتنی قوت سے حملہ کیا کہ قافلے والوں کا زور چلنا غیر ممکن تھا۔ عتبہ نے جب دیکھا کہ میری دولھن کی عزت و ناموس پر حملہ ہونے والا ہے تو شیر ببر کی طرح ڈاکوؤں پر جھپٹ پڑا۔ اور بہتوں کو مار کے گرا دیا۔ مگر کہاں تک؟ اور کب تک؟ جب دشمنوں نے نرغہ کر کے سب طرف سے نیزے مارنا شروع کیے تو زخمی ہو کر گرا۔ اور زخم ایسے کاری تھے کہ تڑپ کر جان دے دی۔

ریّا نے محمل کے پردے سے جھانک کر عاشق دولھا اور بہادر شوہر کی بیجان لاش دیکھی۔ تو ایسی حسرت و یاس سے رونے پیٹنے اور ماتم کرنے لگی کہ ڈاکوؤں کو لوٹنا بھول گیا۔ اور سب نقش حیرت بن گئے۔ اُس نے بال کھول دیے۔ زیور توڑ کے پھینک دیا۔ نہ آنسوؤں کا سلسلہ ٹوٹتا تھا اور نہ ماتم و سینہ کوبی سے ہاتھ

رُکا تھا - جوشِ حسرت میں اس نے فی البدیہہ چند شعر تصنیف کیے جن کو بین کی طرز میں گا کے سُناتی اور آسمان و زمین اور شجر و حجر کو رُلا رہی تھی - اُن شعروں کا مضمون یہ تھا کہ "میں نے صبر کیا - مگر یہ صبر نہیں تکیہ تھا اپنے پاس آنے کے راستے کو کاٹتا ہے - اور میری جان کو اگر انصاف کی رو سے دیکھو تو دنیا بھر میں سب سے پہلے آپ کو تمھارے پاس آنا چاہیے" آخر یہ شعر پڑھتے ہی پڑھتے ایک چیخ ماری اور محمل سے گر کے جان دے دی -

یہ حسرتناک منظر نہ تھا ایک جادو یا طلسم تھا - ڈاکو اور قاتل تک دل سے سب کے سب رو رہے تھے اور کسی کو کسی بات کا ہوش نہ تھا - دیر کے بعد جب ہوش آیا تو سب نے مل کے اُن دونوں عاشق و معشوق کو شہیدانِ وفا کی طرح انھیں کے کپڑوں کا کفن پہنا کے ایک ہی قبر میں دفن کر دیا - اور بہ رقتِ دل فاتحہ پڑھ پڑھ کے اپنا اپنا راستہ لیا -

تھوڑے دنوں کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ اُن کی قبر پر ایک درخت اُگا ہے - جو وارد و صادر کو اُس دشتِ بے شجر میں اپنے پاس بلا کے بتا دیا کرتا ہے کہ "میرے سایہ میں عقبہ اور ریّا کے ایسے صادق العہد و جاں باز عشاق آرام فرما رہے ہیں" - لوگوں نے اس درخت کا نام "شجرۃ العروسین" (دولھا دولھن والا درخت) رکھ دیا - اور اسی نام سے مدتوں وہ درخت اور وہ مقام یاد کیا جاتا رہا -

دارمیہ حجونیہ

یہ عہدِ صحابہ کی ایک پُرجوش - راست باز - اور بیباک و آزاد خاتون تھی - نہایت ہی طلیق اللسان اور بڑی فصیح البیان تھی - حضرت علیؓ کے ساتھ اُسے خاص عقیدت و محبت تھی - اور اگرچہ زمانہ بدل گیا تھا مگر آپ کی مدح سرائی میں کسی کا خوف دل میں نہ لاتی - اُسے جمل و صفین کے واقعے یاد تھے - جن کو یاد کر کر کے حضرت علی مرتضیٰؓ کی عزت کرتی - اور آپ کی ناکامیوں پر خون کے آنسو بہاتی -

ابو سہل تمیمی کا بیان ہے کہ جناب معاویہ ایک سال حج کو گئے تو لوگوں سے پوچھا "یہاں بنی کنانہ کی نسل کی ایک عورت تھی جو دارمیہ کہلاتی اور مقام حجون میں

میں آکر اُترا کرتی تھی۔ اُس کا بھی کچھ پتہ ہے؟" لوگوں نے کہا "جی ہاں وہ زندہ و سلامت ہے۔" یہ سُن کر حضرت معاویہؓ نے اُس کو بُلا بھیجا۔ جب وہ آئی تو کہا "اے حام کی بیٹی (حبشن) کیوں آئی ہو؟" بولی میں حبشن نہیں عربی الاصل اور آل کنانہ میں سے ہوں۔ اور آئی اس لیے کہ آپ نے بُلا بھیجا۔"

جناب معاویہ "تمھیں بھی کہ میں نے کیوں بُلایا ہے؟" کہا "غیب کی خبر خدا کو ہے میں کیا جانوں کہ آپ نے کیوں بُلایا ہے۔"

جناب معاویہ "میں نے یہ پوچھنے کو بُلایا ہے کہ تم کو علیؓ سے کیوں محبت تھی؟ اور مجھ سے کیوں بغض ہے؟" اُس نے کہا "سچ کہوں؟ آپ خفا تو نہ ہوں گے؟ اور جو کہوں گی اس کو معاف کر دیں گے؟" جواب ملا "نہیں۔ یہ قصور معاف نہیں ہو سکتا۔"

دارمیہ "خیر آپ معاف نہیں کرتے تو نہ کریں مگر میرا جواب سُن لیجیے۔ حضرت علیؓ سے مجھے اس لیے محبت تھی کہ وہ رعایا میں انصاف کرتے۔ اور سب کو ایک نگاہ سے دیکھتے۔ اور بذل و عطا کے وقت سب کو برابر حصّہ عطا فرماتے۔ ان چیزوں کو دیکھ کر میں اُن کی مدح خواں ہوں اور اُن سے محبت کرنے لگی۔ آپ سے بغض اس لیے ہے کہ آپ خلافت کے لیے اُس شخص سے لڑے جو آپ سے زیادہ اُس کا مستحق تھا۔ اور اُس چیز کے خواستگار رہے جس کا آپ کو استحقاق نہ تھا۔ میں علیؓ کی دوست اس لیے تھی کہ رسول خدا صلعم نے اُنکو اپنا دوست بنایا۔ مسکینوں اور محتاجوں سے اُن کو محبت تھی۔ ازواج رسول اللہ صلعم کی عزت اور اُن کا احترام کرتے تھے اور آپ سے اس لیے دشمنی تھی کہ آپ نے خونریزی کی۔ جو فیصلے کرتے ہیں اُن میں ظلم کرتے ہیں۔ اور خواہش نفس کے مطابق احکام جاری کرتے ہیں۔"

حضرت معاویہ نے جھنجلا کے کہا "اسی بغض کے بھرے ہونے کی وجہ سے تمہارا پیٹ پھول گیا۔ چھاتیاں بڑی بڑی ہو گئیں۔ اور سُرین بھاری بھرکم ہیں۔" سنتے ہی دارمیہ نے جواب دیا "ان صفات میں تو خدا کی قسم آپ کی ماں ہندہ ضرب المثل تھیں۔"

حضرت معاویہ "اچھا اچھا بیٹھو۔ میں نے یہ بُرائی کی راہ سے نہیں کہا تھا۔ اس لیے کہ یہ تو عورت کے خاص صفات ہیں۔ جس کا پیٹ بڑا ہوتا ہے اُسکے رحم میں بچہ

اچھی طرح نشو ونما پاتا ہے۔ سینہ بڑا ہوا تو بچے کا دودھ سے پیٹ خوب بھرتا ہے۔ اور سُرینوں کے بڑے ہونے سے وہ جہاں بیٹھتی ہے وقار و تمکنت کے ساتھ بہت ہی جگہ گھیر لیتی ہے۔"

اب دارمیہ کا جوش ذرا کم ہوا۔ اور امیر معاویہ نے پوچھا "اچھا بتاؤ تم نے علیؑ کو دیکھا تھا؟" بولی "ہاں دیکھا تھا۔" پوچھا "تو انھیں کیسا پایا؟" کہنے لگی "میں نے انکو ایسا پایا کہ نہ ہی حکومت جس نے آپ کو فتنے میں مبتلا کر دیا ہے اُن کو مبتلا نہ کر سکتی تھی۔ اور نہ وہ دولت جس نے آپ کو اپنا گرویدہ بنا لیا ہے انکو نہ بنا سکی۔" جناب معاویہ نے پوچھا "اور انکی باتیں تمہیں سُنی تھیں؟" بولی "ہاں سُنی تھیں۔ اور خدا کی قسم انکو سُن کر دلی کدورت دُھل جاتی تھی۔"

گویا اس گفتگو کو ختم کر کے حضرت معاویہ نے پوچھا "خیر تم سچ کہتی ہو۔ اب بتاؤ مجھ سے کچھ چاہتی بھی ہو؟" دارمیہ نے پوچھا "جو مانگوں گی آپ دیں گے بھی؟" کہا "ہاں دوں گا۔" کہنے لگی "تو مجھے سو اونٹنیاں دلوایئے جن کے ساتھ اُنکے بچے بھی ہوں اور چرانے والے بھی ہوں۔" پوچھا "ان اونٹنیوں کو لے کے کیا کرو گی؟" دارمیہ نے کہا "دودھ سے بچے پلیں گے۔ بڑے پیٹ بھریں گے۔ میں ان سے نفع حاصل کروں گی۔ اور اپنے قبیلے والوں کی بھی مدارات کروں گی۔"

یہ سن کر جناب معاویہ نے کہا "اچھا ایک شرط ہے۔ اگر میں تمہاری یہ خواہش پوری کر دوں تو وعدہ کرو کہ مجھے بھی ویسا ہی سمجھنے لگو گی جیسا کہ علی کو سمجھتی ہو۔" دارمیہ نے کمال آزادی سے کہا "سبحان اللہ۔ بھلا یہ ممکن ہے؟ اُنکے برابر کیسا بہت تو اُن سے کم بھی نہیں سمجھ سکتی۔" اُس کے اس بیباکانہ جواب پر معاویہ نے جھنجھلا کے کہا "خیر لو۔ کیا یاد کرو گی۔ مگر یاد رکھو کہ علی زندہ ہوتے تو خدا کی قسم تم کو اتنے اونٹ ہرگز نہ دیتے۔" اُس نے آزادی کے ساتھ جواب دیا "بے شک نہ دیتے۔ وہ تو مسلمانوں کے بیت المال میں سے اونٹ کیا چیز ہیں اُن کے اون کا ایک رواں بھی مجھے نہ دیتے۔"

اس گفتگو کے بعد جناب معاویہ نے اونٹ منگوا کر اُسکے حوالے کیے اور وہ اُن کو لیکر اپنے گھر گئی۔

اس واقعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اظہار حق میں اُس عہد اولین اسلام کی ایک ایک معمولی عورت بھی کس قدر جری و بیباک تھی - اور معاویہ نے اگرچہ خلافت کی شان اور اسکی دینی آن بان مٹا کے اُسے شخصی سلطنت بنا لیا تھا - مگر عہد قدیم کی صحبتوں کی اتنی برکت باقی تھی کہ کتنی ہی سختی سے تا لعنت کی جائے اُن کے صبر و تحمل میں فرق نہ آتا تھا - اور سرِ آزادانہ نکتہ چینی کو نہایت ضبط سے برداشت کر سکتے تھے - اور اسی چیز نے اسلامی کتب سیر و تاریخ اور عربوں کی عام صحبتوں میں "حلم معاویہ" کو مشہور کر رکھا تھا -

جنفیاف

یہ فرانس کی ایک نہایت ہی نامور شریف دربار سا اور نیک نفس و دلربا خاتون تھی - ڈیوک آف بر اینٹ کی بیٹی تھی - اور سنہ ۶۸۰ء میں بعہد یزید بن معاویہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دو ایک سال بعد پیدا ہوئی تھی - حسن و جمال نازنینی و ناز آفرینی - رعنائی و دلربائی میں اُن دنوں فرنگستان میں اپنا جواب نہ رکھتی تھی - اور ان خوبیوں کے ساتھ آواز ایسی دلکش اور باتیں ایسی پیاری تھیں کہ معلوم ہوتا باتیں نہیں کرتی جادو کر رہی ہے - جس کسی سے وہ باتیں کر لیتی بے اختیار رکھنے لگتا - ع "کسی کی آنکھ میں جادو تری زبان میں ہے"

بالا تین کے ڈیوک سنگرڈ سے ملاقات ہوئی - دونوں میں محبت کے پینگ بڑھے اور آخر سنہ [illegible]ء میں جبکہ نازنین جنفیاف کا سن اٹھارہ برس کا تھا شادی ہو گئی - شادی کو ابھی پورا ایک برس بھی نہیں گذرا تھا کہ چارلس مارٹل نے فرانس کو مسلمانوں کے ہاتھ سے بچانے کے لیے فوج جمع کی اور اُس کے شوہر سے خواہش کی کہ ایک فوج کی سرداری وہ بھی قبول کرے - سنگرڈ کا دل قومی و مذہبی جوش سے لبریز تھا - اور اُس زمانے کے نامور بہادروں میں تھا - اُس مسیحی مجاہد کی درخواست خوشی سے قبول کر لی - اور چارلس مارٹل کے ہمراہ مسلمانوں کے مقابلے پر روانہ ہوا - اور اپنے نائب الریاست گولو کو تاکید کر گیا کہ خبردار جنفیاف کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے - ہمیشہ اُس کی خدمت میں مصروف رہنا - اور وہ جس بات کا حکم دے اُس کی فوراً

تعمیل کرتا۔"

بدنفس گولو جنفیاف کی صورت زیبا پر فریفتہ اور اُس کا عاشق ہو کر ناجائز ہوسین کرنے لگا۔ مگر جنفیاف کو دیکھا تو نہایت عفیفہ و پاکدامن پایا۔ پہلے خوشامد درآمد سے پھر مکر و فریب سے۔ اور اسکے بعد ڈرا دھمکا کے اپنی ہوس پوری کرنی چاہی۔ مگر کسی طرح زور نہ چلا۔ اور ثابت ہو گیا کہ جنفیاف کا حسن ایک ایسے آہنی قلعے مین محفوظ ہے جس کے کنگرون کو کسی کی ہوس کی کمند نہین پا سکتی اور جس کی دیوارین سیند دینا محال ہے۔

جب کسی طرح زور نہ چلا تو گولو دشمنی پر آمادہ ہو گیا۔ اور اُس کے شوہر کونٹ پالاٹین کو میدان جنگ مین لکھ بھیجا کہ "مین آپ کی ہدایت کے مطابق ملکہ کی نگہداری اور حفاظت کرتا ہون۔ مگر اُن کا چال چلن اور طرز عمل ایسا ہے کہ حفاظت غیر ممکن ہے۔ اور مجھے شرم و ندامت سے لکھنا پڑتا ہے کہ باوجود میری ہر طرح کی نگہبانیون کے وہ اپنے ناجائز دوستون سے ملنا نہین چھوڑتین۔ اور قیامت یہ کہ حاملہ ہین۔ عنقریب حرام کا بچہ ہونے والا ہے۔" اس ظالم و مفتری نائب نے اُس کے شوہر ہی کو نہین لکھا بلکہ سارے فرانس مین یہ خبر شائع کر دی۔ اور ہر ادنیٰ و اعلیٰ کی نظر مین اُس نیک و پاکدامن حسینہ کو بدنام کر دیا۔

شوہر بالکل سادہ لوح اور بے عقل تھا۔ وزیر کے لکھنے کا یقین کر لیا۔ اور اپنے ایک معتمد علیہ شخص کو بھیجا کہ جاتے ہی فی الفور میری بیوی اور اُسکے لڑکے کو اگر پیدا ہوا ہو جنگل مین لے جا اور قتل کر کے دفن کر دے۔ وہ شخص آیا اور چند روز کے بعد واپس جا کے خبر کی کہ دونون کو قتل کر ڈالا۔ اس خبر سے اگرچہ کونٹ کو وقتی تسکین سی ہو گئی۔ مگر ایسی اچھی پرچال و خوش خصال بیوی سے زندگی بھر کے لیے محروم ہو جانے کے خیال سے ہر وقت دل پر ایک کوفت رہتی۔

لڑائی کے ختم ہونے کے بعد کونٹ گھر مین آیا۔ مگر کون گھر؟ جو انیس زندگی سے خالی تھا اور کاٹے کھاتا تھا۔ ملکہ کی خادماؤن اور ہمسایون جلیسون سے معلوم ہوا کہ فلان شخص آپ کا بھیجا ہوا آیا تھا وہ ملکہ اور اُسکے بچے کو جو آپ کا نہایت ہی خوبصورت فرزند تھا ساتھ لے گیا۔ اور پھر پتہ نہ لگا کہ دونون ماں بیٹے کیا ہوے۔"

اُس نے کہا "اچھا ہوا کہ دنیا اُس زانیہ عورت اور اس کے حرام کے بچے سے خالی ہوگئی" یہ سُن کر وہ سب عورتیں رونے لگیں - اور سب نے کہا "آپ کو فریب دیا گیا ہے - آپ اُنکو حاملہ چھوڑ گئے تھے - چند روز بعد ایسا اچھا ولیعہد ریاست پیدا ہوا کہ ریاست کی ساری رعایا خوش ہوگئی - مگر آپ کے نائب کی یہ حالت تھی کہ جس دن سے آپ گئے اُسی روز سے وہ ملکہ کی آبرو لینے کے درپے ہوگئے پہلے خوشامد ریج کرنا اور بہکانا شروع کیا - پھر مکاری اور فریب سے اُنکو دام تزویر مین پھانسنے لگے - مگر پاکدامن ملکہ کے دل پر مطلق اثر نہ ہوا - تب وہ دھمکانے لگے کہ تم کو ساری دنیا مین بدنام کر دونگا - اور خود تمھارے شوہر کو تمھارا دشمن بنادونگا - اس کی بھی اُنھوں نے پروا نہ کی - اور ہم جانتے ہین کہ اُنھین کی سازش سے وہ کہین غائب بھی ہوگئین"

یہ واقعات سنتے ہی کونٹ کے ہوش اڑ گئے - اور لوگون سے اس بیان کی تصدیق کی - اور آخر اپنے کیے پر پچھتایا اور کفِ افسوس ملنے لگا - اب اُس کی یہ حالت ہوگئی کہ خود اپنا دشمن تھا - خودکشی پر آمادہ ہوگیا - مکان مین وحشت ہوتی تو شہر کے گلی کوچون کی خاک چھانی - وہان بھی کسی جگہ دل نہ لگا تو آبادی کے باہر جنگلون مین وحشی درندون کی طرح پھرنے لگا - آدمیون کی صورت سے وحشت ہوتی اور کہتا کہ انسان سے زیادہ بے رحم و سنگدل کوئی نہین - میرا انتقام کیلیے وزیر و نائٹ کے مار ڈالنے سے نہین مل سکتا - بس میری تسکین دو ہی طرح سے ہو سکتی ہے - یا سب آدمیون کو مار ڈالون - یا سب سے قطع تعلق کر لون"

اس خیال کا یہ اثر تھا کہ صبح ہوئی اور جنگل کی راہ لی - جہان ہر کنج مین اور ہر درخت کے نیچے کھڑے ہو کر آنسو بہاتا - ایک دن جنگل مین پھر رہا تھا کہ دُور پر ایک عورت دکھائی دی جو اُسی کی طرف بڑھتی چلی آتی تھی - ذرا نزدیک ہوئی تو چونک کے بولا "آہ! یہ تو میری خفیانٹ ہے - مگر وہ کہان؟ وہ تو کب کی مرچکی" عورت اور قریب ہوئی تو گھبرا کے کہنے لگا "مگر یہ تو وہی ہے! یقیناً وہی ہے! آہ! اب مین سمجھا - اُس کی روح آئی ہے کہ مجھے لعنت ملامت کرے اور میرے ظلم و ستم کا مجھ سے بدلہ لے - بے شک مین اسی کا مستحق ہون - آ - آ -

پاس آ۔ مجھے گالیاں دے۔ مجھ پر لعنت کر۔ بلکہ مجھے مار ڈال۔" اب جنفیاف اس قدر نزدیک تھی کہ یہ الفاظ اُس نے بخوبی سُن لیے اور بیتابی کے ساتھ بولی "نہیں۔ نہیں۔ میں نہ گالیاں دوں گی۔ نہ لعنت کروں گی۔ نہ ماروں گی۔ بلکہ میں اب بھی ویسی ہی تمھاری صورت کی عاشق اور وفادار بیوی ہوں۔ تم کو بدگمانی ہو۔ مگر میری محبت بدگمانی سے خالی اور بیوفائی کی نجاست سے پاک ہے۔" یہ کہتی ہوئی جنفیاف آکر سامنے کھڑی ہو گئی۔ اور کونٹ کی یہ حالت تھی کہ زبان بند تھی اور کوئی جواب نہ بن پڑتا تھا۔

آخر دل مضبوط کر کے کونٹ نے کہا "مگر جنفیاف۔ میں تیرے قابل نہیں۔ تیرا حُسن باغ عدن تھا۔ اور میں سانپ بن کے آیا اور اُسے ہاتھ سے کھو دیا۔ تو باوفا تھی اور میں بے وفا ہوں۔ تیرے دل میں محبت تھی اور میرے دل میں بغض۔ تو پارسا و پرہیزگار تھی اور میں بدکار و گنہگار ہوں۔"

جنفیاف "تم چاہے جیسے ہو مگر میں تمھاری ہوں۔ اور شادی کے روز جو عہد کیا تھا اُس پر آج تک قائم ہوں اور زندگی بھر قائم رہوں گی۔"

کونٹ (حیرت سے) "زندگی بھر قائم رہوں گی؟ تو کیا تم ابھی زندہ ہو؟ اگر یہ ہے تو میں بڑا خوش نصیب ہوں۔"

جنفیاف "ہاں میں زندہ ہوں۔ مگر تم کو یہ سُن کر افسوس ہوگا کہ میں زندہ بچ گئی۔ آؤ۔ اب تم اپنے ہاتھ سے قتل کر ڈالو۔ اور یہی میری تمنا بھی تھی۔ جس کو خدا نے یوں پورا کیا کہ جس کو تم نے میرے قتل کر ڈالنے کا حکم دیا تھا اُس نے مجھے جنگل میں لا کے چھوڑ دیا۔ اور تاکید کی کہ پھر کبھی تم کو اپنی صورت نہ دکھاؤں۔"

کونٹ "اُس نے مجھ پر بڑا احسان کیا۔ افسوس گولو نے مجھے فریب دیا۔ اور میں ایسا بیوقوف بن گیا۔" یہ کہہ کے کونٹ نے بیوی کو بغلگیر کر لیا۔ بچہ پہاڑ کی ایک کھوہ میں غافل پڑا سو رہا تھا۔ اُسے جا کے گود میں اُٹھایا۔ اور پیار کیا۔

اب کونٹ اپنی محبوبہ بیوی اور اپنے لخت جگر کو اپنے محل میں لایا۔ اُسی وقت گولو کو بلا کے قتل کیا۔ اور گھر میں پھر خوشیاں منائی جانے لگیں۔

جنفیاف نے جنگل میں جہاں مصیبت کی زندگی بسر کی تھی وہاں اپنی مصیبت

دُور ہونے کی یادگار میں ایک عالیشان خانقاہ تعمیر کرائی - اور اُس میں ایک پتھر پر اپنی ساری داستان کندہ کرا دی - اور ایک تابوت بنوایا جس میں دونوں میاں بیوی مرنے کے بعد دفن کیے گئے۔ وہ خانقاہ اُس کی یادگار میں آج تک موجود ہے -

فریدہ

عہدِ بنی عباس میں اِس نام کی دو صاحب کمال و بے مثال گانے والی کنیزیں گذری ہیں - دونوں جادو نگاہی و سحر آفرینی میں فریدۂ عصر اور یکتائے روزگار تھیں - جن کی قائم کی ہوئی بندشیں مدت ہائے دراز تک لوگوں کے گلے میں اُتری رہیں - اور بعد کے اساتذۂ موسیقی ان کے کمالات کا دم بھرتے رہے -

پہلے فریدہ کا نشو و نما ارضِ حجاز میں ہوا - اسکے بعد اُس زمانے کے رئیس ربیع کے حرم میں پہونچی - اور وہیں فنِ موسیقی میں کمال پیدا کیا - چند روز بعد وہ برامکہ کے فیاض و قدردانِ کمال گھرانے میں پہونچی - آخر جب ہارون رشید کی برہمی و بدگمانی نے جعفر بن یحییٰ برملی اور اُسکے ساتھ تمام برامکہ کا خاتمہ کر دیا تو فریدہ اُنکے محل سے نکل بھاگی - ہارون رشید نے اُسکو بہت ڈھونڈوایا مگر نہ پایا - آخر اُس کے ولیعہد اور عزیز فرزند محمد امین کے کاشانۂ عیش میں پہونچی - اور وہ اُس کے حسن و جمال اور کمال کا گرویدہ ہو گیا - جب امین بھی مارا گیا تو فریدہ ایوانِ خلافت سے نکل کے ہیثم بن مسلم کے عقدِ نکاح میں منسلک ہو گئی - اُسکے بطن سے ہیثم کا بیٹا عبداللہ پیدا ہوا - اُس کے بعد جب ہیثم بھی مر گیا تو اُس عہد کے نامور دربار رس سردار سندی ابن جرش نے اُس سے شادی کر لی - اور اُسکے گھر سے وہ مر کے نکلی -

دوسری فریدہ اُس سے زیادہ نامور و صاحب کمال - اُس سے زیادہ حسینہ و بے مثال - اُس سے زیادہ شوخ و بذلہ سنج اور لطیفہ گو - نہایت ہی زندہ دل اور سب سے بڑی بات یہ کہ محبت و وفا کی سچی تصویر تھی -

الواثق باللہ کے مغنی و مطرب عمرو بن بانہ نے اُسکو پال کے اُس کی تعلیم و تربیت کر کے اور ہر بات میں صاحب کمال بنا کے اُس کو خلیفہ کی نذر کر دیا تھا -

عمرو کے گھر میں فریدہ کے ساتھ ایک اور کنیز بھی تعلیم پا رہی تھی جس کا نام ظلم تھا۔ فریدہ کو واثق کے محل میں پہونچا دیکھا تھا کہ ایک روز اسکے سامنے اُس نے یہ چیز گائی

قلتُ ظلم تقبلی معذرتی — ما کذا یجزی محبًّا من احب

(میں نے ظلم (محبوبہ) سے کہا میرا عذر قبول کر محبت والے اپنے چاہنے والوں سے ایسا نہیں کرتے ہیں) واثق کو یہ گیت اس قدر پسند آیا کہ جھومنے لگا اور کہا "ذرا پردے کے پاس جا کے یہ راگ فریدہ کو بھی سکھا دو"۔ عمرو نے حریم خلافت کے پردے کے پاس بیٹھ کے یہ نغمہ فریدہ کو یاد کرانا شروع کیا۔ پہلا مصرع یاد کرتے کرتے اُس نے چپکے سے کہا "اس میں ظلم ہے یا ظلمی (میری ظلم) کیسی رہی ہے؟" عمرو سمجھ گیا کہ اس بہانے سے وہ اپنی سہیلی ظلم کی خیریت دریافت کرنا چاہتی ہے۔

پھر اسکے بعد فریدہ کا نغمہ روز بروز زیادہ موثر اور دلکش ہوتا گیا اور وہ اس کمال کو پہونچی کہ کوئی مغنیہ اُس کی ہمسری کا دعویٰ نہ کر سکتی تھی۔

مگر اُس کا کمال موسیقی - اسکی جادو بھری آواز - سحر آفرین باتیں غلط انداز نگاہ - سب چیزیں زمانے کے ساتھ گذر گئیں - جو چیز کسی طرح زمانے کے مٹائے نہیں مٹ سکتی وہ اُسکی وفاداری ہے - اُس نے واثق کے سوا اور کسی کی صورت کو دیکھنا گوارا نہ کیا - اور گویا اُسی ایک دم کے لیے دُنیا میں آئی تھی - اس کا یہ جوہر ایک عجیب و غریب عبرتناک طریقے سے ظاہر ہوا جس سے زیادہ دل پر اثر کرنے والا کوئی واقعہ نہیں ہو سکتا۔

واثق کا ایک ندیم خاص محمد بن حارث کہتا ہے "میں واثق کی صحبت عیش میں شریک ہوا کرتا - اور میرے واسطے ہفتے میں چند روز مخصوص تھے جن کے سوا اور کسی دن نہ میں جاتا اور نہ بلایا جاتا - ایک دن گھر میں بے فکر بیٹھا تھا اس لیے کہ یہ میری باری کا دن نہ تھا - ناگہاں دروازے پر کچھ شور و ہنگامہ سُنا - باہر نکلا تو دیکھا کہ ایوان خلافت کے چوبدار اور ہرکارے کھڑے ہیں اور کہہ رہے ہیں "چلیے آپ کی یاد ہوئی ہے"۔ میں نے کہا "آج تو میرا دن نہیں ہے - یاد کیسے ہوگی؟ تمھیں کچھ دھوکا ہوا ہے"۔ اُنھوں نے کہا "ان باتوں میں دیر نہ لگائیے ہمیں تاکید ہے کہ فوراً آپ کو لیجا کے حاضر کر دیں - لہذا ہم آپ کو بے لیے نہ جائیں گے"۔

اب میں دل میں ڈرا اور طرح طرح کے اوہام گذرنے لگے - بار بار دل کہتا کہ "معلوم ہوتا ہے کسی نے کچھ لگا دیا - یا خود امیر المومنین کے دل میں کوئی بدگمانی پیدا ہو گئی - ہر حال آج خیریت نہیں ہے" مگر مجبور تھا - گرتا پڑتا اُن لوگوں کے ساتھ ہو لیا - قصر خلافت میں پہونچ کے اُس طرف چلا جدھر میرے ٹھہرنے کی جگہ مقرر تھی - مگر چوبداروں نے پکڑ کے کہا "نہیں اُدھر چلیے" اور محل کے ایک ایسے راستے پر لے چلے جدھر کبھی میرا گذر نہیں ہوا تھا - اب مجھے موت سامنے کھڑی نظر آتی تھی - کانپتا ہوا کمروں کے بعد کمرے اور مکانوں کے بعد مکان طے کرتا چلا جاتا تھا - تھوڑی تھوڑی دور پر چوبدار اور خدام بدلتے جاتے - ایک گروہ اپنی حد تک پہونچا کے دوسرے گروہ کے حوالے کر دیتا - پھر دوسرا اپنی حد ختم کر کے تیسرے گروہ کو مجھ پر مسلط کر دیتا - کشاں کشاں قصر خلافت کی ہفتخوان طے کر کے ایک نہایت ہی نفیس مکان میں پہونچا جو اپنے تکلفات اور شاہانہ سامان آرائش سے شداد کی جنت معلوم ہوتا تھا - کمخواب کا فرش تھا - دیواروں پر طلائی نقش و نگار بنے تھے - دروازوں اور محرابوں پر زربفت کے پردے لٹک رہے تھے - اب لوگ مجھے اس مکان کے ایک کمرے کی طرف لے چلے جو سب سے زیادہ آراستہ و پیراستہ تھا -

دور ہی سے میری نظر اُس کمرے میں گئی تو دیکھا کہ سونے کے ایک مرصع تخت پر جواہرات کی مسند زرنگار بچھی ہے - مرصع تکیے لگے ہیں - اُس پر واثق لباس فاخرہ پہنے بیٹھا ہے اور اُسکے پہلو میں فریدہ ہے جو دلھن بنی ہوئی ہے - اُسکے جواہرات نظر کو خیرہ کیے دیتے ہیں - ایک سرود اُسکی گود میں ہے اور وہ اُسکو چھیڑ رہی ہے - میری صورت دیکھتے ہی واثق نے کہا "واللہ خوب آئے - آؤ بیٹھو" میں نے زمین ادب چوم کر عرض کیا "امیر المومنین - خیریت تو ہے؟" کہا "خیریت ہے - دیکھتے نہیں کہ اس بزم عیش میں ایک زندہ دل ندیم صحبت کی ضرورت ہے - تم سے زیادہ بامذاق انیس صحبت مجھے اور کوئی نہ نظر آیا - اس لیے بُلا بھیجا - خیر پہلے جا کے کچھ کھا پی لو" عرض کیا "امیر المومنین میں خوب سیر ہوں - اور پی بھی چکا ہوں" یہ سُن کر کہا "تو خیر بیٹھو" ساتھ ہی کنیزوں کی طرف جو دست بستہ کھڑی تھیں اشارہ کیا - اور اُنھوں نے مئے ارغوانی کا ایک رطل گران لا کے

میرے سامنے پیش کردیا۔ اور میں پینے پر مجبور تھا۔

اب فریدہ نے سرود چھیڑ چھیڑ کے مجنون کے دو شعر گائے۔ اُس کی آواز اُسکے نغمے۔ اور اُس کی سرود نوازی سے خدا کی قسم یہ معلوم ہوتا کہ جیسے وہ مجھ پر جادو کر رہی ہے۔ اور مین لحظہ بہ لحظہ زیادہ مسحور و از خود رفتہ ہوتا چلا جاتا ہون۔ ادھر واثق کی یہ حالت تھی کہ بیتاب تھا۔ اور شوق کی بیخودی مین بار بار اُسکو اپنے آغوش کی طرف کھینچتا۔ جھنجھوڑتا۔ اور وہ زیادہ جوش و لطف کے ساتھ تانین لگاتی۔ اور دل کو پاش پاش کیے ڈالتی تھی۔

فریدہ نے گانے کا سلسلہ باندھ دیا۔ ایک نغمہ ختم ہوتا تو دوسرا شروع کر دیتی جو پہلے سے زیادہ دلکش ہوتا۔ درمیان درمیان مین کبھی بیخود ہو کے مین بھی تانین لگانے لگتا۔ غرض یہ ایسی صحبتِ طرب تھی کہ مجھے زندگی بھر نہ بھولیگی اور نہ ایسا لطف عیش کبھی نصیب ہوا تھا۔

ان لذتون کا لطف اُٹھاتے اُٹھاتے کیا دیکھتا ہون کہ ناگہان واثق نے اپنا پانون اُٹھایا۔ اور اس زور سے کس کے فریدہ کو ایک لات ماری کہ وہ تڑپتی پھڑکتی اور قلابازیان کھاتی ہوئی تخت کے نیچے جا پڑی۔ اُسکو جا بجا چوٹ آئی۔ سرود بالکل پاش پاش ہو گیا۔ اور وہ زمین پر گر کے زار و قطار رونے لگی۔

ساتھ ہی میری یہ حالت ہوئی کہ تن سے جان نکل گئی۔ اس صحبت مین کئی بار مین نے فریدہ کو اور اُس نے مجھے دیکھا تھا۔ مجھے یقین آگیا کہ اس برہمی کا باعث یہی واقعہ ہے۔ نہ ہم دونون ایک دوسرے کو دیکھتے اور نہ اس نازنین پر یہ ظلم ہوتا۔

ادھر واثق نے سر جھکایا تو بڑی دیر تک کسی فکر مین رہا۔ اور مین بھی سر جھکائے منتظر تھا کہ اب میرے قتل کا حکم ہوتا ہے۔ اتنے مین واثق نے سر اُٹھا کے میری طرف دیکھا اور کہا "عمرو۔ تم نے کبھی اس سے زیادہ حیرتناک ماجرا دیکھا تھا" عرض کیا "امیر المومنین۔ غلام کا تو دم ہی نکل گیا۔ اور خدا لعنت کرے مجھ پر اگر مین نے اس حور وش نازنین کو آنکھ بھر کے بھی دیکھا ہو۔ یا اگر اتفاقاً نظر پڑ گئی تو اُس مین کسی قسم کی ادنیٰ بدنیتی بھی ہو!" کہا "نہیں نہیں۔ اس کا تو بخدا مجھے ذرا

بھی خیال نہین ہے ۔ مجھے اس وقت بیٹھے بیٹھے یہ خیال آیا کہ جیسے میرا بیٹا جعفر (جو متوکل علی اللہ کے لقب سے اُسکے بعد خلیفہ ہوا) میری جگہ اسی تخت پر بیٹھا ہے ۔ اور فریدہ اُسکے پہلو مین بیٹھی یونھین نغمہ سنجی کر رہی ہے ۔ اس خیال کو مین برداشت نہ کر سکا ۔ اور مجھ سے ایسی حرکت سرزد ہو گئی "

(یہ خیال رکھنا چاہیے کہ واثق اپنے ولیعہد جعفر متوکل سے نہایت بدگمان اور اُس کا دشمن تھا ۔ اور آخر اسی بدگمانی کے وہم مین مبتلا ہو کے مرا)

محمد بن حارث کہتا ہے واثق کا یہ خیال سُن کر مین نے دست بستہ عرض کیا " امیر المومنین اس کا خطرہ دل مین نہ لائین ۔ خدا نے چاہا تو ناخلف جعفر قتل ہو گا اور حضور ابد الآباد تک زندہ و اقبالمند رہین گے " پھر مین نے زمین بوس ہو کے عرض کیا " امیر المومنین ۔ اللہ اللہ! بھلا ایسی نازنین گل اندام کے ساتھ ایسا سلوک ہونا چاہیئے تھا؟ حضور اُس کے حال پر رحم فرمائین اور پھر پیار سے اپنے پہلو مین بٹھا لین "

میری اس التجا پر اُس نے خادم کنیزون کو حکم دیا کہ " فریدہ کو لا کے میرے برابر بٹھاؤ " حکم ہوتے ہی فریدہ دوسرا زرنگار جوڑا پہنا کے واثق کے برابر بٹھا دی گئی ۔ اور واثق نے کھینچ کر اُسے گلے لگا لیا ۔ اب دوسرا سرود لا کے اُس کی گود مین رکھا گیا ۔ مگر فریدہ کی آنکھون سے اب تک آنسوؤن کا سیلاب جاری تھا ۔ اُس سے بھی زیادہ پھوٹ پھوٹ کے خود واثق رو رہا تھا ۔ اور اُن دونون کو روتے دیکھ کر میرا بھی دل بھر آیا ۔ بے اختیار رونے لگا ۔

اب فریدہ نے کہا " امیر المومنین پہلے میرا قصور بتائین ۔ آخر کس جرم پر میرے ساتھ یہ سلوک ہوا؟ " واثق نے جو وہم و خیال مجھ پر ظاہر کیا تھا اُس پر بھی ظاہر کر دیا ۔ مگر کہتا جاتا تھا اور روتا جاتا تھا ۔ واثق کا یہ بیان سُن کر فریدہ نے رو رو کے کہا " تو امیر المومنین ۔ مین آپ کو خدا کا واسطہ دلاتی ہون کہ مجھے اسی وقت قتل کرا ڈالیے ۔ تاکہ آپ کے دل سے یہ اندیشہ دور ہو ۔ اس طرح مجھے بھی آیندہ کی فکرون سے آزاد کر دین گے ۔ اور اپنے دل کو بھی مطمئن کر لین گے " اُسکی اس درخواست پر واثق اور مین زار و قطار رونے لگے اور دیر تک روتے رہے ۔

یہ لوگ تو روتے ہی ہیں لیکن سچ یہ ہے کہ ہم اُن کا یہ تذکرہ لکھتے وقت اُن سے زیادہ روتے اور خون کے آنسوؤں سے رو رہے ہیں۔ ہمارے رونے کا باعث یہ جان گدازسین نہیں بلکہ یہ امر ہے کہ افسوس یہی وہ مسندِ خلافتِ اسلامیہ ہے جو ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کے لیے بچھائی گئی تھی۔ اور یہ امیر المومنین کا لقب وہ ہے جو شاہی و تاجداری کی نخوت و خود پرستی کے جذبات سے مبرا و منزہ رہنے کے واسطے حضرت فاروق اعظمؓ کے لیے اختیار کیا گیا تھا۔ اُسی سادی مسند پر دو ہی تین صدیوں کے بعد ایسا شخص بیٹھا نظر آتا ہے جس نے فرعون کی خود پرستیوں اور خسرو پرویز کی عیاشیوں کو بھی مات کر دیا۔ اور وہ شخص امیر المومنین کہلاتا ہے جس کو دراصل امیر العیاشین یا امیر الفاسقین کہنا چاہیے۔

ہمارے بگڑنے اور ہمارے زوال کی اگر یہی رفتار ہے جو عہد فاروقی سے عہد واثقی تک سوا دو صدیوں سے کم زمانے میں نظر آتی ہے تو تیرہ سو برس بعد اُس درجے سے جس پر ہم نظر آ رہے ہیں ہمیں بہت زیادہ ابتر حالت میں ہونا چاہیے مگر نہیں۔ دولت مغلیہ کے آداب دربار بتا رہے ہیں کہ واقعی ہم اُسی درجے کو پہونچ گئے تھے جس کو اتنی مدت کے بگاڑ کا نمونہ ہونا چاہیے تھا۔ اور اب بھی بعض چھوٹے ذلیل رئیسوں کو تھوڑی سی ثروت حاصل ہوتے ہی ہم اُس ناپاک حالت میں پاتے ہیں جس سے شیطان بھی پناہ مانگتا ہے۔ اور اُس سے زیادہ عبرتناک یہ ہے کہ جن مسلمانوں کو اُن سے تھوڑا نفع پہونچ جاتا ہے اُنکی تعریف کے پل باندھ دیتے ہیں اور ہماری نکتہ چینی کو محبت دین کے منافی بتاتے ہیں۔ حالانکہ سچ یہ ہے کہ اسلام کی ثروت و عزت اگر ایسے ہی حضرات کے ڈھکوسلوں سے عبارت ہے تو ثروت و دولت اسلام کا رہنے سے مٹجانا زیادہ اچھا ہے۔

خیر اب واثق۔ فریدہ۔ اور ندیم صحبت محمد بن حارث سب نے آنسو پونچھے پھر اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے۔ اور واثق نے خادم کو اشارہ کیا جنھوں نے روپیوں، اشرفیوں۔ خلعتوں۔ اور دیبا و حریر اور زربفت و کمخواب کے تھانوں کی کشتیاں لا لا کے سامنے رکھیں۔ پھر ایک خادم ایک جواہر نگار صندوقچہ لایا۔ اور اُسکو کھول کے خلیفہ کے سامنے پیش کیا۔ واثق نے اُس میں سے بڑے بڑے موتیوں کا

ایک ہار نکالا (جس کی نسبت محمد بن حارث کہتا ہے کہ مین نے اپنی زندگی مین کبھی اتنے بڑے اور ایسے آبدار موتی نہین دیکھے تھے) اور اسکو اپنے ہاتھ سے فریدہ کے گلے مین ڈالدیا - اسکے بعد دس ہزار درہم کے دس توڑے اور قیمتی تھانون کی پانچ کشتیان محمد بن حارث کے سامنے رکھی گئین - اور پھر وہی صحبت عیش گرم ہو گئی جو رات بھر قائم رہی - اور صبح کو محمد اپنے انعامات لے کے اپنے گھر آیا - اور اپنی خوش نصیبی پر نازان تھا -

اسکے بعد محمد بن حارث کہتا ہے کہ زمانہ بدلا - اور متوکل علی اللہ تخت پر بیٹھا - اور مین جس طرح واثق کا مصاحب تھا متوکل کے ندیمون مین بھی شامل کیا گیا - اب بھی اُسی طرح میری باری کے دن مقرر تھے - لیکن ایک روز جبکہ میرا گھر مین رہنے کا دن تھا غل سن کر باہر آیا تو قصر خلافت کے چوبدارون اور ہرکارون کا زغہ دیکھا - جنھون نے صورت دیکھتے ہی کہا "چلیے آپ کی یاد ہوئی ہے" وہ لوگ کشان کشان مجھ کو لے گئے - اور قصر کے اندر اُنھین راستون سے بدلتے ہوئے مجھ کو اسی کاشانۂ عیش مین پہونچایا - وہان کیا دیکھتا ہون کہ وہی کمرہ ہے - وہی تخت جواہر نگار ہے - وہی ساز و سامان ہے - اُسی طرح فریدہ سرود گود مین لیے بیٹھی ہے - مگر اُس کے برابر بجائے واثق کی جگہ متوکل ہے -

متوکل نے میری صورت دیکھتے ہی کہا "محمد - تم نہین دیکھتے کہ مین کس آفت مین مبتلا ہون ؟ کل سے اس وقت تک فریدہ سے اصرار کرتے گذری کہ گاؤ - مگر یہ نہین مانتین - تمھین سمجھاؤ " مین نے فریدہ سے کہا "سبحان اللہ! یہ کون سی ضد ہے کہ آپ ان کا کہنا نہین مانتین جو آپ کے اور ہم سب کے آقائے نامدار اور تمام بنی نوع بشر کے سردار ہین! مین امیر المومنین ہی کی جان کی قسم دلا کے کہتا ہون کہ گائیے "

میرے کہنے سے فریدہ ذرا راہ پر آئی - سرود چھیڑا - اور دو شعر گائے جو عالم کی بے ثباتی اور موت کی حسرتناکی پر تھے - لیکن ان کا خود اُس پر یہ اثر پڑا کہ کمال طیش کے ساتھ سرود کو اس زور سے زمین پر پٹکا کہ چور چور ہو گیا - اور

خود تڑپ کے جو تخت پر سے گری تو دور تک لوٹتی چلی گئی۔ مرغ بسمل کی طرح تڑپتی تھی۔ اور چلا رہی تھی کہ "ہائے میرے آقا! ہائے میرے آقا!"

متوکل نے یہ حالت دیکھ کر پوچھا "آخر یہ ماجرا کیا ہے؟" میں نے عرض کیا "بخدا میں نہیں جانتا"۔ اُس نے پوچھا "تو پھر تمہاری رائے میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟" میں نے کہا "غالباً یہ میری صورت دیکھ کر زیادہ پریشان ہوتی ہیں۔ لہذا میری رائے تو یہ ہے کہ حضور مجھے رخصت کر کے کسی اور کو اس صحبت میں بلائیں۔ جس سے یہ شاید زیادہ نہ تڑپیں۔ غالباً میرے چلے جانے کے بعد یہ حضور امیر المومنین کی مرضی پر چلیں گی۔" اُس نے کہا "اچھا تو جاؤ۔ خدا حافظ۔" اجازت ہوتے ہی میں اپنے گھر آیا۔ اور خدا جانے وفادار محبوبہ فریدہ پر کیا گذری۔

لیکن دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ فریدہ کسی طرح نہ گائی۔ آخر متوکل نے کمال بے رحمی اور سنگدلی سے ایک خادمہ کو حکم دیا کہ "جب تک یہ گانے پر آمادہ نہ ہو اس کے سر پر برابر دھولیں لگاتی رہو۔" اور زندگی سے تنگ آ کے اُس نے سر دوا اٹھا کے متوکل کے سامنے یہ شعر گایا

فلا تبعد فکل فتی سیاتی   علیہ الموت یطرق او یغادی

آخر فریدہ نے واثق ہی کے غم میں کُڑھ کُڑھ کے جان دی۔ اور واثق کا اندیشہ نہ پورا ہونے دیا۔

ظریفۂ صفوان

عرب میں بنی عذرہ کا قبیلہ حسن و عشق کی شور انگیزیوں کے لیے مشہور ہے۔ اس قبیلے نے خدا جانے کتنے عاشق جانباز پیدا کیے اور کتنی دلربا معشوقوں کی پیاری صورتیں دنیا کے سامنے پیش کیں۔ مگر دنیا کے تمام دل دینے اور لینے والوں کی طرح اُن کی عاشقی و معشوقی کا بھی انجام ہمیشہ ناکامی و نامرادی پر ہوا۔

اُنھیں نازنینان بنی عذرہ میں سے ایک ظریفہ بھی تھی جو صفوان ابن وائلہ عذری کی بیٹی تھی۔ اور حسن صبیحی گلعذاری سحر نگاری و قیامت خرامی کے

علاوہ خوش آوازی اور حیاداری کے اعتبار سے بھی سارے قبیلے میں بےنظیر
وعدیم المثال تھی۔

ایک روز قبیلے کی اور بہت سی دوشیزہ لڑکیوں کے ساتھ پانی لینے کو کسی
دور کے تالاب پر گئی۔ اور سب لڑکیاں تو پانی میں اُترنے کھیلنے اور اپنے
مشکیزوں میں پانی بھرنے لگیں۔ مگر وہ گھاٹ پر سے الگ ایک بلند
مقام پر بیٹھ کے پیچ زلفوں میں کنگھی کرنے لگی۔ بال کھول دیے۔ جو رُخ تابان
پر اس طرح بکھرے ہوئے تھے جیسے ماہ تابان پر کالی بدلی کا جال پڑا ہو۔

اُسی دن اور اُسی وقت اُسکے قبیلے کا شریف زادہ عروہ
بن خالد عذری شکار کے لیے گھوڑے پر چڑھا تھا۔ کمان تیر جوڑے ہوئے ایک ہرن
کے پیچھے گھوڑا دوڑائے چلا جاتا تھا۔ مگر ہرن تالاب کے کنارے کے جھنڈ میں نظر
سے غائب ہو گیا۔ عروہ کی نظر اتفاق سے اُس بلندی پر جا پڑی جس وقت ظریفہ
کے رُخ انور پر نظر پڑی ہے اُسی وقت اُس نے ہاتھ سے گال کی زلفیں دونوں
جانب سے ہٹائی تھیں۔ اور اُسکا روئے تابان اُن سے گویا بادلوں سے رات کے
چاند کی طرح اور گھٹاؤں سے نکل کے کیسے چمک اُٹھا تھا۔ اور اسی کے ساتھ
ظریفہ کی نگاہ غلط انداز بھی عروہ پر پڑ گئی۔ وہ تو شوق دیدار کی کشش بیخودی
کے ساتھ آگے بڑھا ہی چلا جاتا تھا۔ ناگہاں آنکھوں کا تیر کھا کے گرا اور بیہوش
ہو گیا۔

اُسکے اس بیکسی و غربت کے عشق پر ظریفہ کو ترس آ گیا۔ اُٹھی تیزی سے اُٹھی
اُس کے پاس گئی۔ اور جب یوں اُسے بیہوش پایا تو تالاب سے پانی لے کر اُس
کے منہ پر چھڑکنے لگی۔ چند منٹ میں عروہ کے ہوش [illegible] آنکھیں کھول دیں۔ دلدار کی
رخسار کو مہربان اور درد عشق کا معالج دیکھ کر بولا "آہ! قاتل ہی مقتول کا علاج
بھی کر رہا ہے!" اس کے جواب میں ظریفہ نے مسکرا کے کہا "تو پھر تمہیں کس بات
کی شکایت ہے؟" اب عروہ ہوش و حواس میں تھا۔ اور محبوبہ حیادار نگاہ اور
اُس کی میٹھی باتوں سے لطف اُٹھا رہا تھا۔ اُٹھ بیٹھا۔ اور دیر تک دونوں وہ
باتیں کیا کیے [illegible] معشوقوں [illegible]

کے کان مین کہہ دیا کرتا ہے -

"آخر ظریفہ اُٹھی کہ دیر ہوئی تو ساتھ والیان بدگمان ہوجائین گی - اور ساتھ ہی زرعہ بھی یہ کہتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا کہ سچ "جو شکار افگن تھا آکر ہوگیا یان خود شکار" پھر ان برجستہ طبعزاد اشعار مین ترنم کرنے لگا -

خَرَجتُ اَصِیدُ الوَحشَ صَادَفتُ قانِصًا
مِنَ الرِّیمِ صَادَتنِی سَرِیعًا حَبَائِلُه

مین وحشیون کا شکار کھیلنے کو نکلا تھا مگر گوری غزالہ نے خود مجھے جھٹ پٹ اپنی کمند مین پھنسا کے شکار کرلیا -

فَلَمَّا رَمَانِی بِالنِّبَالِ مُسَارِعًا
رَقَانِی وَہَل مَیتٌ یُدَاوِیہِ قَاتِلُه

پھر جب تیر سے گرا چکی تو دوڑ کے مجھ پر دعائے صحت دم کر دی - اور بھلا کہین یہ بھی دیکھا ہے کہ مُردے کا علاج خود اُس کا قاتل کرے ؟

اَلَا فِی سَبِیلِ الحُبِّ صَبٌّ قَد انقَضٰی
سَرِیعًا وَلَم یَبلُغ مُرَادًا یُحَاوِلُه

لوگو! افسوس ہے عشق راہِ محبت مین جلدی تمام ہوگیا اور وہ تمنا نہ پوری ہوئی جس کا آرزومند تھا -

اسکے بعد زرعہ بڑی دشواریون سے گھر تک پہونچا - اور پہونچتے ہی صاحب فراش ہوگیا - اور کھانا پینا مطلق چھوٹ گیا - مان باپ نے سو جتن کیے اور دوا دوش مین کوئی بات اُٹھا نہ رکھی مگر ع "مرض بڑھتا گیا جون جون دوا کی" - آخر زندگی سے مایوس ہوکر اُس نے مان کے کان مین کہہ دیا کہ "آپ بیکار ہی میرے لیے دوا اور علاج کی فکر کر رہی ہین - مریض عشق کو دنیا مین کون اچھا کر سکتا ہے ؟ مین دراصل ظریفہ بنت صفوان کے رخ زیبا کا بیمار ہون - میرا علاج ہوسکتا ہے تو اُس سے - اور یہ ممکن نہین ہے "

مان کی مامتا بُری ہوتی ہے - جانتی تھی کہ ظریفہ کے خاندان والے اس نسبت کو ہرگز نہ منظور کرین گے - مگر بیٹے کو ہاتھ سے جاتے دیکھ کر نہ رہا گیا - ظریفہ کے خیمے مین دوڑی گئی - اور اُس سے تنہائی مین مل کے کہا "بیٹی - میری جرأت کو معاف کرنا - اس لیے کہ مین اپنے آپے مین نہین ہون - میرا بیٹا زرعہ تمھاری پیاری صورت دیکھ کے دیوانہ ہوگیا ہے - اور اپنی جان دیے دیتا ہے" یہ سنتے ہی

اُس کے قدموں پر گر پڑی اور کہا "بس تمھیں اُسے اچھا کر سکتی ہو۔ دنیا بھر میں کوئی حکیم اور طبیب اُس کا علاج نہیں کر سکتا۔ اگر ایک گھڑی بھر کے لیے آ کے اسے تسلّی دے دو گی تو اُمید ہے کہ کچھ جینے کا سہارا ہو جائے گا۔"

ظریفہ نے فوراً اُسکو اُٹھایا اور سینے سے لپٹ گئی۔ پھر ایک آہ کھینچ کے آنکھوں میں آنسو بھر لائی۔ اور کہا "ہائے اپنی رسوائی و بیحیائی کو کیسے چھپاؤں؟ اب آپ نے چھیڑا ہے تو سنیے۔ جو آگ آپ کے فرزند کے دل میں لگی ہے وہی میرے دل میں بھی لگی ہوئی ہے۔ اُنھوں نے تو آپ سے کہہ بھی دیا۔ مگر میں کمبخت کس سے کہوں؟ اور کس کے آگے جا کے روؤں؟ آپ وہاں چلنے کو کہتی ہیں۔ میں تو سر آنکھوں سے چلتی۔ دوڑی ہوئی چلی آتی۔ مگر آہ۔ دشمن ہر طرف لگے ہوئے ہیں۔ میری پریشانی اور اُنھیں سے کسی کو بھی شبہہ ہوا تو کیا ہوگا؟ چغلیاں کھانے والیاں اسی فکر میں ہیں کہ کوئی بات دیکھیں اور بزرگوں سے لگا دیں۔ ایسی حالت میں بھلا میری مجال ہے کہ کہیں جاؤں؟ اور بیحیائی اختیار کر کے چلی بھی آئی تو سب لوگ مجھ سے زیادہ آپ کے بیٹے کے دشمن ہو جائیں گے۔ اس لیے یہ تو کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ میں آپ کے گھر میں آؤں۔ مگر ایک تدبیر کرتی ہوں اس سے شاید اُن کو افاقہ ہو۔ اپنے بالوں کی ایک لٹ کاٹے دیتی ہوں۔ اسکو لیجا کے اُنھیں دیجیے۔ شاید کچھ تسکین ہو سکے۔" یہ کہہ کے اپنی زلفوں کی ایک لٹ کاٹ دی۔ اور زرعہ کی ماں اُس کو لیے ہوئے زرعہ کے پاس آئی اور ساری سرگذشت بیان کر دی۔

ان بالوں کو ہاتھ میں لیتے ہی زرعہ کی جان میں جان آ گئی۔ اس سے اچھا لخلخہ بھلا کہاں نصیب ہو سکتا تھا؟ اُن بالوں کو بار بار سونگھتا۔ آنکھوں سے لگاتا۔ اور چومتا۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ اچھا ہو گیا۔ بھوک بھی کھل گئی۔ کھایا پیا۔ اور چلنے پھرنے کی طاقت آ گئی۔

اب اُس کا یہ معمول ہو گیا کہ چھپ چھپ کے اور لوگوں کی آنکھ بچا بچا کے ظریفہ کے خیمے کے پاس جاتا۔ اور نا واقفیت کے انداز سے دونوں ایک دوسرے کی زیارت کبھی کبھی کر لیا کرتے۔ اور یہی دم کے دم گھڑی کی ملاقاتیں دونوں کے

جینے کا سہارا تھیں -

مگر فلک بے مہر اسکو بھی نہ دیکھ سکا - دونوں کے دلی تعلق کی سارے قبیلے میں شہرت ہو گئی - اور تمام قبیلے والے اُس کے قتل کے درپے ہو گئے - اس لیے کہ عرب میں لڑکی کی شادی اور جب کسی کے ساتھ چاہیں کر دیں کوئی مضائقہ نہ تھا مگر جسکے ساتھ شادی سے پہلے محبت ہو گئی ہو اُسکے ساتھ لڑکی کی شادی ہو جاتی تو سمجھا جاتا کہ سارے قبیلے کی ناک کٹ گئی - مجبوراً عروہ کو گھر بار اعزا و اقارب اور خاص کر محبوبۂ شیریں ادا کو چھوڑ کر چلا جانا پڑا -

بیچارے نے [illegible] میں پہنچ کر دم لیا - عفرا کی زلفوں کے بال ساتھ تھے - اور وہی اُس کی زندگی تھے - قدم قدم پر اُن کو نکال کے دیکھتا - سونگھتا - اور چومتا جب کبھی شوق زیادہ بڑھتا اُن کو منہ پر ڈال لیتا اور تسلی ہو جاتی - غرض یوں ہی وہ اپنی روح کو تازہ کیا کرتا تھا - اسی حالت میں کئی سال گذر گئے - ایک دن کسی ضرورت سے کہیں جا رہا تھا کہ راہ میں وہ بال جو حرز جان تھے گر گئے - پلٹ کر اُن کو ڈھونڈھتا ہوا چلا - اور ساری راہ میں ڈھونڈھ ڈالا مگر کہیں پتہ نہ لگا - آخر ڈھونڈھتے ہی ڈھونڈھتے طاقت جواب دے گئی اور اب اتنا دم نہ تھا کہ کہیں جا سکے - لوگوں نے اصرار کیا کہ چلیے گھر میں آرام سے بیٹھ کے سوچیے گا تو تسلی و تسکین کی کوئی صورت نکل ہی آئے گی - جواب دیا "بس اب میں جا چکا - آپ سب جائیے اور مجھے میری قسمت پر چھوڑ دیجیے - یا تو کوئی صورت زندگی پیدا ہوگی یا پیوند زمین ہو جاؤں گا"

سب لوگ چلے گئے اور اُس نے ایک لڑکے کو اپنے چند شعر یاد کرا دیے - اور کہا "قبیلۂ بنی عذرہ کی آبادی میں فلاں مقام پر جا کے جس وقت اور کوئی نہ نظر آئے ان اشعار کو بہ آواز بلند گانے لگنا - اُن اشعار کا مضمون یہ تھا کہ: مریض عشق ایک جگہ کسی قبیلے کے خیموں کے سامنے پڑا تڑپ رہا ہے - اُس کی نہ کچھ دوا ہے اور نہ اُس کا کوئی علاج - لوگ کہتے ہیں کہ تم اُس کی عیادت کو آؤ گی تو جی جائے گا - اور اُس صحبت سے ہم مہربانی کی درخواست کریں گے تو وہ اُس میں بخل نہ کریں گی"

یہ لڑکا گیا اور اُسی جگہ اُس نے سناٹا دیکھ کے وہ اشعار گائے۔ فوراً ظریفہ روتی ہوئی خیمے سے نکل آئی۔ اور جواب میں اپنے طبعزاد چار اشعار گائے جن کا مضمون یہ تھا:- خدا رحم کرے اُس پر جس کا دل محبت میں مبتلا ہے۔ اور جس کے شوق میں میرا جی چاہتا ہے کہ اُڑ کے پہونچ جاتی۔ اگرچہ دل میں کثرت سے شعلے اُٹھ رہے ہیں۔ مگر چغل خور لگانے بجھانے والے بھی بہت ہیں۔ اور اگرچہ خاندان والوں کے ڈر سے میں حسب سابق طرز پر ملاقات کے لیے نہیں آسکتی۔ مگر دل ہر وقت تمھارے پاس جاتا اور زیارت کرتا ہے۔"

لڑکے نے یہ چاروں اشعار بزبان یاد کر لیے اور واپس آکر زرعہ کو سنائے تو سن کر تھوڑی دیر تک اس پر غشی کا عالم طاری رہا۔ پھر آنکھ کھول کر اس مضمون کے دو شعر پڑھے کہ "معلوم ہوتا ہے کہ اس محبوبہ نازنین کا عشق میری جان لے گا۔ نہیں معلوم میرے بعد تمام میرے ساتھ کیا کرنے والے ہیں۔ اُنھوں نے جو کچھ کیا اچھا کیا۔ اور افسوس یہ خون مفت ضائع ہوا۔"

اب اس پر قیامت یہ ہوئی کہ ظریفہ کے ماں باپ نے اپنے قبیلے کے ایک شخص کے ساتھ بیٹی کی شادی کر دی۔ یہ خبر زرعہ کو پہونچی تو کمال بیقراری سے تڑپنے لگا۔ یہاں تک کہ تڑپتے تڑپتے بے ہوش ہوگیا۔ اور اسی بے ہوشی میں روح پرواز کر گئی۔

ادھر ظریفہ کی یہ حالت ہوئی کہ جس دولہا کے ساتھ عقد ہوا تھا اُس سے کسی طرح مانوس نہ ہوئی۔ اور نہ اُس کو کبھی اپنے پاس آنے دیتی تھی۔ زبان سے تو کبھی ایک لفظ بھی نہ نکالا۔ مگر طرز عمل سے ثابت کر دیا کہ بجز زرعہ کے وہ اور کسی کے لیے نہیں ہے۔ اسی اثنا میں خبر پہونچی کہ زرعہ دنیا سے رخصت ہوگیا۔ اب اُس کو بجز رونے دھونے کے اور تمام زمانے کی کسی چیز سے سروکار نہ تھا۔ شوہر اُس کی آہ و زاری اور [illegible] کو بے بسی سے دیکھتا اور دم نہ مارتا تھا۔ پہلے تو بہت تسلی دینے کی بہت کوشش کی مگر جب دیکھا کہ [illegible] کا کوئی اثر نہیں ہوتا تو اُس کو اُسی کے حال پر چھوڑ دیا۔ لیکن چونکہ طرح طرح کے اندیشے تھے اس لیے ہمیشہ اُس کی نگرانی رکھتا۔

ایک شب کو آدھی رات کے بعد اُس نے دیکھا کہ ظریفہ بچھونے سے اُٹھ کر
گھر سے نکلی اور ایک طرف روانہ ہوئی - وہ بھی پیچھے ہو لیا کہ دیکھوں کہاں جاتی
ہے اور کیا کرتی ہے - جاتے جاتے وہ وادی کے کنارے پہونچی جو پانی برسنے سے
اُن دنوں جاری ہو گئی تھی - جہاں پہونچتے ہی ظریفہ بے تحاشا ندی میں پھاند پڑی -
اور پانی میں غائب ہو گئی - شوہر بھی پانی میں کودا اور ڈھونڈھ کے نکال لایا -
گر کنارے پر لا کے دیکھا تو ہوش میں نہ تھی - اپنے خیمے میں اُٹھا لایا - رات بھر مُردے
کی طرح بے حس و حرکت پڑی رہی - صبح کو دیکھا تو ذرا سانس باقی تھی - ماں
نے آکے رونا پیٹنا شروع کیا - اُس سے ظریفہ نے کچھ کہا - مگر کوئی سمجھ نہ سکا کہ
کیا کہتی ہے - اب اُس نے اشارے سے پانی مانگا - لوگوں نے کٹورا اُٹھا کے
مُنہ سے لگا دیا - وہ ایک گھونٹ پیے تھے کہ فراق جانان میں جان دے دی -
اور وہیں پہونچ گئی جہاں اُس کا عاشق نامراد تھا -

پہلے تو قبیلے ہی کی زمین میں دفن کر دی گئی - مگر اسکے بعد بے رحموں کو ترس
آیا - اور اُس کی لاش کو قبر سے نکال کے لے گئے اور جہاں زرعہ بن خالد دفن تھا
وہیں اُسکے پہلو میں لا کے خاک میں سُلا دیا -

اُم حکیم بنت قارظ

یہ حضرت عبید اللہ بن عباس بن عبد المطلب کی بیوی تھیں - عرب کی
نامور فصیحہ و بلیغہ خاتونوں میں تھیں - پاکدامنی و اخلاق میں مشہور تھیں حُسن و
جمال بھی عدیم المثال تھا - اور بڑی ثابت قدم اور دل کی بہادر تھیں - اُن کے
اشعار اُن کی زبان سے نکلتے ہی مشہور ہو جاتے - اور اکثر اشعار اپنے دو ننھے بچوں
کے غم میں تھے - جن میں سے ایک کا نام عبد الرحمن تھا اور دوسرے کا
نام قثم -

اُن بچوں کی مظلومانہ موت کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت علی اور امیر معاویہ کے
جھگڑے کا تصفیہ دونوں حکموں کی زبان سے ایسا ہوا کہ معاویہ کامیاب ہو گئے
تو اُنھوں نے دو شخصوں ضحاک بن قیس اور بُسر بن ارطاۃ کو روانہ کیا اور حکم دیا

کہ جس کسی کو علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے موافق اور اُنکے گروہ مین پائین قتل کر دین - اور زن و فرزند پر بھی ترس نہ کھائین - عبید اللہ بن عباس ان دنون یمن کے والی تھے - بسر بن ارطاۃ وہان پہونچا تو اپنی کمزوری سے اور کسی لشکر کے موجود نہ ہونے کے باعث وہ بھاگ کے روپوش ہوگئے - بسر نے اُنکے گھر پہونچ کے [illegible] پایا تو اُنکے دونون مذکورہ بالا لڑکون کو جو ابھی ننھے ننھے بچے تھے اُن کی مان کے سامنے ذبح کر ڈالا -

وہ بدقسمت مان یہی ام حکیم تھین - اُنھون نے جو یہ حالت دیکھی تو بیچاری وفورِ غم سے دیوانی ہوگئین - گھر چھوڑ کے نکل کھڑی ہوئین - نہ کسی کی سنتی تھین اور نہ کچھ سمجھتی تھین - کوئی کچھ کہتا اُنھین حس نہ ہوتی - دشت و در کی خاک چھانتی اور قبائل عرب مین چکر لگاتی پھرتی تھین - جس جگہ چند آدمی بیٹھے نظر آجاتے اُنکے پاس کھڑی ہو جاتین - اور اپنے پُرسوز و گداز اشعار سنانے لگتین - جن کو سن کر سخت سے سخت دل خون ہو جاتا - اور ہر شخص کی آنکھون سے آنسو جاری ہو جاتے - منجملہ اُنکے اشعار کے ہم دو تین کا ترجمہ اپنے ناظرین کے سامنے پیش کیے دیتے ہین - تاکہ کسی قدر اندازہ ہوسکے کہ ان شعرون نے قبائل عرب مین کیسی آگ لگا دی ہو گی - کہتی ہین -

"ارے کسی نے میرے بچون کو دیکھا ہے جو موتی تھے اور سیپی اُن سے محروم کر دی گئی"-

"ارے کسی نے میرے بچون کو دیکھا ہے جو میرے کان اور میرا دل تھے اور بے اُنکے میرا دل چاک چاک ہے"

"ارے کسی نے میرے بچون کو دیکھا ہے جو میرا دماغ تھے اور مین بغیر دماغ کی ہون"

ایک دن ان شعرون کو اہل یمن کے ایک مجمع کے سامنے بین کے لہجے مین پڑھا تو سب بیتاب ہوگئے - مگر ایک شخص کے دل مین بغیر کسی قرابت یا تعلق کے انتقام کا ایسا جوش پیدا ہوا کہ جا کے بُسر سے ملا - دوست بنا - اور چند روز مین ایسا معتمد علیہ بن گیا کہ ایک روز بُسر کے دو لڑکون کو اُسی کے سامنے

سیر و شکار کے بہانے وادی اوطاس میں لے گیا - اور اُمِ حکیم بنت قارظ کے دونوں بچوں کی طرح اُن کو قتل کر کے بھاگ کھڑا ہوا - پھر یہ چند شعر کہہ کے مشہور کر دیے جو گویا بُسر کے نام پیام تھے "بنی ہاشم سے بہتر روے زمین پر کوئی نہیں ہے۔ اُن دونوں بچوں کو مار کے تجھے کیا مل گیا جن کی ماں غم میں روتی پھرتی ہے؟ اُنھیں کا انتقام میں نے تجھ سے لے لیا"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب خبر پہونچی کہ بُسر نے اُن معصوم بچوں کو مار ڈالا - تو آپ کو بیحد صدمہ ہوا - اور بددعا فرمائی کہ بار الٰہا - بُسر سے نورِ ایمان کو چھین لے - اور وہ مجنون ہو کے مرے " یہ دعا پوری ہوئی - اور اُس کی عقل جاتی رہی - اور یہ حالت تھی کہ شمشیر زنی کے مالیخولیا میں مبتلا تھا - بار بار چلاتا کہ "میری تلوار لاؤ" لوگ ایک لکڑی کی نقلی تلوار اُسکے ہاتھ میں دیدیتے - اور ایک مشک پھونک کر اور اُس کا دہانہ باندھ کے سامنے ڈالدیتے - وہ اُس مشک پر چوبی تلوار سے برابر وار کرتا - یہاں تک کہ مشک میں سے ہوا نکل جاتی -

کہتے ہیں کہ ایک بار عبید اللہ بن عباس معاویہ سے ملنے کو گئے - وہاں اتفاقاً بُسر بن ارطاۃ بھی موجود تھا - اُسکو دیکھ کر عبید اللہ نے کہا "او شخص! میرے بچوں کا قاتل تو ہی ہے؟" بولا "ہاں میں نے اُن کو قتل کیا" عبید اللہ نے کہا "مجھے تمنا تھی کہ کسی جگہ میرا تیرا سامنا ہوتا" بُسر نے کہا "یہیں میں تمھارے سامنے موجود ہوں" عبید اللہ بولے "مگر اس وقت تو میری کمر میں تلوار بھی نہیں ہے" بُسر نے اپنی تلوار کو بڑھا کے کہا "لو یہ تلوار بھی لے لو" مگر جیسے ہی عبید اللہ نے تلوار لینے کو ہاتھ بڑھایا معاویہ نے بُسر کے ہاتھ سے تلوار چھین لی اور بُسر سے کہا "خدا تمھیں غارت کرے - بڑھاپے میں تمھاری عقل بھی جاتی رہی؟ دیکھتے نہیں کیسے ہاشمی شخص ہیں جن کو تم نے نقصان پہونچایا ہے - اور اُنکے دو بچے بھی مار ڈالے ہیں - اور پھر اُنھیں کے ہاتھ میں اپنی تلوار دے رہے ہو؟ تم کو بنی ہاشم کے دلوں کی حالت نہیں معلوم ہے - خدا کی قسم اگر ان کا زور چلتا تو مجھ سے ابتدا کرتے گے - پہلے مجھ کو مارتے گے اور پھر تم کو" عبید اللہ نے کہا "بخدا میرا یہی ارادہ تھا" غرض معاویہ نے ان باتوں میں بہلا کے بُسر کو انکی شمشیر انتقام سے بچا دیا -

پوپ جون

(۱)

تاریخ مین متعدد ایسی مثالین موجود ہین کہ عورتون نے امور سلطنت یا علوم و فنون مین نمایان حصے لیا اور مردانے کپڑے پہن کے نام و نمود حاصل کیا ہے۔ عورتون نے مردانے لباس مین اکثر وسیع سلطنتون پر حکومت کی ہے اور بڑی فوجون کو اپنی ماتحتی مین میدان جنگ مین لے گئی ہین۔ لیکن اس عورت کے واقعات جس نے ساری مسیحی دنیا کی مقتدائی حاصل کر لی اور یورپ کا تہرا تاج اپنے سر پر رکھا سب سے زیادہ دلچسپ اور پُر لطف ہین۔

یہ واقعہ اس قدر عجیب و غریب ہے کہ بعض پروٹسٹنٹ مورخین نے بھی جو رومن کیتھولک عقائد سے اختلاف رکھنے کی وجہ سے اُنکے پوپون کے بھی عموماً دشمن ہوتے ہین اسکی صداقت سے انکار کر دیا ہے۔ مگر اصل یہ ہے کہ اس قصے کو ایسے مستند مورخین نے اپنی کتابون مین لکھ دیا ہے کہ کسی طرح اُسے غلط اور بے بنیاد نہین کہا جا سکتا۔ گبن نے اپنی مشہور "تاریخ انحطاط و زوال رومہ" مین لکھا ہے کہ "پوپ جون کا قصہ غلط معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یہ نہین کہا جا سکتا کہ ایسا واقعہ پیش ہی نہین آ سکتا۔" ایک اور مشہور مورخ نے جو ۱۴۲۳ء مین رومہ کے مشہور گرجے سینٹ جان کی زیارت کو گیا تھا اپنی تصنیف مین لکھ دیا ہے کہ "اتنی مشہور اور قابل ترین مورخ لکھ رہے ہین کہ ایک عورت سینٹ پیٹر کے تخت پاپائی پر بیٹھ چکی ہے۔" اور چونکہ یہ سب لوگ رومن کیتھولک عقائد کے پابند ہین۔ لہذا ان مین سے کسی کے بیان کو ہم غلط یا اس دینی معاملے مین فرضی نہین ثابت کر سکتے۔

لیکن ہماری سمجھ مین نہین آتا کہ رومن کیتھولک مصنفین اتنی تکلیف اُٹھا کے اس واقعے کو غلط ثابت کرنے کی کیون کوشش کرتے ہین جبکہ خود اُنھین کے عقائد کا ایک دینی مقتدا کارڈنل بیرونیس کھلے لفظون مین لکھ رہا ہے کہ "بہت سے ایسے لوگ تخت پاپائی پر بیٹھ چکے ہین جنھین ہم دیو یا شیطان کے لفظون سے بھی نہین یاد کر سکتے۔ اُن کی حرکتین دیوون اور شیطانون سے کئی درجے بڑھی ہوئی

تھین " اور یہ بھی واقعہ ہے کہ اسی صدی مین تھیوڈورا اور مروزیا ایسی زبردست عورتین موجود تھین جو اپنی مرضی کے مطابق پوپون کا انتخاب کیا کرتی تھین اور جب اُن کا جی چاہتا ایک پوپ کو اُس کی جگہ سے ہٹا کے کسی دوسرے شخص کو جس پر انکی نظرِ عنایت ہو جاتی اس تخت پر بٹھا دیتین - اور اس طرح عورتون نے سیکڑون برس در پردہ تخت پاپائی پر حکومت کی ہے - پھر کیا یہ غیر ممکن ہے کہ کبھی اسی قسم کی عالی حوصلہ عورت کے دل مین یہ خیال پیدا ہوا ہو کہ در پردہ حکومت کرنے سے یہ زیادہ مناسب ہوگا کہ خود مردانے کپڑے پہن کر اس تخت پر بیٹھے اور کُل اقتدارات کو خاص اپنے ہاتھ مین لے لے؟

آج کل کے مسیحی مورخین اس امر کے ثابت کرنے مین اپنی ساری کوشش صرف کر رہے ہین کہ پوپ جون کا واقعہ بالکل فرضی ہے - اور یہ قصہ افسانے سے زیادہ وقعت نہین رکھتا - اسے پوپ کے دشمنون نے دُنیا مین مشہور کر دیا تھا - بہت ممکن ہے کہ ایسا ہی ہو - لیکن یہ بات بہت تعجب خیز ہے کہ وہ لوگ اپنی ساری عقل اور پورا زورِ قلم اس ایک واقعے کی تردید مین صرف کر رہے ہین حالانکہ اسی قسم کے سیکڑون واقعات ہین جن کی نسبت وہ ایک لفظ بھی نہین لکھتے - جس شخص نے اُس زمانے کی تاریخ دیکھی ہے اور جانتا ہے کہ جس وقت مین پوپ جون کا واقعہ پیش آیا وہ کس قسم کا زمانہ تھا اُسکی سمجھ مین آ جائے گا کہ اُس وقت اس قسم کا واقعہ پیش آ جانا کوئی بہت بڑی بات نہین - وہ پوپ جو جون کے پہلے اور اُسکے بعد ہوے اُنھون نے تخت پاپائی کو ذاتی قابلیت یا اپنی ہر دلعزیزی کی بنا پر نہین حاصل کیا بلکہ مختلف سازشون اور جعل و فریب کے ذریعے سے اس درجے تک پہونچے - کارڈنل بیرونیس لکھتا ہے کہ یہ سب پوپ جو خود غرض اور مجرم اور نہایت ناپاک شیطان تھے - انھون نے دین مسیحی مین ایسی شرمناک خرابیان پیدا کر دین کہ اُنکے خیال سے ہم کانپ جاتے اور شرم سے پسینے پسینے ہو جاتے ہین - نوین صدی عیسوی کے پوپون کے ذریعے سے دین مسیحی کو جو نقصان پہونچا اور جیسی ذلت اُسے نصیب ہوئی وہ اس دین کے سخت ترین دشمن بھی کبھی نہین پہونچا سکے - اس زمانے کا یہ عام رواج تھا کہ عورتین مسیحی دُنیا پر حکومت کر رہی تھین

اور بہت سی عورتین ایسی تھین جنھون نے زنانے کپڑے اُتار کے پھینکدیے اور مردانے بھیس مین گرجے کی خدمت مین مصروف ہو گئین۔ بہت سی عورتین ایسی تھین جو مردانے لباس مین خانقاہون مین جا کے داخل ہوئین۔ حاکم اسکندریہ فلپ کی بیٹی یوجینیا مردانے لباس مین دین کی خدمت کے لیے گرجے مین داخل ہوئی۔ ذاتی قابلیت کی بدولت اُس نے بہت بڑا درجہ حاصل کر لیا۔ اور یہ امر کبھی کسی پر نہ ظاہر ہوا ہوتا اگر خود اُسی نے کسی ضرورت سے لوگون کو نہ بتا دیا ہوتا۔ اسی طرح اسکندریہ کی ایک اور عورت تھیوڈورا تھی۔ مردانے لباس مین معمولی خدمتون سے ترقی کرتی ہوئی اسقفِ اعظم کے درجے تک پہونچ گئی۔ اور اُسی مین اپنی ساری زندگی بسر کر دی۔ مرنے کے بعد اصلیت معلوم ہوئی۔ جب یہ حالت ہے تو بہت ممکن ہے کہ اُس زمانے مین ایسی عورتین بھی گذری ہون جنھون نے اپنے عورت ہونے کا راز آخر وقت تک نہ ظاہر ہونے دیا ہو۔ اسی حالت مین اُنھون نے دنیا کو خیرباد کہی ہو اور اُن کا راز بھی اُنھین کے ساتھ دفن ہو گیا ہو۔

ناظرین کو اس قسم کے واقعات یاد دلا کے ہم پوپ جون کے اصلی یا فرضی ہونے کو صحیح یا غلط نہین بتانا چاہتے۔ ہم اس قصے کو اسی سلسلے سے بیان کیے دیتے ہین جس طرح مستند مورخین لکھتے آئے ہین۔ ناظرین خود ہی فیصلہ کر لین کہ یہ فرضی افسانہ ہے یا تاریخی واقعہ۔

یہ واقعہ نوین صدی عیسوی کا ہے۔ شہنشاہ شارلیمین نے قوم سیکسن کو مطیع فرمان بنانے کے بعد اُنکو مجبور کیا کہ دین مسیحی اختیار کرین۔ اس قوم کا وطن جرمنی کے علاقہ ہولسٹین مین تھا۔ فرانسیسی حکمران شارلیمین نے بہت سے قابل پادریون کو انگلستان سے بلایا تاکہ اس نئی مفتوحہ قوم کو انجیل کی تعلیم دی جائے۔

اسی طرح نوین صدی عیسوی کے آغاز مین جبکہ سارے فرانسیسی علاقے مین دین مسیحی کی اشاعت کا جوش پھیلا ہوا تھا ایک بڑا قابل انگریز پادری مقام مینیس مین آیا۔ اسکے ساتھ ایک نہایت حسین عورت تھی جسے وہ پادری علاقہ برٹانی سے اپنے ساتھ لایا تھا۔ کہا جاتا تھا کہ وہ عورت دراصل جزیرۂ آئرلینڈ کی رہنے والی تھی۔ اور یہ عام طور پر مشہور تھا کہ بہت کم عمری مین وہ کسی پادری

کے ساتھ اپنے گھر سے نکل آئی تھی۔ یہاں اس عورت کا نام ہلڈی گرانڈ مشہور تھا۔ نہیں معلوم کہ اُس کے والدین نے بھی یہی نام رکھا تھا یا کوئی اور۔ مگر ہر شخص جانتا تھا کہ وہ کسی شریف خاندان میں پیدا ہوئی تھی۔

مقام مےنیس میں پہونچ کے اس عورت کی ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام جون رکھا گیا۔ مورخین کو اس لڑکی کے نام میں اختلاف ہے۔ بعض لکھتے ہیں کہ اس کا نام اگنس تھا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا نام گلبرٹ رکھا گیا مگر زیادہ تر مورخین اس کا نام جون ہی بتاتے ہیں۔ یہ لڑکی نہایت حسین تھی۔ اور کم عمری میں یہ ظاہر ہوتا کہ اس میں غیر معمولی حسن وجمال کے ساتھ ایسی عقل ودانش موجود ہے کہ بڑی ہو کے وہ بہت سے عقلمند مردوں سے فوقیت لے جائے گی۔ اسکے باپ نے یہ دیکھ کے کہ اُس کی لڑکی کو قدرت نے اس قدر غیر معمولی عقل ودانش دی ہے۔ ارادہ کیا کہ اُسے زمانے کے مطابق علوم وفنون کی تعلیم دے۔ لڑکی نے بہت جلد تعلیم حاصل کرلی اور چند ہی روز میں اتنی ترقی کر گئی کہ بہت سے قابل ترین عالموں سے آگے نکل گئی۔ ابھی اسکی عمر پورے تیرہ برس کی بھی نہ تھی مگر وہ بڑے بڑے عالموں سے منطقی مسئلوں پر نہایت قابلیت اور خوبی کے ساتھ بحث کرتی۔ وہ جرمنی۔ انگریزی۔ فرانسیسی اور اطالوی زبانوں میں نہایت آزادی کے ساتھ گفتگو کرسکتی تھی۔ اسے لاطینی زبان کی بھی تعلیم دی گئی تھی اور وہ پادریوں اور دینی مقتداؤں سے مذہبی اور تاریخی معاملات میں بحث کرتی۔ مختصر یہ کہ کم عمری میں ہی وہ بہت بڑی عالم وفاضل تسلیم کی جانے لگی۔

اس غیر معمولی دل ودماغ کے ساتھ اس میں ایسا عجیب وغریب حسن موجود تھا کہ اسکی عقل ودانش کی باتوں کو سننے ہی کے لیے نہیں بلکہ اسکے متبرک اور نازک پاؤں کو بوسہ دینے کے بہانے سے اُسے ایک نظر دیکھ لینے کی ہوس میں بیشمار لوگ اُسکے دروازے پر کھڑے رہتے۔ جون ان سب باتوں کو دیکھتی اور سمجھتی تھی۔

فولڈا کی خانقاہ میں ایک نوجوان پادری تھا۔ اُس سے اور جون سے اتفاقاً ملاقات ہوگئی۔ اس کی ظاہری شکل وشباہت اور علم وفضل کے ساتھ اُس کے وسیع معلومات نے جون کے دل کو اُس کی جانب مائل کردیا۔ اور اس

پادری کا دل بھی جون کی جانب راغب ہو گیا۔ دونوں حسین۔ نوجوان اور تعلیم یافتہ تھے۔ لہذا دونوں میں جو دوستی ہوئی وہ ایسی گہری تھی کہ دونوں دل و جان سے ایک دوسرے پر عاشق ہو گئے۔ جون کی سی عالی ہمت لڑکی کے لیے دینی و دنیوی قیدیں کوئی وقعت نہیں رکھتی تھیں۔ جو چیز اُس کا راستہ روکنے والی ثابت ہوتی اُسکے لیے وہ ضرور کوئی ایسا طریقہ نکال لیتی جس سے ان مشکلات پر غالب آ جاتی۔ پادریوں کو شادی کرنے کی اجازت نہ تھی اور وہ کسی عورت کو اپنے ساتھ نہ رکھ سکتے تھے۔ اور جب یہ حالت تھی کہ دونوں عاشق و معشوق ایک دوسرے کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتے تھے یا جون کو کسی طرح گوارا نہ تھا کہ فولڈا کا پادری اُس سے علیحدہ ہو جائے۔ لہذا اُس نے یہ ارادہ کیا کہ مردانے کپڑے پہن کے فولڈا کی خانقاہ میں اپنے دوست اور عاشق پادری کے ساتھ آزادی سے رہا کرے۔ اس طرح جون نے اپنا نام جان رکھا۔ اور اپنا وطن سرزمین انگلستان کو بتایا۔ چند روز بعد یہ بنا ہوا انگریز جان فولڈا کی خانقاہ کا پادری مقرر ہوا۔ اور اسی کی قسمت میں یہ لکھا تھا کہ آخر میں سینٹ پٹر کے تخت پر جلوہ افروز ہو کر ساری مسیحی دنیا کی باگ اپنے ہاتھ میں لے۔

فولڈا کی خانقاہ میں یہ دونوں عاشق و معشوق اس طرح دو مہینے سے زیادہ نہیں رہنے پائے تھے کہ بعض لوگوں کو انکی نسبت کچھ شبہہ پیدا ہوا۔ اور اس خوف سے کہ کہیں یہ راز نہ کھل جائے دونوں ایک رات کی تاریکی میں اس خانقاہ سے نکل گئے۔ اور پاپیادہ مختلف ممالک یورپ کا سفر کرتے ہوئے یونان کے دارالسلطنت اثینیہ میں پہونچے۔ اس میں دونوں نے کئی سال بسر کیے اور اعلیٰ درجے کی مذہبی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ اثینیہ اُس زمانے میں بھی علوم و فنون کا مرکز مانا جاتا تھا۔ لہذا اس قدیم تاریخی دارالسلطنت میں جون اپنے دلی دوست فولڈا کے پادری کے ساتھ نہایت عجیب و غریب معلومات سے اپنے علم کو وسعت دیتی رہی۔ اُس نے ادب۔ تاریخ۔ فلسفہ اور سب سے زیادہ دینی تعلیم حاصل کی۔ اس کے معلم اور دیگر علما سب اُس کی خداداد قابلیت کی ہمیشہ تعریف کرتے رہے۔ ان دونوں کا نام بہت مشہور ہوا اور دور دراز ممالک تک

نہایت ادب و تعظیم کے ساتھ لیا جانے لگا۔

ایک روز دفعتہً خدا معلوم کیا خیال پیدا ہوا کہ دونوں نے علیحدہ علیحدہ سفر کرنے کی خواہش اور آمادگی ایک دوسرے پر ظاہر کی [illegible] کھڑے ہوئے۔ فولڈا کا پادری مشرق کی جانب چلا اور جون مغرب کی طرف۔

فولڈا کا پادری مصر میں پہنچا اور وہاں کے علمی مرکز اسکندریہ اور دیگر مقامات کا دورہ کرنے لگا۔ اسکے بعد وہ فلسطین میں آیا۔ وہاں سے [illegible] مقدس میں گیا۔ اور اسکے بعد دریائے فرات کے کنارے کنارے چلا۔ حصول علم کا شوق اُسے بغداد میں کھینچ لے گیا جو اُس زمانے میں عربی تمدن و معاشرت کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اور جس کی اُس وقت ساری دنیا میں شہرت تھی۔ اب بغداد نے علوم و فنون میں وہ درجہ حاصل کر لیا تھا جو کسی قدیم زمانے میں [illegible] دار السلطنت [illegible] کو حاصل تھا۔ غرض فولڈا کا پادری اس اسلامی شہر میں پہنچا [illegible] علم و فضل کا شہرہ [illegible] تھا۔ اور ہر گھر علوم و فنون کا مرکز بنا [illegible] پہنچ کے فولڈا کے پادری نے علم و فضل کا چرچا اس [illegible] اور مشرقی علوم کے حاصل کرنے میں ایسا مستغرق ہو گیا کہ چند روز کے لیے وہ اپنی معشوقہ کو بھی بھول گیا۔

جس زمانے میں وہ پادری مشرقی علوم حاصل کر رہا تھا اور ارض مشرق کے عالی دماغ عالموں سے مل کے سینۂ علم کو وسعت دے رہا تھا جون جو انگریز جان کے نام سے مشہور تھی مختلف شہروں میں ہوتی ہوئی خاص دارالسلطنت روما میں پہنچی۔ یہ قدیم اور تاریخی شہر پوپوں کا مسکن تھا۔ ساری مسیحی دنیا اس پر فخر و ناز کر رہی تھی۔ اور سارے یورپ کی توجہ فقط اسی ایک شہر کی جانب مبذول تھی۔ یہاں جون نے دیکھا کہ ہر شخص کو اپنی قابلیت ظاہر کرنے کا بہت اچھا موقع حاصل ہے۔ لہذا اُس نے اپنے دل میں کہا کہ یہیں میں بھی انتہائی عروج حاصل کر سکتی ہوں۔ وہ یہاں مردانے لباس میں آئی تھی اور اسی حالت میں زندگی بسر کرنے لگی۔ اور اس شہر میں کوئی متنفس ایسا نہ تھا جو اس راز سے واقف ہو۔ اٹلی میں اُن دنوں ڈاڑھی اور مونچھیں منڈانے کا عام رواج ہو گیا تھا لہذا

کسی شخص کو اس پر شبہ بھی نہ ہوا - جب جون رومہ مین پہونچی ہے اُس وقت پوپ سرجیس ثانی سینٹ پٹر کے تخت پر رونق افروز تھا -

جس وقت جون رومہ کے پھاٹک مین داخل ہوئی ہے تو کیا اُسکے دل مین یہ خیال آیا ہوگا کہ اسی شہر مین بیٹھ کے دریاے ٹیبر کے کنارے سے ایک دن مین ساری مسیحی دنیا پر حکومت کرون گی ؟ یہ مقدس شہر اس وقت مختلف جماعتون پر منقسم تھا - ہر جماعت کے طرفدار ایک دوسرے کے خلاف روزانہ لڑا کرتے اور ہنگامے پیدا کرتے رہتے تھے - رومہ مین اگرچہ قیصرون کے زمانے کی سی قدیم شان و شوکت نہین باقی رہی تھی مگر اب بھی وہ آدھی دنیا کا مرکز تھا - جون کی قابلیت - خوبصورتی - اور اُسکے اخلاق نے سارے شہر مین ایک شہرہ پیدا کر دیا - اور ان باتون کو دیکھ کر اب اُسکے دل مین بھی ایک نئی امید پیدا ہو گئی - یہان پہونچ کے انگریز جان یعنی جون سے ایسا غیر معمولی علم و فضل اور قابلیت ظاہر ہوئی کہ لوگ اُسے اُس زمانے کا بڑا قابل اور عالم شخص ماننے لگے - سلطنت کے معززین بڑے بڑے پادری اور علما و فضلا سب اُس کے سامنے آ کے سجدہ کرتے - اُسکے پاؤن کو بوسہ دیتے اور اُس کی شاگردی کو فخر کی نگاہ سے دیکھتے -

اس نوجوان عالم کی اعتدال پسندی - سادی زندگی - اور بے لوث ہمدردی خلق کی شہر بھر مین تعریف ہونے لگی - رومۃ الکبریٰ مین پہونچنے کے بعد جون نے اپنی زندگی کا طرز بالکل بدل دیا - اب وہ زیادہ تر تنہائی مین خاموش بیٹھی رہتی - اور اسی چیز نے ساری مسیحی دنیا کو اُس کے فریب مین مبتلا کر دیا - اصل یہ ہے کہ جون ایک عجیب و غریب دماغ کی عورت تھی - چند روز مین اُسے شہر کے عام لوگون - پادریون اور معززین و امرا مین ایسی ہر دلعزیزی حاصل ہو گئی کہ وہ خود بھی سینٹ پٹر کا مقدس تاج اپنے سر پر رکھنے کی آرزومند ہو گئی -

دریاے ٹیبر کے کنارے کے اسی عظیم الشان شہر کی آب و ہوا تھی جس نے آگسٹس اور نیرو کے ایسے عالی دماغ اور بلند مرتبہ قیصر پیدا کیے تھے - اب اُسی آب و ہوا نے جون کے دل مین بھی بلند حوصلگی کا ولولہ پیدا کیا - اس زمانہ مین جب کہ تعلیم

اس قدر عام نہین ہوئی تھی جو شخص ذرا سا بھی پڑھا لکھا ہوتا بڑی عزت کی نظرون
سے دیکھا جاتا - پھر جون جو اتنا علم و فضل حاصل کر چکی تھی اور جس کا دماغ
قدرتی طور پر اُس کے لیے موزون واقع ہوا تھا کب خاموش بیٹھ سکتی تھی؟ وہ جو
ارادہ کرتی اُسے ضرور پورا کر لیتی - اور جب ایسے واقعات پیش آئے کہ اس کی
کامیابی یقینی ہوگئی - اب یہ حالت دیکھ کے جون نے بھی اپنے دل مین فیصلہ کر لیا
کہ اپنے علم و فضل سے کام لے کے اعلیٰ ترین درجہ حاصل کرون - جون کی طبیعت
متجسس واقع ہوئی تھی - اور اسی شوق نے اس کو عالم و فاضل بنا دیا تھا - مگر
اب علم و فضل حاصل کر لینے کے بعد اُسی کو اس نے اپنی ترقی کا ذریعہ بنایا - اور
رفتہ رفتہ عزت و جاہ حاصل کرنے لگی - زمانے کی رفتار سے اُسے نظر آ گیا کہ مذہبی دنیا
مین اپنا مقصد بڑی آسانی اور انتہائی عروج تک حاصل کر سکتی ہون - اور
ساتھ ہی اُس نے فیصلہ کر لیا کہ زنانے کپڑے چھوڑ کے بقیۃ العمر کے لیے مردانہ لباس
اختیار کر لون گی - اسکے بعد وہ اُن مقتدایان دین مسیحی کی جماعت مین شریک
ہوگئی جو اسوقت سارے یورپ پر حکومت کر رہے تھے -

قدیم شہر رومہ کے قریب ہی اُس زمانے مین ایک خانقاہ تھی جو سینٹ
مارٹن کے نام سے مشہور تھی - اس کے متعلق ایک مدرسہ بھی تھا جہان یونانی اور
لاطینی زبانون مین مذہبی تعلیم دی جاتی - مشہور تھا کہ مقدس پادری سینٹ آگسٹن
نے بھی اس ممتاز درسگاہ مین تعلیم پائی تھی - یہ خانقاہ شہر کے باہر اور تنہائی کے
مقام پر واقع ہوئی تھی لہٰذا جون کو بہت پسند آئی - وہ اس خانقاہ مین داخل
ہوگئی اور اُسے ایک بڑے پادری کا درجہ دیا گیا - چند روز بعد وہ مدرسے کی اعلیٰ
پروفیسر مقرر ہوئی جہان وہ اپنے وسیع علم کے بے بہا جوہر ظاہر کرنے لگی - اُسکی
فصاحت کی اس قدر شہرت ہوئی کہ بڑے بڑے نامی گرامی مقتدا اُسکے لکچر سُننے
کے متمنی ہو گئے - اب اس کی شہرت رومہ سے گذر کے دور دراز ملکون مین پہونچ
گئی - اس خانقاہ کے راہب اور پادری کوئی اس راز سے واقف نہ تھے کہ وہ
عورت ہے - سب اُسے جان انگریز کے لقب سے یاد کرتے اور اُسے "حامی دین
مسیح" کا خطاب دیا گیا - اسی زمانے مین جون نے بدعقیدہ مسیحیون کے خلاف

ایک چھوٹا سا رسالہ لکھا - جس کے زورِ قلم اور دیگر خوبیوں نے ساری مسیحی دنیا میں ایک ہلچل پیدا کر دی -

جون کو اس خانقاہ میں داخل ہوئے زیادہ زمانہ نہیں گذرا تھا کہ پوپ سرجیس نے انتقال کیا - یہ وہ زمانہ تھا جبکہ مسیحی کلیسیا میں سخت ترین پیچیدگیاں پیدا ہوتی تھیں - اندرونی جھگڑے اور بدعقیدگیاں روز بروز بڑھتی جاتی تھیں ساتھ ہی عربوں نے خاص اٹلی پر حملہ کر کے بعض مقامات پر قبضہ کر لیا تھا - ایک عقلمند پادری لیو رابع کے نام سے پوپ منتخب ہوا - یہ نیا اسقفِ اعظم جون کو سینٹ آرٹن کی خانقاہ میں دیکھ چکا تھا - کیونکہ وہ خود بھی اُس خانقاہ میں رہتا تھا - اور اُس کی قابلیت اور دیگر صفات سے بخوبی آگاہ تھا - اُس نے جون کو مزید مرتبے عطا کیے اور نہایت اہم معاملات میں اُس سے مشورہ لینے لگا -

اس پوپ نے کئی بار اپنے اہم معاملات جون کے سپرد کیے جن کا فیصلہ نہایت مشکل نظر آتا تھا - مگر وہ سب اس خوبی کے ساتھ طے ہو گئے کہ پوپ کو بڑی خوشی ہوئی اور وہ بے اختیار جون کی تعریف کرنے لگا - چند روز میں نظر آنے لگا کہ روحۃ الکبریٰ کے انتظامات - پوپ کے دربار کے معاملات اور مسیحی دنیا کے کل امور جون کی مدد کے بغیر کسی طرح انجام ہی نہیں پا سکتے - کئی مرتبہ یہ بھی ہوا کہ جون رومی سپاہیوں کی فوجیں اپنی ماتحتی میں لے گئی اور عربوں کو شکست دے کے اٹلی کی سرزمین سے باہر کر دیا -

جون بیانتی کہ پوپ کے مصاحب اور وزرا اپنے گاڑ ڈینلوں کو اپنا طرفدار بنائے بغیر کام کسی طرح نہیں چلے گا - اُسے فکر تھی کہ اُن کا دل کسی طرح اپنے ہاتھ میں لے - عورتوں کو عموماً اس کام میں خاص ملکہ ہوا کرتا ہے - پھر جون کی سی تعلیم یافتہ اور عقلمند عورت کیسے اس مقصد میں ناکام رہ سکتی تھی ؟ یکے بعد دیگرے اس نے سب کارڈینلوں کو اپنا طرفدار بنا لیا - اور سب اسی کا دم بھرنے لگے - پوپ سرجیس کے آخر زمانے میں کارڈنل لیو وزیرِ اعظم کی حیثیت رکھتا تھا - مگر اُس کی یہ حالت تھی کہ کل انتظامات جون کے سپرد کر دیے تھے اور وہ سارا کام نہایت خوبی کے ساتھ انجام دیتی -

سرجیس کے انتقال کے بعد جب وہی کارڈنل لیو رابع کے نام سے پوپ منتخب ہوا تو اُس نے سب سے پہلا یہ کام کیا کہ جون کو سکرٹری آف اسٹیٹ کا اعلیٰ ترین مرتبہ دیدیا۔ اور اسکے چند روز بعد جون کارڈنل منتخب ہوئی۔ جس کا واقعہ حسب ذیل ہے :-

لیو کے پوپ منتخب ہونے کے بعد ہی مسیحی کلیسا مین ایک سخت ترین جھگڑا پیدا ہوا۔ اناسطیوس جو پوپ سرجیس کے زمانے مین کارڈنل کا درجہ حاصل کر چکا تھا لیو کا سخت ترین دشمن تھا۔ اور ہمین چاہتا تھا کہ لیو پوپ منتخب ہو۔ مگر کثرت رائے سے جب لیو کا انتخاب ہوگیا تو ہر طرح سے اُسے تکلیف پہونچانا اور پریشان کرنا شروع کر دیا۔ لیو نے باغی کارڈنل کو اُس کے عہدے سے معزول کر کے مسیحت سے خارج کر دیا۔ اناسطیوس رومہ سے چلا گیا اور مقام اکلجہ مین جا کے بیٹھ رہا۔ وہان کچھ ایسی حرکتین کرنے لگا جس سے پوپ کو اُس کی جانب سے خوف پیدا ہوا اور اُسے حکم دیا گیا کہ خاص رومۃ الکبریٰ مین آ کے رہے۔ اناسطیوس نے اس سے انکار کیا اور پوپ کے خط کے جواب مین باغیانہ اور حقارت آمیز کلمات لکھ بھیجے۔ یہ دیکھ کے پوپ لیو کے غصے کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اُس نے حکم دیا کہ پینتالیس کارڈنل۔ ایک سو تینتالیس پادری۔ اور پانچ سو اٹھاون راہب جمع ہون۔ اور اناسطیوس پر جو الزام لگائے گئے ہین انکی تحقیقات کرین۔ بحیثیت سکرٹری آف اسٹیٹ کے جون کا یہ کام تھا کہ پوپ کی جانب سے جو الزام لگائے گئے تھے۔ انکو اس مجلس کے سامنے بیان کرے۔ اس کام کو جون نے ایسی فصاحت اور خوبی کے ساتھ انجام دیا کہ ساری مجلس حیرت کرنے لگی۔ بلا اختلاف رائے مجلس نے یہ فیصلہ کیا کہ اناسطیوس اپنے عہدے سے معزول کر دیا جائے۔ اسی مجلس مین پوپ لیو کی سفارش پر اناسطیوس کی جگہ پر جون کارڈنل منتخب ہوئی اور کسی قدر پس و پیش کے بعد عقلمند عورت نے اس معزز عہدے کو قبول کر لیا۔

(۲)

پوپ لیو رابع زیادہ دنون تخت پاپائی پر نشین قائم رہ سکا۔ اُس کی صحت

پہلے ہی خراب تھی اب ساری مسیحی دنیا کی فکروں نے اُسے بہت جلد قبر کے اندر پہونچا دیا۔ نیو رابع کا انتقال ہو گیا۔ اور مقتدایان دین مسیحی دوسرے پوپ کے انتخاب کے لیے جمع ہوے۔ رومۃ الکبرے میں اسوقت بہت سی پارٹیاں تھیں اور بہت سے لوگ جو روپئے کے اثر سے یا خون بہا کے زبردستی سینٹ پٹر کے گرجے کی کُنجیاں اپنے قبضے میں رکھنے کے آرزومند تھے۔ آپس میں سازشیں ہونے لگیں۔ پارٹیوں نے اپنے اپنے طرفداروں کو اکٹھا کر لیا اور ہر شخص یہی چاہتا تھا کہ جس طرح ممکن ہو دوسرے امیدوار کو زک دیکے سینٹ پٹر کا تاج و تخت حاصل کر لوں۔ مقتدایان مسیحیت نے یہ حالت دیکھی تو اُنھیں خوف پیدا ہوا کہ اگر ان امیدواروں میں سے کوئی شخص منتخب کیا گیا تو ضرور خونریزی ہو گی۔ کیونکہ اُس کے مخالفین فتنہ و فساد برپا کر دیں گے اور اُسے بھی اپنی جگہ پر قائم رہنے کے لیے اسی قسم کی زیادتیوں سے کام لینا پڑے گا۔ لہذا ان سب خرابیوں کو رفع کرنے کے لیے یہ قرار پایا کہ ایک ایسا شخص پوپ منتخب کیا جائے جو کسی جماعت میں نہ ہو اور کسی سے کوئی واسطہ نہ رکھتا ہو۔ صرف یہ دیکھ لیا جائے کہ علم و فضل اور زہد و اتقاء میں اس اعلیٰ رتبے کا مستحق ہے۔ ایسے انتخاب پر یقین تھا کہ رومۃ الکبریٰ کے سب لوگ متفق ہو جائیں گے۔ اب غور کیا جانے لگا کہ ایسا شخص کون ہو سکتا ہے؟ زیادہ غور و فکر کی ضرورت نہ تھی کیونکہ ان صفتوں کا ایک شخص اُنکے پاس موجود تھا۔ غرض اس مذہبی جماعت کے انتخاب کنندگان نے انگریز جان یعنی جون کو تخت پاپائی پر بٹھا کے اُسکے سر پر تہرا تاج رکھ دیا۔ اس طرح جون پوپ منتخب ہوئی اور اُسکا نام پوپ جان ہشتم رکھا گیا۔

جون کے انتخاب میں کارڈنلوں نے ایک اور بات دیکھ لی تھی۔ چند روز سے شہر رومۃ الکبرے کے عام باشندے اُس کی بڑی قدر و منزلت کرنے لگے تھے۔ لہذا اگر انتخاب کے بعد کوئی شخص یا کوئی جماعت سرتابی پر آمادہ ہو گی تو عام لوگ خود ہی اُسے اطاعت گزاری پر مجبور کر دیں گے۔ اسکے علاوہ چند واقعات بھی ایسے پیش آئے تھے جن سے نظر آتا تھا کہ اگر جون نہ منتخب ہوئی تو سارے ملک میں بد امنی پیدا ہو جائے گی۔ جیسے ہی نیو کی موت کی خبر شہر میں مشہور ہوئی

لوگ خود بخود یہ نعرے بلند کرنے لگے کہ "لیو کی جگہ سکریٹری آف اسٹیٹ کو پوپ منتخب کرو" یہ نعرے بلند کرتے ہوے وہ پوپ کے محل کے سامنے جمع ہونے لگے - اور اُن کی تعداد لاکھوں سے زیادہ ہو گئی - اب سب یہی غل مچا رہے تھے کہ "پوپ جان ہشتم کی عمر دراز ہو" لیو کے ماتمی جلوس میں جب جون بھی چلی تو شہر والے اُس پر پھول برسانے لگے - اور سڑک پر اُسکے آگے مخمل اور کارچوب کا فرش بچھاتے جاتے تھے - پھر پُر جوش نوجوانوں نے اُسے اپنے کندھوں پر اُٹھا لیا - اور اس عظیم الشان شہر کی سڑکوں پر پھرایا - ان باتوں کو دیکھ کے انتخاب کرنے والے خوفزدہ ہوگئے کہ اگر کسی اور کا انتخاب کیا گیا تو اندیشہ ہو کہ شہر میں بلوہ ہو جائے - چند لوگ دل میں اب بھی اُس کے انتخاب کے خلاف تھے مگر زبان سے کچھ نہ کہہ سکے - اور اُنھیں بھی مصلحت اسی میں نظر آئی کہ عام لوگوں کے نعروں کے مطابق رائے دیں - لوگوں میں عجیب ملیسوتی ہیں جب عام لوگ کسی معاملے کے لیے نعرے بلند کرنے لگتے تو پھر ممکن نہ تھا کہ کوئی انکی رائے کے خلاف عمل کرے - لازمی طور پر اُنکی خواہشیں پوری کر دی جائیں ورنہ وہ لوگ جو کارکن ہوتے اُن کی خیریت نہ ہوتی - یہی حال اُسوقت ہوا - جو کارڈنل مخالف تھے اُنھیں بھی مجبوراً اپنی رائے کے خلاف جون کی موافقت میں رائے دینی پڑی - اور کوئی اس کی جرأت نہ کر سکا کہ عام لوگوں کی رائے کے خلاف ایک لفظ بھی اپنی زبان سے نکالے۔

عورتوں نے جون سے پہلے اور اسکے بعد بھی وسیع سلطنتوں اور بڑی بڑی قوموں کی قسمت کی باگ اپنے ہاتھ میں لی ہے - سمیرامیس - زنوبیہ کیتھرائن اور انکے علاوہ بہت سی عورتوں نے تاج اپنے سر پر رکھا ہے اور عصائے سلطنت اپنے ہاتھ میں لیا ہے - مگر جون اس عظیم الشان حکومت کی مالک ہوئی جسے دینِ مسیحی کہتے ہیں - اور اُن لوگوں کے عقائد کے مطابق دوسری دنیا کی محافظ اور جنت دوزخ کی بھی حاکم ہوئی

رومۃ الکبرے کے باشندوں نے اس انتخاب پر بڑی خوشی کا اظہار کیا - سارے شہر میں روشنی کی گئی - ہر جگہ باجا بج رہا تھا - اور سب ایک دوسرے کو مبارکباد

دے رہے تھے کہ دراصل یہ ایک ایسا شخص منتخب ہوا ہے جو واقعی اس کا مستحق تھا۔ اور اس زمانے مین اور کوئی اس سے زیادہ مستحق نہ تھا۔ جون نے نہایت ہی متانت۔ عقلمندی۔ اور ہوشیاری کے ساتھ حکومت شروع کی اور سبھی دنیا نے اس کی دانائی کی بدولت بہت سے فائدے حاصل کیے۔ بیشمار خرابیون کی اصلاح کی گئی۔ پوپ کے خزانے مین روپے کی آمدنی اور مصارف کا کوئی حساب نہ تھا۔ اسی کے زمانے سے ایک دفتر قائم ہوا اور آمد و خرچ کا حساب مرتب ہونے لگا۔ اس سے پہلے پوپون کی فضول خرچیون سے خزانہ ایک مدت سے خالی رہا کرتا تھا۔ اب اُس مین کثرت کے ساتھ روپیہ جمع ہونے اور باقی رہنے لگا۔

اس زمانے مین بہت سے لوگ ایسے پیدا ہو گئے تھے۔ جو مسیحیت مین بدعقیدگیان پیدا کر کے اُس مین خرابیان ڈال رہے تھے۔ جون کے حکم سے وہ سب جلا وطن کر دیے گئے۔ اور اُن لوگون کے ساتھ اُس نے ایسی سختی کا برتاؤ کیا کہ پھر کسی کو سرتابی کی جرأت نہ ہوئی۔ دور دراز ممالک کے بہت سے ذی اقتدار فرمان روا روۃ الکبرے مین حاضر ہوتے اور مہینون کے انتظار اور اُمیدواری کے بعد اُنھین اس کی اجازت دی جاتی کہ پوپ کے قدمون پر سر رکھ کے اور اُسکے جوتون کو بوسہ دے کے برکت حاصل کرین۔ کہا جاتا ہے کہ انگلستان کا بادشاہ بھی پوپ کی خدمت مین باریاب ہونے کے لیے روۃ الکبرے مین آیا تھا اور اُس کا بیٹا بھی اُسکے ساتھ تھا۔ جو بعد مین الفرڈ اعظم کے نام سے انگلستان کا فرمانروا ہوا۔ روزانہ ہزارہا عقیدتمند لوگ پوپ کی زیارت کے لیے آتے تھے۔ کیا ان عظیم الشان بادشاہون۔ عالی مرتبہ سردارون۔ ذی فہم لوگون اور سب سے زیادہ اُس مقدس محل کے کارکنون نے بھی جو روزانہ جون کو دیکھا کرتے تھے یہ نہ پہچانا ہوگا کہ یہ مرد ہے یا عورت؟ کیا کسی کو اُسکے عورت ہونے کا گمان نہین ہوا؟ ممکن ہے کہ کسی کے دل مین کچھ خیال پیدا ہوا ہو مگر زبان سے کسی نے نہین نکالا۔

اب جون یعنی دنیوی قوت و اقتدار کے اعلیٰ ترین مرتبہ پر پہونچ گئی

تھی - اور اُسے اپنی اُمید سے زیادہ کامیابی حاصل ہوگئی - وہی باتین جنکا کبھی خواب دیکھا کرتی تھی حقیقی ثابت ہوگئین - مگر یہ حالت بہت دنون تک نہین رہ سکی - جوآن کو پوپ منتخب ہوے دو تین سال سے زیادہ نہین گذرے تھے کہ دفعتہً اِس کی طبیعت مین ایک قسم کا انقلاب پیدا ہوا - اب یہ بات اُس کے دل مین جم گئی کہ یہ سب شان و شوکت محض نمائشی اور بیکار ہے - اِس سے حقیقی مسرت نہین حاصل ہوسکتی - بلند حوصلگی کے جذبات عورت کے دل مین مرد سے زیادہ جوش و خروش کے ساتھ پیدا ہوتے ہین - مگر مرد کے دل مین قائم رہ سکتے ہین - اور عورت کے دل مین زیادہ دیر تک نہین ٹھہر سکتے - ایک اعلیٰ ترین مرتبہ حاصل کرلینے کے بعد اور بادشاہون - شہزادون - امیرون - اور معزز سردارون کو اپنے قدمون پر گرتے دیکھ کر مرد کے دل مین پہلے سے زیادہ حوصلہ پیدا ہوتا ہے - مگر ساتھ ہی اُس مین کسی کی محبت نہین باقی رہتی - مگر عورتون کی حالت اس سے بالکل جداگانہ واقع ہوئی ہے - اور اگر بعض عورتین اس کے خلاف ہوئی ہین تو یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ عورتین نہ تھین بلکہ قدرت نے اُن کے دِلون کو خلاف فطرت مردون کا سا بنا دیا تھا -

ہم اوپر بیان کرچکے ہین کہ اب جوآن کی طبیعت مین دفعتہً ایک انقلاب پیدا ہوا - اور اس دینی و دنیوی حکومت کی طرف سے اسکی طبیعت ہٹ گئی - اب اس کی طبیعت مین نسوانی جذبات نے زور کیا - سب لوگ اُسکے تابع فرمان تھے - اُسکے ادنی اشارے پر دوڑ رہے تھے - اور جس کام کو وہ کہتی فوراً سر آنکھون سے انجام دیتے - اب اُس کے دل مین یہ ہوس پیدا ہوئی کہ کوئی مجھے دل سے چاہتا مجھ پر حکومت کرتا - اور مین اُس کی خدمت کرتی - اُسے اپنی نوجوانی کے وہ دن یاد آئے جب غربت اور کس مپرسی کی حالت مین اپنے دوست تھئلاکے پادری کے ساتھ پاپیادہ مختلف ممالک مین آزادی اور خوشی کے ساتھ عشق کے مزے لوٹتی ہوئی ایک سرزمین سے دوسری سرزمین مین پھرا کرتی تھی - آہ وہ زمانہ کیا پُرلطف تھا ! اُسوقت یہ بات وہم و گمان مین بھی نہ آتی تھی کہ ایک دن مین اس درجے تک پہونچ جاؤنگی ! اور اب جو یہ مرتبہ حاصل کرلیا اور مال و دولت

یا شان و شوکت میں کسی چیز کی کمی نہیں تو اکیلی اور پریشان ہے - کوئی اتنا بھی نہیں
کہ دو گھڑی اُس کے پاس بیٹھ کے دلچسپی کی باتیں کرے - نہ وہ کسی سے اپنے
دل کا حال کہہ سکتی ہے اور نہ کوئی اُس کی دلدہی کرنے والا ہے - یہ خیالی تکلیف
اُسکے دل میں روز بروز بڑھتی گئی اور اب اس کی بےچینی کی یہ حالت تھی کہ کسی
دم قرار نہ ملتا -

جب وہ روضۃ الکبرٰی میں پہونچی ہے اور غربت کی حالت میں بسر کر رہی تھی
تو اُس نے نہایت پاک و صاف اور قابل تعریف زندگی بسر کی - رات دن اُسے
تحصیل علم کے سوا اور کسی چیز کا شوق نہ تھا - ہر وقت وہ اسی فکر میں مشغول رہتی
کہ کس طرح اپنے معلومات کو وسیع کروں - پوپ منتخب ہونے کے بعد بھی چند روز
وہ بہترین پوپوں کے نقش قدم پر چلتی رہی - اُسکے دل میں یہ بات جم گئی تھی کہ
میں بہت بڑا گناہ کر رہی ہوں کہ اپنے عورت ہونے کو چھپا کے اور لوگوں کو دھوکہ
دے کے اس تخت پاپائی پر بیٹھ گئی ہوں - مسیحیت میں عورت کی اتنی وقعت نہیں
کہ اُسے تخت پاپائی پر بیٹھنے کی اجازت دی جاتی - اس لئے تمام اختیارات
سے جو اُسے بحیثیت پوپ ہونے کے حاصل تھے پورا کام لیا - اور اس گناہ کا
یہی کفارہ سمجھ رہی تھی کہ اس دینی حکومت کو خوش انتظامی کے ساتھ چلاتی رہے -
اُس نے مجرموں کو سزا دی - ساری مسیحی دنیا کے مقتداؤں اور پادریوں کو مقرر کیا
اور جو لوگ اپنے عہدوں کے اہل نہیں ثابت ہوئے اُنھیں معزول کر دیا - جب
کوئی جگہ خالی ہوتی تو وہ ہمیشہ ایسے شخص کو مقرر کرتی جو اُس کا سب سے زیادہ
مستحق ہوتا - غرض وہ نہایت قابلیت کے ساتھ دین مسیحی پر حکومت کر رہی تھی -
گرجوں میں نمازیں پڑھاتی - قربان گاہوں پر نذریں چڑھاتی اور اپنے متبرک
پاؤں کو پھیلا دیتی تاکہ خوش عقیدہ لوگ اُسے بوسہ دے کے برکت حاصل
کریں - پھر ان سب باتوں کے ساتھ وہ تحصیل علم کی طرف سے بھی غافل نہ تھی -
اُس نے کچھ ایسا بھی وقت نکال لیا تھا کہ وہ خاموشی کے ساتھ بیٹھ کے مختلف
علوم کی طرف توجہ کرتی اور نہایت پیچیدہ مسائل کو حل کیا کرتی -

مگر یہ حالت زیادہ دنوں نہیں قائم رہ سکی - دفعۃً اسکے دل پر نفسانی

خواہشات کا غلبہ ہوا - اور ایسے جوش و خروش کے ساتھ کہ وہ انھیں نہ دبا سکی- اسکے گرد و پیش ایسے بہت سے لوگ موجود تھے جن میں سے وہ اپنا ایک دلی دوست منتخب کر سکتی تھی - مگر ہمیراسیں یا دیگر بلند مرتبہ شہزادیوں کی طرح وہ یہ نہیں کر سکتی تھی کہ آزادی کے ساتھ عشق و محبت میں مبتلا ہونے کے بعد بھی اپنے کو سنبھالے رہتی - اس کی حالت بہت نازک تھی - اسے ایک ایسے شخص کی تلاش تھی جس پر کامل طور پر بھروسہ کیا جا سکتا - اگر ذرا بھی راز افشا ہوا تو پھر اس شان و شوکت سے محروم ہو جانے کے ساتھ ہی جان بچنے کی کوئی اُمید نہ تھی-

کئی بار اُسے اپنا پرانا دوست فولڈا کا خوب صورت پادری یاد آیا- وہ زمانہ اُس کی آنکھوں میں پھرنے لگا جب ایتھنز میں دونوں ایک دوسرے کی صحبت سے ہر قسم کی مسرتوں کا لطف اٹھایا کرتے تھے - آہ! وہ کیسے امن اور چین کے دن تھے! اُس وقت وہ ہر طرح خوش اور آزاد تھی - مگر اب باوجود اس ساری شان و شوکت کے ایک سخت ترین قید میں پھنسی ہوئی ہے- اور ایسی سخت پابندیاں اور ذمہ داریاں عائد ہو گئی ہیں جو اس کی پُر جوش اور چُلبلی طبیعت کے بالکل مخالف ہیں - وہ چاہتی تھی کہ آزادی کے ساتھ اُٹھے بیٹھے اور ہنسے بولے - مگر اس تخت پر بیٹھنے کے بعد اُس پر واجب تھا کہ عزو وقار قائم رکھنے کے لیے خاموش اور متین بنی رہے - لہذا اس طرزِ زندگی کو وہ زیادہ دنوں نہ نباہ سکی - وہ بہت جلد اس سے تنگ آگئی - ممکن ہے کہ وہ اپنے دل میں پچھتا رہی ہو - بہر حال وہ عورت تھی - اسکو وہ بخوبی سمجھ رہی تھی کہ میرے لیے مناسب نہ تھا کہ لوگوں کو دھوکا دے کے اور اپنے عورت ہونے کو چھپا کے پوپ کے تاج و تخت کو حاصل کرتی - مگر اب جو کچھ ہونا تھا ہو چکا - اور نہایت سخت خطرے میں پھنس گئی ہوں - کوئی علاج بھی سمجھ میں نہیں آتا - ہر وقت جان جانے کا خوف ہے - لہذا ضرورت اسکی ہے کہ کوئی رازدار شخص تلاش کر لیا جائے جو وقت پڑے پر کام آ سکے - اور اگر ایسی ضرورت نہ پیش آئے تو بھی وہ دلدہی کر کے فکر و رنج کو کم کرتا رہے گا - ان لوگوں میں جو ہر وقت اُسے گھیرے رہتے بہت سے نوجوان پادری تھے - کیا یہ ممکن نہیں کہ انھیں میں سے کسی کو منتخب کر کے

اپنا رازدار بنالیا جائے؟ یہ خیالات تھے جو اس وقت جون کے دل میں پیدا ہوئے۔

پوپ کی ذاتی خدمتیں انجام دینے کے لیے جو لوگ محل میں رہا کرتے تھے اُن میں ایک نہایت حسین نوجوان تھا جس کا نام بال ڈلو تھا۔ اُس کی خوش قسمتی تھی کہ جون کی نظر انتخاب اُسی پر پڑی۔ اور اسکی وجہ یہ تھی کہ یہ شخص اتفاق سے فولڈا کے پادری سے بہت مشابہ واقع ہوا تھا۔ بال ڈلو شہر فلارنس کا رہنے والا تھا۔ جون اُس پر فریفتہ ہوگئی۔ اور اُس کے ساتھ خاص عنایت اور مہربانی سے پیش آنے لگی۔ چندروز میں یہی شخص جون کے کل انتظامات خانگی کا داروغہ بن گیا۔ اور زیادہ زمانہ نہیں گذرنے پایا تھا کہ یہ راز بھی اُس پر ظاہر ہوگیا کہ تخت پاپائی پر مرد نہیں بلکہ ایک عورت بیٹھی ہوئی ہے۔ اس کے بعد معلوم نہیں کہ جون نے خود اُس پر اپنا عشق ظاہر کرکے اُسے اپنی طرف مائل کیا یا اُس نے اتنا معلوم ہوجانے کے بعد اپنے معلومات کے اثر سے کام لے کے جون پر پورا قبضہ حاصل کرلیا۔ مگر اب یہ نوجوان بال ڈلو پوپ جون کا عاشق تھا اور وہ اُس کی معشوقہ تھی۔

یہ روایت چلی آتی ہے کہ اُسی رات کو رومتہ الکبریٰ میں کنواری مریم کی ایک مورت دفعتہ گر پڑی اور اُسکے ہزارہا ٹکڑے ہوگئے۔ سینٹ پیٹر کی مورت خودبخود سیاہ ہوگئی۔ اور چاند میں ایسا سخت گہن پڑا کہ اُس نے اپنا سارا نورانی چہرہ شرم کی وجہ سے چھپا لیا۔ اسی قسم کی اور بہت سی بدشگونیاں ظاہر ہوئیں۔ مگر جون نے ان باتوں کی کوئی پروا نہیں کی۔ اب وہ اپنے کمرے سے بہت کم باہر نکلتی۔ عام طور پر لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ پوپ صاحب ریاضت و عبادت میں مصروف ہیں اور دینی ترقی کے لیے چلہ کشی اختیار کیے ہوئے ہیں۔ مگر اصل قصہ یہ تھا کہ جون بال ڈلو کے آغوش شوق میں بیٹھی ہوئی عشق و محبت کے مزے لوٹ رہی تھی۔

امور سلطنت اور مذہبی انتظامات وزرا کے سپرد کردیے گئے تھے جو جون کے نام سے حکومت کر رہے تھے۔ مگر یہ حالت زیادہ دنوں نہیں قائم رہ سکی۔ قدرت نے خود ہی انتقام لینا شروع کردیا۔ اب جون حاملہ تھی اور بہت ہی قریب زمانے میں لڑکا پیدا ہونے والا تھا۔ بال ڈلو سخت پریشان تھا کہ اس مصیبت کا کیا علاج کرے۔ مگر جون کو ابھی زیادہ فکر نہ تھی۔ وہ نویں صدی عیسوی کے مسیحیوں کی

ضعیف الاعتقادی کی وجہ سے مطمئن تھی۔ مسیحی دنیا پر اپنی ایک کرامت ظاہر کر دینا اور لوگوں کا خوش اعتقادی سے اُسے مان لینا زیادہ مشکل کام نہ تھا۔ اُسنے یہی ترکیب سوچ رکھی تھی کہ جب ضرورت ہوگی تو لوگوں کو اپنی ایک کرامت دکھا دونگی اور سب اُسے تسلیم کر لینگے

(۳)

جون کے دل میں ایک خیال یہ بھی پیدا ہوا کہ اس طرح جو لڑکا پیدا ہوگا اُسے بہت ممکن ہے کہ لوگ اس تخت پاپائی کا وارث تسلیم کر لیں۔ اور کیا یہ ممکن نہیں کہ اسکے بعد اسکی اولاد ہی اس تخت کی مالک ہوتی رہے؟ اس نے اپنے دل میں خیال کیا کہ خلفائے بغداد بھی تو مسلمانوں کے دینی مقتدا ہیں۔ ایک خلیفہ کے بعد اُس کا بیٹا جانشین ہوتا ہے۔ پھر کیا مسیحیت میں یہ ناممکن ہے کہ مقتدائی موروثی کر دی جائے؟ میں عورت ہوں۔ مگر عورتوں کو سب نے اس قدر ذلیل کیوں مان لیا ہے؟ کیا مجھ میں کوئی کمی ہے؟ کیا میں عمدگی کے ساتھ حکومت نہیں کر سکتی کیا میں نے ان سب سرکش پادریوں اور راہبوں کو تابع فرمان نہیں بنا لیا جو میرے پیشرو پوپوں سے کسی طرح نہیں دبتے تھے؟ کیا میں نے مسیحی کلیسا کا انتظام بہت سے مردوں سے اچھا نہیں کر دیا ہے؟ اور کیا میں نے دنیا پر یہ نہیں ظاہر کر دیا کہ ایک عورت بھی اس تخت پہ بیٹھنے کا ویسا ہی حق رکھتی ہے جیسا کہ مردوں کو حاصل ہے؟ اس قسم کے خیالات تھے جو اسوقت پوپ جون کے دل میں پیدا ہوے۔ اب یہ باتیں زیادہ اہم نہیں معلوم ہوتی ہیں۔ کیونکہ ہر جگہ عورتیں تعلیم حاصل کر کے مردوں کا مقابلہ کرنے لگی ہیں۔ مگر اب سے بارہ سو برس پہلے جو شخص اس قسم کے خیالات خصوصاً یورپ میں ظاہر کرتا وہ دیوانہ یا پاگل خیال کیا جاتا۔ غرض یہ باتیں تھیں جو جون کے دل و دماغ میں اُسوقت چکر لگا رہی تھیں۔ خود اُس میں ہر طرح کی ہمت اور پورا جوش موجود تھا۔ مگر کُل اُمور پر غور کرنے کے بعد آخر میں اُسے یہی نظر آیا کہ افسوس میں اکیلی ہوں۔ ساری دنیا میں کوئی میرا ہم خیال نہیں۔ اگر یہ راز ذرا بھی کھُل گیا تو پھر میں کہیں کی نہ رہونگی۔ یہ سب لوگ جو میرے ادنیٰ اشارے پر دوڑتے ہیں اُسوقت سخت ترین دشمن

ہو نگے - اور میرے لیے موت یقینی ہوگی - لہذا اُس نے دل میں طے کر لیا کہ اس قسم
کی دلیلوں اور حجتوں سے کام نہیں نکل سکتا - بس ایک کرامت کے زور سے خواہ
وہ اصلی ہو یا مصنوعی یہ مصیبت دفع کی جا سکتی ہے - اور صرف یہی ایک ذریعہ ہے
جس سے میری اور میرے عاشق کی جان بچ سکتی ہے - وہ جانتی تھی کہ اس
ضعیف الاعتقادی کے زمانے میں کسی اہم معاملے کی نسبت پیشین گوئی کر کے ہر شخص
جو چاہے حاصل کر سکتا ہے - اور ساری دنیا قائل ہونے کو تیار ہو جاتی ہے - مختلف
مذاہب کے بانیوں سے بہت سے معجزے ظاہر ہو چکے ہیں اور دین کی سچائی ظاہر
کرنے اور دشمنوں کو زک دینے اور [illegible] کرنے کے لیے وہ خدا کی طرف سے
ظہور میں آئے تھے -

لیکن تعجب ہے کہ جون کی سی چالاک عورت جس نے ساری دنیا کو بیوقوف
بنا لیا تھا اور سب اسکے فریب میں آ گئے تھے وہ خود اپنے حمل کو لوگوں کی نظروں
سے پوشیدہ نہ رکھ سکی - اصل یہ ہے کہ کبھی بڑے بڑے لوگ بھی بیوقوف بن جاتے ہیں -
اور یہی زمانہ تھا اسوقت جبکہ [illegible] انتقام لینا شروع کر دیا تھا۔
اس زمانے میں جس شخص کے سر پر شیطان کا خلل ہوتا اُسے کوئی بڑا پادری
یا خود پوپ صاحب اپنی بابرکت دعاؤں کے زور سے اُتار دیا کرتے - ایک
روز جون کسی مذہبی جلسے میں صدر نشین تھی کہ ایک شخص جس کے سر پر شیطان سوار
تھا اُس کے سامنے لایا گیا تاکہ اُس کا خلل دور کر دیا جائے - جون نے اسکی طرف
مخاطب ہو کے پوچھا "تم کون ہو اور اس غریب آدمی کو کیوں پریشان کر رہے ہو
اور کب اسکے جسم کو اس تکلیف سے نجات دو گے؟" اُس نے جواب دیا کہ
"اے مقدس باپ! میں اس جسم کو اُسوقت چھوڑوں گا جس وقت آپ مجھے
اپنے بطن سے لڑکا پیدا ہوتے دکھا دیں گے!"

جون کو فولڈا کے پادری کا ساتھ چھوڑے بارہ سال سے زیادہ گزر گئے
تھے وہ اپنے دل میں سمجھ رہی تھی کہ یا تو وہ پادری مر گیا ورنہ ترکوں کے ہاتھ میں
گرفتار ہو کے کسی کی غلامی میں مبتلا ہو گا - مگر واقعہ یہ تھا کہ خود وہی پادری اس
وقت رومۃ الکبریٰ میں پہنچا تھا - بارہ برس وہ تحصیل علم کے شوق میں دور دراز

ممالک مین پھرتا اور معلومات بہم پہونچاتا رہا تھا - اُس نے بہت سے پیچیدہ علوم حاصل
کر لیے تھے - اس سے فراغت حاصل کر لینے کے بعد اُسے دفعتہً پُرانی باتین یاد آئین
خوبصورت جوَن کی تصویر آنکھون کے سامنے پھرنے لگی - اُس نے یاد کیا کہ جوَن نے
رومتہ الکبرے جانے کا ارادہ ظاہر کیا تھا - لہذا اسکی تلاش مین ارض مشرق سے
اُسی جانب چل کھڑا ہوا - اس مقدس دارالسلطنت مین پہونچ کے وہ ایک شخص
کے یہان مہمان ہوا اور کپڑے اُتارتے ہی اپنے میزبان سے پوچھنے لگا آپ ایک شخص
جاَن نامی کو تو نہین جانتے ہین جو انگلستان کا باشندہ ہے؟ میزبان اس سوال پر
متعجب ہو کے اُس کی صورت دیکھنے لگا کہ یہ کون شخص ہے جو اتنا نہین جانتا کہ وہی
جاَن جسے وہ دریافت کر رہا ہے تخت پاپائی پر بیٹھا ہوا ساری دنیا پر حکومت کر رہا ہے
مگر یہ زیادہ حیرت کی بات نہ تھی - اُس قدیم زمانے مین خبرین آج کل کی طرح دُور و
دراز ممالک مین فوری طور پر نہین پہونچ سکتی تھین - اور یہ شخص ارض مشرق سے
آ رہا تھا - لہذا ممکن ہے کہ وہان والون کو یہ خبر نہ ہوئی ہو - مختصر یہ کہ میزبان نے
اُس کے سامنے انگریز جاَن کے وہ کُل واقعات بیان کر دیے جو عام طور پر رومتہ الکبریٰ
والون کو معلوم تھے کہ بارہ سال گذرے یہ انگریز جاَن اس عظیم الشان شہر مین آیا -
درجہ بدرجہ ترقی اور نمود حاصل کرتا رہا - یہان تک کہ لیو رابع کے انتقال کے بعد وہی
پوپ منتخب ہوا ہے - آخر مین اُس میزبان نے یہ بھی کہہ دیا کہ چند سال تک تو لوگ اس
عقلمند اور مہربان پوپ کی ہر وقت تعریف کرتے رہتے تھے - اور کوئی بات ایسی پیش
نہین آئی جس سے کسی کو شکایت ہوتی - مگر افسوس اب زمانہ بدل گیا ہے - اب تو
پوپ کا مقدس چہرہ بھی ہم لوگون کو شاذ و نادر ہی نظر آتا ہے - کُل انتظامات ایک
ایسے داروغہ کے ذریعے سے انجام پاتے ہین جو پوپ صاحب کی نظرون مین بہت
عزیز ہے - اور لوگون کو شبہہ ہے کہ اُنکا بھانجا یا بھتیجا ہے - ان پوپ صاحب کے
متعلق اور بھی بہت سی عجیب و غریب روایتین مشہور ہین - بعض لوگ انھین
کسی نہایت ذلیل اور گمنام خاندان سے بتاتے ہین - اور بعض لوگ کہتے ہین کہ
نہین یہ بڑے گھرانے سے تعلق رکھتے ہین - کوئی انھین شاہ انگلستان کا چھوٹا
بھائی بتاتا ہے اور کوئی کہتا ہے کہ شہنشاہ آئرلینڈ کے چچا زاد بھائی ہین -

یہ باتین سُن کے فولڈا کا پادری دل مین نہایت متعجب ہوا - اُسے ابھی تک یقین نہین آتا تھا کہ اس چالاک عورت نے اتنی جرأت کی ہوگی کہ لوگون کو دھوکا دے کے پوپ بن گئی ہو - اس نے دل مین کہا کہ مین خود پوپ سے مل کے اصلیت دریافت کر لون گا - وہ ساری رات اُس نے نہایت بیقراری مین بسر کی اور صبح سویرے ہی پوپ کے دروازے پہ جا کے اطلاع کرائی کہ ایک انگریز کسی فوری ضرورت سے آپ سے ملنا چاہتا ہے - جون مین ایک کمزوری یہ بھی تھی کہ جہان کسی انگریز کا نام لیا جاتا نہایت ہی شوق کے ساتھ اُسی وقت اُس سے ملتی تاکہ اسکی ضرورت پوری کر دے - پادری کی اطلاع ہوتے ہی اُس نے اندر بلا لیا - باوجود اتنی مدت گذر جانے کے پادری نے دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ وہی جون ہے جو میرے ساتھ رہا کرتی تھی اور اثینیہ مین جدا ہو گئی تھی - اور اس وقت تخت پاپائی پر بیٹھی ہوئی ہے - تھوڑی دیر مین جون نے بھی پادری کو پہچانا اور اُسے نہایت تفصیل کے ساتھ بتایا کہ مین کس طرح اس اعلیٰ درجے تک پہونچی ہون - پھر جون نے اُس پادری سے کہا کہ اب تم یہین رومۃ الکبرے مین ٹھہر جاؤ - اور مین ہر طرح تمھاری مدد کرتی رہونگی - امید ہے کہ بہت جلد تم ایک اعلیٰ مرتبہ حاصل کر کے اپنے آخری ایام اطمینان کے ساتھ بسر کروگے " مگر پادری کے دل مین رقابت کا جوش بھرا ہوا تھا - اس نے جواب دیا کہ "نہین - مین تمھاری مہربانی نہین چاہتا - تم نے دغابازی کی بھی حد کر دی - ساری دنیا کو ایک فریب مین مبتلا کر رکھا ہے - تم نے خدا کے گرجے اور حضرت مسیح کے پاک دین کی تحقیر کی - ساری مسیحی دنیا تمھاری پرستش کر رہی ہے اور تمھاری وجہ سے سارے پادری بدکار ہو گئے ہین - اور مین بتائے دیتا ہون کہ اب انتقام کا وقت قریب آگیا ہے "

یہ کہہ کے جون کا پُرانا دوست اس مکان سے نکل گیا - اور جون اُسکے الفاظ اور صورتِ واقعات پہ غور کرنے لگی - اب وہ نہایت پریشان تھی - اور اُس مین وہ ہمت بھی نہین باقی رہی تھی جس سے اُس نے اب تک کام لیا تھا - اُسکے دل مین نہایت پریشان کُن خیالات پیدا ہونے لگے - وہ اسی حال مین بیٹھی تھی کہ بال ڈیلو آگیا - وہ ہر طرح اپنی معشوقہ کو اطمینان دلانے لگا - مگر افسوس کہ اُسے ایک دم

کے لیے بھی اب چین نہ ملتا - اور اب وہ خاموشی کے ساتھ خدا کے فیصلے اور اپنی
قسمت کا انتظار کرنے لگی - دولت اور اقتدار نے بھی اب اُس پر بُرا اثر ڈال دیا
تھا - یہ بھی اُسے کسی طرح گوارا نہ ہوا کہ تخت پاپائی کو چھوڑ دیتی اور رات کی
تاریکی میں اپنے عاشق کے ساتھ رومۃ الکبریٰ سے نکل کے کسی خاموش اور ویران
مقام میں چلی جاتی - جس وقت اُس کا دماغ ٹھیک ہوتا وہ اسی پر غور کرنے لگتی
کہ میں کس طرح اس مصیبت سے نجات پا سکتی ہوں - ممکن تھا کہ کوئی صورت نکل
آتی - مگر اس زمانے میں بعض نہایت عجیب و غریب واقعات دفعۃً پیش آئے -
جن سے لوگ بہت پریشان ہو گئے - اور یقین نظر آنے لگا کہ ہم خداوند تعالیٰ
کے عذاب میں مبتلا ہیں -

دریائے طیبر میں طغیانی آئی اور ساری زمینیں تہ آب ہو گئیں - بہت سے
گرجے اور عالیشان عمارتیں منہدم ہو گئیں - بے شمار انسان اور حیوان پانی میں ڈوب
کے مر گئے - اسی زمانے میں ٹڈیاں بھی ملک میں پھیل گئیں اور کسی طرح اُن کا
سلسلہ ختم نہ ہوتا - ان مصائب سے لوگ عاجز ہو گئے - اب اُن میں صبر کی طاقت
باقی نہ رہی تھی - لہذا شور مچانے لگے کہ "پوپ جنکی حکومت دین و دنیا پر بھی مسلم ہے
ان مصائب کو کیوں نہیں دفع کر دیتے؟ اُنکے ایک ادنیٰ اشارے سے ہماری سب
تکلیفیں رفع ہو سکتی ہیں" - مگر پوپ صاحب خاموش بیٹھے تھے - اُن میں اتنی جرأت
نہ تھی کہ ان غیر معمولی قوتوں کا مقابلہ کرتے - جن انسانوں کو دھوکا دے سکتے تھے وہ
قدرتی امور اسکے اختیار سے باہر تھے - مگر عوام کو اصل حال کیا معلوم؟ وہ تو یہ سمجھ
رہے تھے کہ پوپ صاحب کے ایک اشارے سے یہ ساری خرابیاں رفع ہو سکتی
ہیں - ایک روز رومۃ الکبریٰ کے باشندے پوپ صاحب کے محل کے سامنے جمع
ہوئے - اور زور و شور کے ساتھ کہنے لگے کہ ہم سخت ترین مصائب میں مبتلا ہیں مگر
پوپ پر اس کا کچھ اثر ہی نہیں - اُنکی ایک انگلی کے اشارے سے یہ طوفان خیز دریا
ایک دم میں خشک ہو سکتا ہے - یہ حالت دیکھ کے پالڈو بہت پریشان ہوا -
وہ کانپتا ہوا جون کے پاس آیا اور کہا "معلوم ہوتا ہے اب ہمارا آخری وقت قریب
آگیا ہے - سارے شہر میں ہنگامہ ہو گیا ہے - اور لوگ یہ چاہتے ہیں کہ آپ روانی

قوت سے اُنکی مصیبت کو رفع کردین۔ اب اسکے سوا کوئی چارہ نہین کہ آپ خود باہر نکل کے لوگون کو سمجھا بجھا کے خاموش کرکے رخصت کردین۔ جون برآمدے پر آئی اور لوگون کی طرف اپنا بابرکت ہاتھ اُٹھاکے پہلے کچھ دعائین مانگین پھر وعدہ کیا کہ کل مین پورے مذہبی جلوس کے ساتھ آؤن گا اور تمھاری ساری مصیبتین رفع کردون گی۔

دوسری صبح سے سارے شہر مین بڑا جوش تھا۔ سب لوگ اس دینی جلوس کے دیکھنے کو اپنے گھرون سے نکل آئے تھے۔ اور ہر شخص اسکا منتظر تھا کہ کب پوپ صاحب آکے ہماری پریشانیون کو رفع کردیتے ہین۔ رومتہ الکبریٰ کے کُل گرجاؤن کے گھنٹے خوشی سے بج رہے تھے۔ شہر اور اُسکے قرب وجوار کے کُل پادری، راہب اور ننین پوپ کے محل کے سامنے جمع ہوگئین۔

جون کے دل پر اس وقت ایک خاص اثر تھا۔ بال ڈلہ نے اُسکی یہ حالت دیکھکر اُس سے کہا کہ آپ نہ جائیے۔ مگر جون وعدہ خلافی کی جرأت نہ کر سکی۔ غرض جون اس مذہبی جلوس کے آگے چلی۔ تھوڑی ہی دور جانے پائی ہوگی کہ اُسکا چہرہ متغیر ہونے لگا۔ اور اُس کے خاص طبیب نے اسے محسوس کیا کہ اس کی حالت اچھی نہین ہے۔ اُس نے کچھ مفرح دوائین پلائین۔ جلوس دریا کے کنارے تک پہونچ گیا۔ پوپ نے لوگون کی خواہش کے مطابق پانی کو اُتر جانے کا حکم دیا۔ اور کھیتون کی طرف ہاتھ اُٹھاکے برکت کی دعائین پڑھین۔

اب جلوس ختم ہوگیا۔ اور جون اپنے خچر پر بیٹھی تاکہ محل مین واپس آئے۔ مگر افسوس وہان تک پہونچنا اُس کی قسمت مین نہین لکھا تھا۔ دن کی گرمی، "تکان" اور پریشانی کو وہ برداشت نہ کرسکی۔ اور وضع حمل کا زمانہ بھی آ گیا تھا۔ دفعتہً صلیب اُس کے ہاتھ سے گر پڑی اور وہ بیہوش ہوگئی۔ لوگون کو خیال ہوا کہ کسی شیطان نے پوپ پر غلبہ پالیا ہے۔ فوراً ایک بہت بڑے پادری بلائے گئے جو بھوت اُتارنے مین بڑی مہارت رکھتے تھے۔ لوگ چارون طرف حلقہ کیے ہوئے اس بھوت اُتارے جانے کے عمل کو غور سے دیکھ رہے تھے کہ عجیب وغریب واقعہ پیش آیا۔ پوپ جون کے ایک بچہ پیدا ہوا! اب لوگون کے جوش وخروش کی کوئی انتہا نہ تھی۔ جون اور